

ایمان اُمید اور محبت

عمیرہ کمالیہ



PDFBOOKSFREE.PK

باب 1

وہ بہت آہستہ آہستہ آنکھیں کھول رہا تھا اور ہوش میں آنے کے ساتھ ہی سب سے پہلا احساس سر کے پچھلے حصے میں ہونے والی شدید تکلیف کا تھا۔ ایک کراہ کے ساتھ اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اس نے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا، کوئی اس کے بہت قریب جھکا بلکی آواز میں کہہ رہا تھا۔

”تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟ اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی، وہ دوبارہ آنکھیں کھولنے میں کامیاب رہا، بیڈ کے کنارے اسے چند ہیولے سے نظر آئے۔ اس نے انہیں دیکھنے۔۔۔۔۔ ان پر نظر جمانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ درد بہت شدید تھا۔ اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں اور کراہنے لگا۔

تمہارا نام کیا ہے؟ اب اس سے کچھ اور پوچھا گیا، وہ چند لمحے اسی طرح آنکھیں بند کی کراہتے ہوئے اپنا نام سوچتا رہا پھر جیسے اس کے ذہن میں ایک اسپارک ہوا اور اسے اپنا نام یاد آ گیا۔ بے اختیار اس نے مدہم آواز میں اپنا نام بتایا۔

تمہارے گھر کا نوں نمبر کیا ہے؟

اب اس سے ایک اور سوال کیا گیا۔ اس نے ایک بار پھر نوں نمبر یاد کرنے کی کوشش کی، مگر وہ یاد نہیں کر سکا۔ اس کا ذہن منتشر تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر کراہتا رہا۔
تمہارے گھر کا نوں نمبر کیا ہے؟ اس سے ایک بار پھر پوچھا گیا۔
”یاد نہیں“ اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”آفس کا نوں نمبر بتا سکتے ہو؟ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس سے دوبارہ پوچھا گیا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے منتشر ذہن کو ایک جگہ مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ ایک بار پھر وہ کام رہا۔ اسے آفس کا نوں نمبر بھی یاد نہیں آیا۔
آفس کا نوں نمبر بتا سکتے ہو؟
نہیں“ اس بار اس نے کہا۔
”سوچنے کی کوشش کرو یاد کرو“ اس بار اس کا کندھا تھپتھا کر اس سے کہا گیا۔

مجھے یاد نہیں۔ اس کے درد کی شدت میں ایک دم اضافہ ہو گیا۔
کیا تم جانتے ہو، تم کہاں ہو؟
اس نے آنکھیں کھول کر سوال کرنے والے کے چہرے کی شناخت کرنے کی کوشش کی وہ اسے پہچان نہیں سکا، چہرہ شناسا نہیں تھا۔ صرف ایک لمحے کے لیے وہ آنکھیں کھلی رکھ سکا پھر اسے دوبارہ آنکھیں بند کرنی پڑیں۔
ہاسپٹل۔ ذہن پر چھانے والی تاریکی سے پہلے اس نے بہت بلکی آواز میں

اٹکتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ کچھ بول نہیں سکا۔

یہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ اس کے پاس کھڑے ڈاکٹر نے اس کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

کہیں یہ پہلے کی طرح پھر کوما میں تو نہیں چلا جائے گا۔ ساتھ کھڑی نرس نے خدشہ ظاہر کیا۔

نہیں، اب یہ کوما میں تو نہیں جائے گا۔ میرا خیال ہے آدھے گھنٹہ تک یہ دوبارہ ہوش میں آ جائے گا۔ ڈاکٹر نے نرس سے کہا۔

اپنے بارے میں یہ اب بھی نام کے علاوہ کچھ نہیں بتا سکا۔ تو پولیس اس کے گھر کیسے اطلاع دے گی۔ نرس ڈاکٹر سے پوچھا۔

مجھے نہیں پتا۔۔۔۔۔ یہ ان کا معاملہ ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔ ہمارا کام صرف اس کی جان بچانا تھا۔ وہ ہم کر چکے ہیں۔ اس بار ڈاکٹر نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔ نرس نے جواب میں کچھ کہے بغیر ایک نظر مریض کو دیکھا اور پھر ڈاکٹر کے پیچھے کمرے سے نکل گئی، کمرے میں اب اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

☆-----☆-----☆

محبت ناریک جنگل کی طرح ہوتی ہے، ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ پھر یہ باہر آنے نہیں دیتی۔ باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اتنی عادی ہو جاتی ہیں کہ روشنی میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں۔۔۔۔۔ وہ بھی نہیں جو بالکل صاف، واضح اور روشن ہے۔“

اس نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اب وہ یاد کرنے کی کوشش کر

رہی تھی کہ اس نے یہ سب کس سے کب کہا۔ اسے یاد تھا اس نے یہ سب کس سے کب کہا تھا۔

ہاں جنگل ہی تو ہے جس کے اندر میں آگئی ہوں نہ باہر نکل سکتی ہوں نہ اندر رہ سکتی ہوں۔ اندر رہنے پر میرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ باہر جانے پر میں آنکھیں رکھتے ہوئے بھی دیکھنے کے قابل نہیں رہوں گی۔ بالکل ویسے ہی جیسے ان پانچ سالوں میں ہوا تھا جب میں۔۔۔۔۔۔“

”امید۔ امید“ اس کی سوچوں کا تسلسل امی کی آواز سے ٹوٹ گیا۔

یہاں اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟

میرا دل چاہ رہا ہے امی، یہاں بیٹھنے کو۔۔۔۔۔۔ اندر تو بہت گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ اندھیرے میں اس کے چہرے پر پھسلتی ہوئی نمی امی کو نظر نہیں آسکی اور اس کی آواز سے کوئی کبھی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ رو رہی تھی۔

گھٹن جس کی وجہ سے ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں آندھی آ جائے گی اور پھر بارش ہوگی تو موسم ایک ہو جائے گا۔ وہ اندازہ نہیں کر سکی کہ وہ کسے تسلی دے رہی تھیں۔ میں صحن کی لائٹ جلا دوں؟ اب وہ ایک بار پھر اس سے پوچھ رہی تھیں۔ نہیں، اندھیرے میں بہت سکون مل رہا ہے۔ روشنی پریشان کرے گی۔

اس نے گردن موڑے بغیر انہیں جواب دیا تھا۔

اور اگر انہیں پتا چل جائے کہ میں کیا کر بیٹھی ہوں یا میرے ساتھ کیا ہو چکا ہے تو شاید یہ ساری عمر مجھے تاریکی میں ہی رہنے دیں۔ اس نے ان کے اگلے جملے پر سوچا تھا۔

ایک تو تمہاری عادتیں بھی بہت عجیب ہیں۔ بھلا روشنی کیسے پریشان کرے گی؟ وہ بھی اس کی پشت پر کھڑی تھیں۔ اس طرح اندھیرے میں بیٹھنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ وہ ایک بار پھر کہہ رہی تھیں۔

بس تھوڑی دیر بیٹھنے دیں، پھر میں اٹھ جاؤں گی۔ اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ انہیں یقین دلایا۔

اچھا اور کھانا؟ کھانا کب کھاؤ گی؟ وہ اب دوسری بات پر پریشان ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد۔ اس نے کہا۔

میں اندر جا رہی ہوں۔ تم بھی جلدی اندر آ جاؤ۔ ٹھیک ہے؟ وہ کسی بچے کی طرح اس سے یقین دہانی چاہ رہی تھیں۔

وہ خاموش رہی۔ اس کی پشت پر قدموں کی چاپ ابھری۔ وہ اب واپس اندر جا رہی تھیں۔

کاش اس وقت وہ میری پشت پر کھڑی نہ ہوتیں۔ میرے سامنے آ جاتیں، میرے آنسوؤں کو دیکھ لیں پھر مجھ سے وجہ پوچھتیں یا پھر میری آواز سے ہی کچھ اندازہ کر لیتیں پھر میں ان کو سب کچھ بتا دیتی سب کچھ ایک ایک بات ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، وہ سب جو میں آج تک کسی سے کہہ نہیں سکی، جسے چھپانے کے لئے مجھے اپنے وجود میں ایک قبر بنانا پڑے گی۔

وہ اسی طرح صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھی سوچتی رہی۔

مگر اس نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟ میرے ساتھ ہی کیوں؟ میں

نے تو۔۔۔۔۔ میں نے تو۔ وہ کچھ سوچتے سوچتے ایک پھر رک گئی۔

ہاں مخلص تو میں بھی نہیں رہی، میں نے بھی ہمیشہ For granted لیا۔ مگر

میں نے اس سب کی خواہش تو نہیں کی تھی اور پھر اب جب میں۔

اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ آنسو اب اس کی گردن پر پھسلتے ہوئے قمیض کے

گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔

ہوا ایک دم تیز ہو گئی۔ اس نے فضا میں گرد محسوس کی، صحن میں لگے ہوئے

درخت بہت تیزی سے ہل رہے تھے۔ ہوا میں اڑنے والے پتے اب اس سے ٹکرانے

لگے تھے۔ وہ بے جان قدموں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اندر کمرے میں آ کر اس نے

دروازہ بند کر لیا، بیڈ پر لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اسے وہاں آئے کتنے دن ہو گئے تھے۔ اسے یاد نہیں تھا۔ وہ کوشش کے

باوجود بھی وہاں سے واپس جانے میں کامیاب نہیں ہوئی۔

تمہاری عادتیں بہت خراب ہو گئی ہیں۔ اس بار اسے آنے دو، میں بات

کروں گی اس سے کہ تمہیں کچھ کہنا کیوں نہیں اپنی مرضی کرتی رہتی ہو۔

وہ امی کی باتوں کو خالی ذہن کے ساتھ سنتی رہی۔

تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ اس طرح کی لاپرواہی تمہارے لیے مناسب

نہیں ہے وہ چپ چاپ ان کا چہرہ دیکھتی رہتی۔

آنکھیں بند کیے اس نے پوری زندگی کو دیکھنے کی کوشش کی، کون سی چیز کہاں

غلط تھی اس سے کب کون سے غلطی ہوئی تھی۔ غلطی؟ کیا واقعی مجھ سے کوئی غلطی ہوئی

ہے۔ زندگی میں جس Code of ethics (اخلاقی قدروں) کو لے کر چلتی رہی

کیا وہ غلط تھا؟ اور اب۔۔۔۔۔ اب میں کس سے کون سی اخلاقیات کی بات کرنے کے قابل رہی ہوں۔ اس نے تکلیف سے سوچا۔

☆-----☆-----☆

اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ تلاوت کی جارہی تھی اور کرنے والے سے وہ اچھی طرح واقف تھی اور یہ وہ بھی جانتی تھی کہ ابھی چند منٹوں کے بعد یہ آواز اسے جگاری ہوگی وہ منہ ہی آنکھوں کو گرگڑتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی، منہ پر ہاتھ رکھ کر اس نے جماعی کوروکا۔

پتا نہیں ڈیڈی س طرح اتنی صبح اٹھ جاتے ہیں یا شاید یہ رات کو سوتے ہی نہیں۔

اس نے بیڈ سے اترتے ہوئے تجزیہ کیا ساتھ والے بیڈ سے اس عدیلہ کو جھنجھوڑ کر اٹھایا، پھر وہ اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔

ویری گڈ آج تو بغیر جگائے ہی بیدار ہو گئی۔ میجر عالم جاوید نے اپنی بیٹی کو جماہیاں لیتے ہوئے کمرے سے باہر آتے دیکھ کر کہا۔

ہاں تو میں نے سوچا اس سے پہلے کہ آپ اندر آئیں۔ میں خود ہی آ جاؤں۔ وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

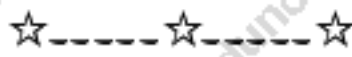
اب اتنی ہمت کر لی ہے تو اٹھو اور وضو کر کے نماز بھی پڑھ لو۔ انہوں نے قرآن پاک بند کرتے ہوئے اسے پچکا رتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ کہے بغیر اٹھ گئی۔

وہ میجر عالم جاوید کی سب سے بڑی بیٹی تھی اس سے چھوٹی عدیلہ تھی اور پھر دو جڑواں بھائی۔ وہ صرف ان کی بڑی بیٹی ہی نہیں تھی بلکہ ان کی بہت زیادہ لاڈلی بھی

تھی۔ اس کے مزاج میں میٹرک میں آنے کے باوجود بہت زیادہ بچپنا تھا اور اس کی بنیادی جہ میرج عالم جاوید کالا ڈیپارٹمنٹ تھا۔ بچپن میں میجر عالم جاوید جب بھی گھر پر ہوتے وہ ان کی کود میں چڑھی رہتی۔ اس کا اب بھی یہی حال تھا جب تک وہ گھر پر رہتے۔ وہ سائے کی طرح ان کے ساتھ لگی رہتی۔ وہ ماں کے بجائے اپنا ہر کام باپ سے کروانے کی عادی تھی۔ کتابوں پر کور چڑھانے کا کام ہو، لٹچ باکس تیار کروانے ہو یا پھر بال سنوارنے کا خالص زمانہ کام امید اپنے سارے کام باپ سے ہی کرواتی تھی اور شاید اس عادت کو ڈالنے میں بھی بڑا ہاتھ میجر عالم جاوید کا ہی تھا۔ انہوں نے بچپن سے ہی اس کا ہر کام خود کیا تھا اور اب یہ حالت ہو گئی تھی کہ اپنی ماں کی ناراضی کے باوجود وہ سارے کام باپ سے ہی کرواتی۔ جب عالم جاوید ایک سرسبز پرگئے ہوتے تو امید کے سوا کسی کو مشکل پیش نہیں آتی تھی صرف وہ تھی جو اپنا ہر کام رو رو کر کیا کرتی تھی کیونکہ اسے عادت ہی نہیں تھی کوئی دوسرا بھی اس کا کوئی کام کرنا تو وہ مطمئن نہ ہوتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کی امی خفا ہو کر اس کا کوئی کام نہ کرتیں اور بیٹ مین کو بھی منع کر دیتیں۔

باپ کے واپس آنے پر وہ یہ سب کچھ باپ کو بتاتی اور وہ اگلے کئی دن جیسے تلافی کے طور پر اس کا چھوٹے سے چھوٹا کام بھی خود ہی کرتے۔

امید نے اپنے باپ کو بہت مذہبی دیکھا تھا۔ وہ باقاعدہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے اور بہت چھوٹی سی عمر میں انہوں نے اسے بھی نماز کی عادت ڈال دی تھی۔ وہ ساتھ رکھتے ہوئے اسے مذہب کے بارے میں بہت کچھ بتایا کرتے تھے۔ وہ کچھ باتوں کو سمجھ جاتی، کچھ کو سمجھ نہ پاتی مگر خاموشی سے سنتی رہتی۔



زندگی بہت پرسکون انداز میں گزر رہی تھی۔ امید نے ان دنوں بہت اچھے نمبروں سے میٹرک کرتے ہوئے ایف ایس سی میں داخلہ لیا تھا جب اسے گھر کے ماحول میں کچھ عجیب سی تبدیلیاں محسوس ہوئی تھیں۔ امی اور ڈیڈی یک دم بچے بچے نظر آنے لگے تھے۔ اس نے امی کوئی دفعہ آنسو بہاتے دیکھا۔ ڈیڈی بھی بہت پریشان نظر آنے لگے تھے۔ ان کی شوخی اور شگفتگی یک دم ماند پڑ گئی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ امی اور ڈیڈی سے ان کی پریشانی کی وجہ پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ بڑی عمدگی سے ٹال گئے۔

پھر ایک دن میجر جاوید عالم نے اسے اپنے پاس بیٹھاتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

تمہیں آج کچھ ضروری باتیں بتانی ہیں امید۔

اسے ان کی آواز میں کوئی بہت سی غیر معمولی چیز محسوس ہوئی تھی جس نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔ مدہم آواز میں سر جھکائے انہوں نے اسے بتایا تھا کہ میڈیکل چیک اپ کے دوران ان کے دماغ میں تین جگہ ٹیومر تشخیص ہوئی ہے۔ ڈاکٹر ز نے انہیں فوری طور پر آپریشن کا کہا ہے۔ اسے زندگی میں کبھی اتنا خوف نہیں آیا تھا۔ جتنا اس نے اس وقت باپ کا چہرہ دیکھتے ہوئے محسوس کیا۔

میرے پاس کوئی راستہ نہیں ہے آپریشن کرواؤں تب بھی بچنے کے چانسز بہت کم ہیں نہ کرواؤں تب بھی چند ماہ کے اندر میری بینائی ختم ہو جائے گی۔ پھر شاید ان کی آواز بھاری ہوگئی۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر بے یقینی کے عالم میں ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

تم گھر میں سب سے بڑی ہو میرے بعد تمہیں ہی میرا رول ادا کرنا ہے۔

میری ذمہ داریاں اٹھانی ہیں تمہیں بہت بہادر بننا ہوگا۔ اس کا باپ آہستہ آہستہ اس سے کہہ رہا تھا۔

مگر میں میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی؟

کر لوگی، سیکھ جاؤ گی۔۔۔۔۔ کرنا پڑے گا ورنہ گھر کا کیا ہوگا مجھے آرمی سے ریلیز کیا جا رہا ہے۔ آنے والے دن بہت مشکل ہو جائیں گے، خاص طور پر تمہارے چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے۔ تمہاری امی کہہ رہی تھیں کہ میں یہ سب کچھ تمہیں نہ بتاؤں تم سن نہیں سکو گی مگر تمہیں بتانا بہت ضروری تھا۔ تم میرے بعد گھر میں سب سے بڑی ہو۔ میں نے تمہاری امی سے کہا کہ تم بہت بہادر ہو تم سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ گھٹی گھٹی آواز میں اس نے باپ سے کہا۔ امی ٹھیک کہتی ہیں میں بہادر نہیں ہوں۔

انہوں نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا، وہ صرف خاموشی سے اسے دیکھتے رہے تھے۔ امید کو اپنا وجود پکھلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

صرف میرے باپ کے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ وہ تو۔۔۔۔۔ اس کے دل میں بے اختیار شکوہ آیا تھا۔

زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے امید۔۔۔۔۔ اگر رونے سے تقدیر بدلی جا سکتی تو یہاں ہر انسان رو رہا ہوتا۔۔۔۔۔ تمہاری طرح۔۔۔۔۔ انہوں نے بائیں ہاتھ سے اس کے گالوں پر بستے ہوئے آنسو صاف کیے تھے۔

ہر شخص زندہ رہنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ مگر یہ اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ میرے ہاتھ میں بھی نہیں ہے۔ وہ بے اختیار باپ سے لپٹ گئی۔

مگر مجھے یقین نہیں آ رہا۔ آپ کی باتوں پر مجھے یقین نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ یہ سب ہمارے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ ہم آپ کے بغیر کیا کریں گے۔

وہ بچوں سے روری تھی۔ میجر عالم جاوید کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ وہ کتنی دیر روتی رہی تھی۔ اسے یاد نہیں صرف اتنا یاد ہے کہ جب اس کے آنسو تھمے تھے تو اس کے باپ نے ایک بار پھر اسے بہت سی نصیحتیں کی تھیں۔

وہ رات اس کی زندگی کی سب سے بھیاںک راتوں میں سے ایک تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اپنی آنکھیں بند نہ کر سکی تھی۔ کیا سب کچھ اس طرح اتنی آسانی سے ختم ہو جائے گا۔ میرا گھر میرا باپ اور پھر میں۔۔۔۔۔ میں کیا کروں گی؟ میں تو۔۔۔۔۔ میں نے تو کبھی اپنے باپ کے علاوہ کچھ کیا ہونے والا ہے؟ کیوں ہونے والا ہے؟ میرے ساتھ ہی کیوں؟ ہمارے ساتھ کیوں؟ اسے یاد نہیں صبح کب ہوئی تھی۔ اسے صبح ہونے کا احساس صرف تب ہوا تھا جب اس نے اپنے باپ کی تلاوت کرتی ہوئی آواز سنی تھی۔ ہمیشہ کی طرح مطمئن۔ پرسکون۔۔۔۔۔ وہ آواز سن کر ایک بار پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

اگلے کئی دن وہ کالج نہیں گئی۔ اگلے کئی دن اس نے روتے ہوئے گزارے۔ میجر عالم جاوید اسے ہر روز اپنے پاس بٹھا کر سمجھایا کرتے تھے پھر آہستہ آہستہ وہ سنبھلنے لگی تھی یا کم از کم اس نے باپ پر یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ وہ مائل ہونے لگی ہے۔ اب وہ ان کے سامنے نہیں روتی تھی ان سے چھپ کر روتی تھی۔ اس نے کالج جانا بھی شروع کر دیا تھا۔ اس کی زندگی سے شوخی اور بچپنا یک دم غائب ہو گیا

تھا۔ اسے آنے والی ذمہ داریوں کا احساس ہونے لگا تھا۔ ان کے پاس کوئی ذاتی یا خاندانی گہر نہیں تھا نہ ہی کوئی مناسب بینک بیلنس اور آرمی سے ریلیز ہونے کے بعد بھی مالی حالات میں کوئی زیادہ بڑی تبدیلی نہیں آ سکتی تھی صرف یہی ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ کوئی چھوٹا موٹا گھریا فلیٹ خرید لیتے اور کچھ رقم فکس ڈپازٹ کروا دیتے مگر زندگی گزارنے کے لئے بہت سی دوسری چیزوں کی ضرورت تھی۔ وہ چیزیں کہاں سے آئیں اور سب کچھ مل بھی جاتا تب بھی۔۔۔۔۔ باپ کہاں سے ملتا۔

اگلے چند ماہ اس کے لیے کچھ اور مشکل ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے باپ کو ختم ہوتے دیکھ رہی تھی۔ میجر عالم جاوید آپریشن نہیں کروانا چاہتے تھے۔

میں زندگی کے جتنے دن ہوش کے عالم میں تم لوگوں کو دیکھ سکتا ہوں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی زندگی کو اور مختصر کرنا نہیں چاہتا۔ انہوں نے آپریشن کروانے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔ کسی نے دوبارہ اس پر اصرار نہیں کیا تھا۔ امید کو کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ باپ کے سر میں ہونے والا کبھی کبھار کا درد کسی اتنی سنگین بیماری کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے سر میں درد ہوتا وہ کوئی ٹیبلٹ لیتے اور سب کچھ ٹھیک ہو جاتا اور اب

--

میجر عالم جاوید آپریشن سے صرف اس لیے خوفزدہ تھے کہ ان کی زندگی اور مختصر ہو جائے گی مگر ان کی زندگی کو اتنا ہی مختصر ہونا تھا۔ ان کی موت کس قدر پرسکون طریقے سے ہوگی یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ ایک رات نیند کے دوران وہ بڑی خاموشی سے دنیا کو خیر باد کہہ گئے تھے۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ان کی موت کے بعد کتنے ہی دن وہ سب خود کو

یقین نہیں دلا پائے تھے کہ وہ اب نہیں ہیں۔ ہر وقت انہیں یوں ہی لگتا تھا جیسے وہ ابھی آجائیں گے یا جیسے وہ وہیں موجود ہیں مگر پھر آہستہ آہستہ ان سب نے حقیقت سے سمجھوتا کر لیا تھا۔

امید نے ایک مچھوڑ کی طرح گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ باپ کے ایک دوست کی وجہ سے انہیں آرپی کی طرف سے دیے گئے گھر میں کچھ عرصہ رہنے کا موقع مل گیا تھا۔

اس زمانے میں صرف ایک شخص تھا جس نے ہر قدم پر اس کی مدد کی اور رہنمائی کی تھی اور جہاں زیب تھا۔ شاید اس کی اور اس کی فیملی کی مدد کے بغیر ان لوگوں کی دشواریوں اور مشکلات میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا۔

جہاں زیب اس کے والد کے ایک دوست کا بیٹا تھا اور ان کے ساتھ ان لوگوں کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ دونوں گھرانوں میں بہت زیادہ آنا جانا تھا۔ جہاں زیب کے والد ایک بزنس مین تھے اور وہ مستقل طور پر راولپنڈی میں مقیم تھے جبکہ امید کے گھر والے مختلف شہروں میں کھومتے رہتے اور ہر بار جب بھی چھٹیوں میں وہ راولپنڈی آتے تو پھر تمام چھٹیاں دونوں گھرانے تقریباً اکٹھے ہی گزارتے تھے جہاں زیب اس سے چار پانچ سال بڑا تھا اور اس کے مزاج میں بھی اتنی ہی شوخی تھی جتنی امید میں وہ بہت جلد ہی امید میں دلچسپی لینے لگا تھا اور یہ بات دونوں خاندانوں میں چھپی نہیں رہی تھی مگر اس پر کسی نے اعتراض کرنے کے بجائے ان دونوں کی نسبت طے کر کے ان کی پسندیدگی کو قبولیت بخش دی تھی۔ وہ اس وقت میٹرک کر رہی تھی جب جہاں زیب سے اس کی نسبت طے ہوئی تھی اور وہ اس نسبت پر بہت زیادہ خوش تھی۔

نسبت طے ہونے کے بعد جہاں زیب ہفتے میں تین بار سے راولپنڈی سے فون کیا کرتا تھا۔

مہاجر عالم جاوید کی علالت کے دوران بھی جہاں زیب اور اس کی فیملی سے ان کے تعلقات اتنے ہی گہرے تھے۔ وہ لوگ راولپنڈی سے ہر ویک اینڈ پر عالم جاوید کی عیادت کے لیے آتے۔ جہاں زیب کے والد اصرار کرتے کہ عالم علاج کے لئے باہر چلا جائے مگر مہاجر عالم جاوید ان کی بات کو نظر انداز کر دیتے، امریکہ میں علاج بہت مہنگا تھا۔ وہ اگر اپنا سب کچھ بیچ کر باہر چلے جاتے تب بھی ان کے پاس کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ ان کا آپریشن کامیاب ہوگا اور تب ان کے گھر والے کیا کرتے وہ انہیں فٹ پاتھ پر لا بٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ جہاں زیب کے والد انہیں اپنے خرچ پر باہر بھیجنے کی آفر بھی کر چکے تھے مگر مہاجر عالم جاوید نے یہ آفر بھی ٹھکرادی وہ ان سے قرض لینا نہیں چاہتے تھے نہ ہی احسان کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے ان کی بیٹی کے مستقبل پر کوئی اثر پڑے۔

ان کی وفات کے بعد بھی ان لوگوں نے اسی طرح ان سے اپنے رابطے قائم رکھے تھے۔ جہاں زیب ان دنوں گریجویشن کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا لیکن اس کے باوجود تقریباً ہر ویک اینڈ پر اس کے پاس آنا اور ہر روز فون کیا کرتا۔ اس کی تسلیوں اور دلاسوں نے زندگی کے ایک مشکل مرحلے پر اس کی بہت مدد کی تھی۔ جہاں زیب کے لیے اس کی محبت اور گہری ہوتی گئی تھی۔ پھر وہ اس سے بہت سے وعدے کر کے باہر چلا گیا تھا اور باہر جا کر اس نے اپنے سارے وعدے پورے کیے تھے وہ باقاعدگی سے اسے خط لکھتا تھا اور وقتاً فوقتاً

نون بھی کرتا رہتا۔

اس نے جہاں زیب کے جانے کے بعد ایف ایس سی کر لیا تھا۔ ایف ایس سی میں اس کے بہت اچھے نمبر تھے وہ چاہتی تو میڈیکل میں جاسکتی تھی مگر وہ اتنے زیادہ اخراجات نہیں اٹھا سکتی تھی۔ جہاں زیب کے والد نے انہیں راولپنڈی می یک چھوٹا مگر بہت اچھا گھر تلاش کر دیا تھا، اپنے باپ کی وفات کے بعد ان کے مختلف فنڈز کی رقم سے انہوں نے وہ گھر خریدا اور راولپنڈی شفٹ ہو گئے۔

اب ان کے پاس بہت زیادہ رقم نہیں رہی تھی امید کے پاس اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنی تعلیم چھوڑ دے اور کوئی جاب کر کے اپنی فیملی کو سپورٹ کرنے کی کوشش کرے اس نے یہی کیا تھا۔ کچھ عرصہ وہ راولپنڈی میں مختلف جائزہ کرتی رہی۔ پھر وہ بہتر مواقع کی تلاش میں لاہور آ گئی تھی۔

انٹر تک تعلیم سے کوئی بھی اچھی جاب نہیں دلا سکتی تھی۔ یہ بات وہ اچھی طرح جان چکی تھی اس لیے اس نے پرائیویٹ طور پر بی اے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ اس زمانے میں اس نے بہترے کام کیے تھے اس کا دن صبح پانچ بجے سے شروع ہوتا اور رات گیارہ بارہ بجے ختم ہوتا۔ آٹھ بجے تک وہ خود پڑھتی پھر تیار ہو کر اس آفس چلی جاتی جہاں وہ ریسپنڈنٹ کے طور پر تین بجے تک کام کرتی تھی تین بجے وہاں سے فارغ ہو کر وہ یونیورسٹی پڑھانے چلی جاتی۔ رات آٹھ بجے تک وہ مختلف جگہوں پر یونیورسٹی پڑھاتی اور پھر ہاسٹل چلی آتی۔ جہاں آنے کے بعد وہ ایک بار پھر کتابوں میں گم ہو جاتی۔ اتنے بہت سے کام کرنے کے بعد ہی وہ اس قابل ہو پاتی تھی کہ ہر ماہ اپنے گھر والوں کو کچھ معقول رقم بھجوا سکے جنہیں اس کی ضرورت تھی۔

چوبیس گھنٹے ایک مشین کی طرح کام کرنے کے باوجود وہ ناخوش نہیں تھی۔ وہ ہر وقت پرسکون اور مطمئن رہتی تھی۔ یہ سب کچھ صرف چند سال کے لیے ہے، پھر جہاں زیب آجائے گا اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تب تک اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہو چکی ہوں گی اور ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔ وہ ہر ہفتے جہاں زیب کی طرف سے ملنے والے خط کو پڑھ کر سوچتی۔ اس کی روم میٹ عقیدہ بھی جہاں زیب کے بارے میں جانتی تھی۔

تم بہت لکی ہوا امید۔ تمہارا منگیتر بہت اچھا ہے۔ مجھے حیرانی ہے کہ باہر جا کر بھی وہ تمہیں یاد رکھے ہوئے ہے۔ اس طرح لیئرز اور کارڈز بھیجتا ہے۔ عقیدہ اس کے باقاعدگی سے آنے والے خطوط اور کارڈز کو دیکھ کر کہتی۔ وہ مسکرا کر اس کی باتیں سنتی رہتی اور اسے خود پر رشک آنا ہاسل میں اس کے ساتھ والے کمرے میں بھی اس کے منگیتر کو ڈسکس کیا جاتا تھا۔ وہاں بھی اس پر رشک کیا جاتا تھا۔ سارے دن کی مصروفی کے بعد اس کے پاس سکون کے لیے واحد چیز اس کے خط اور کارڈز ہوتے تھے۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ مصروف رہتی اور پھر حیرت انگیز طور پر پرسکون ہو جاتی۔

مہینے میں ایک دو بار راولپنڈی جاتی۔ ویک اینڈ وہاں گزارتی اور پھر مطمئن ہو کر واپس آ جاتی۔ جہاں زیب کے والد نے اسے بہت دفعہ کہا تھا کہ وہ کوئی کام نہ کرے۔ وہ اس کے گھر کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں مگر وہ یہ نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنی فیملی کے لیے سب کچھ خود کرنا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جس گھر میں اسے کل بھروسہ کر جانا ہے اس کے گھر والے پہلے ہی ان کے احسانوں تلے دب جائیں۔

ٹھیک ہے محنت کرنا پڑ رہی ہے۔ زندگی قدرے مشکل ہے۔ آسائشیں نہیں رہیں، مگر عزت نفس تو ہے ناں مجھے جہاں زیب کی فیملی کے سامنے نظریں جھکانا پڑتی ہیں نہ ہاتھ پھیلا نا پڑتا ہے۔ وہ سوچتی اور مطمئن ہو جاتی۔

نبی اے کرنے کے بعد اس نے کچھ کمپیوٹر کورس کیے اور ایک فرم میں کمپیوٹر آپریٹر کے طور پر کام کرنے لگی۔ اس کے دوران دونوں بھائی میٹرک میں تھے۔ جہاں زیب باہر سے سے تسلیاں دیا کرتا تھا کہ ان کے گریجویشن کرتے ہی وہ انہیں باہر بلا لے گا۔ وہ سوچتی یہ شخص میرے لیے کیا کیا کرے گا اور میں اس کا احسان کس طرح اتاروں گی۔ وہ اسے خط میں یہی لکھ دیتی۔ اس کا جواب آتا۔

میں احسان نہیں کرتا ---- محبت کرتا ہوں ---- وہ اس کا جواب پڑھ کر سوچتی زندگی کوئی اندھا کنواں نہیں ہے اس میں بہت روشنی بہت جگمگاہٹ ہے بس ذرا دور ہے۔

☆ _ _ _ ☆ _ _ _ ☆

ان ہی دنوں وہ اپنی تعلیم ختم کر کے واپس پاکستان آ گیا تھا۔ پاکستان آنے کے چند دن بعد وہ ہاسٹل اسے ملنے آیا وہ پہلے سے زیادہ شاندار ہو گیا تھا۔

امید۔۔ ہمیں کسی ریسٹورنٹ میں چلنا چاہیے۔ یہاں بیٹھ کر تو ہم باتیں نہیں کر سکتے۔ وہ راولپنڈی سے اپنی کار ساتھ لایا تھا اور اب اس سے اصرار کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔

نہیں جہاں یب۔۔ ہمیں باتیں کرنی ہیں تو ہم یہاں بیٹھ کر بھی کر سکتے ہیں۔ باہر تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں میں جب سے یہاں رہ رہی ہوں۔ کسی کے

ساتھ باہر نہیں گئی۔ اب تمہارے ساتھ جاؤں گی تو سب کی نظروں میں آ جاؤں گی۔

اس نے معذرت کر لی۔ تو آ جاؤ نظروں میں کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ بے حد لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔ امید نے حیرانی سے دیکھا۔

فرق پڑتا ہے جہاں زیب مجھے فرق پڑتا ہے کیونکہ مجھے یہیں رہنا ہے۔ تمہیں ساری عمر تو یہاں نہیں رہنا۔ جتنا رہ چکی ہو کافی ہے اب میں آ چکا ہوں اور میں شادی کرنا چاہتا ہوں پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ تھوڑا بدل گیا۔

وہ ٹھیک ہے لیکن پھر بھی میں جب تک یہاں رہنا چاہتی ہوں اچھے طریقے سے رہنا چاہتی ہوں۔ امید نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

اتنا قد امت پرست بننے کی ضرورت نہیں ہے امید۔ میرا خیال تھا کہ تم اب تک کچھ لبرل ہو چکی ہو گی مگر تم۔۔۔ خیر اس بحث کو چھوڑنی اچھا حال تو میرے ساتھ چلو۔ میں صرف تمہارے لیے راولپنڈی سے گاڑی پر لا ہوا آیا ہوں۔

جہاں زیب یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس وقت ویسے بھی شام ہو رہی ہے اور تمہارے ساتھ پھرنا تمہیں سمجھنا چاہیے میرے پر بالم کو۔ امید نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

اس میں پر اہلم والی کون سی بات ہے۔ میں تمہارا منگیترا ہوں تم بتا دینا ہاسٹل میں سب کو۔۔۔

یہاں ہر لڑکی کسی کے ساتھ جاتے ہوئے اسے کزن بتاتی ہے یا منگیترا۔ اس لیے میرے یہ کہنے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔

امید یہ بہت فضول بات ہے۔ تمہیں میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے میرے ساتھ چالنا چاہیے۔ جہاں زیب کا موڈ یک دم بگڑنے لگا تھا۔ امید حیران ہو رہی تھی جہاں زیب کبھی اس طرح ضد نہیں کیا کرتا تھا۔ راولپنڈی میں ان کی مٹگنی کے بعد ان کے درمیان فون پر بات ہوتی اور وہ اکثر ان کے گھر آیا کرتا لیکن اس نے اس طرح کبھی اسے باہر چلنے کے لیے کہا تھا نہ ہی ایسی کسی بات پر کبھی ضد کی تھی اور اب وہ ناراض ہو رہا تھا۔ امید کو اس کے رویے سے عجیب سی الجھن ہونے لگی تھی۔ اس کے مسلسل اصرار کے باوجود وہ اس کے ساتھ نہیں گئی وہ بہت مشتعل ہو کر وہاں سے گیا تھا۔

امید پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

کیا ہوا ہے بہت پریشان لگ رہی ہو۔ عقیلہ نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی پریشانی کو بھانپ لیا۔
نہیں کچھ نہیں۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

تم جہاں زیب سے ملنے گئی تھیں مل لیں؟ عقیلہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ہاں

کوئی جھگڑا ہو گیا ہے؟

ہاں

کیا ہوا؟

عقیلہ وہ مجھے باہر لے جانا چاہ رہا تھا۔

تو؟ عقیلہ نے بہت پرسکون انداز میں جواب دیا۔

تو۔۔۔ تو یہ کہ میں نے انکار کر دیا۔

کیوں؟

یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس طرح اس کے ساتھ باہر جانا۔

کیوں ٹھیک نہیں ہے؟ وہ تمہارا منگیترا ہے۔ اتنے سالوں کے بعد باہر سے

آیا ہے۔

مگر یہ غلط ہے عقیلہ۔ وہ تقریباً چلا پڑی۔ ہاسٹل میں سب لوگ میرے

بارے میں کیا سوچتے اور میرے گھر والوں کو پتا چلتا تو وہ کیا محسوس کرتے۔

ہاسٹل میں رہنے والوں کی پروا کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ

جو چاہیں انہیں سمجھنے دو۔ جہاں تک گھر والوں کی بات ہے تو تمہارے گھر والوں کو کیسے

پتا چلے گا وہ تو راولپنڈی میں ہیں۔

اسی لیے تو میں یہ دھوکا نہیں کرنا چاہتی۔ ان کا اعتماد توڑنے کی ہمت نہیں

ہے مجھ میں۔ اس نے صاف انکار کیا۔

جہاں زیب الکحل صحیح ناراض ہوا ہے تمہارے جیسی لڑکی کے ساتھ یہی ہونا

چاہیے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تم۔۔۔ تمہیں کبھی ہاسٹل کی فکر ہوتی ہے اور کبھی گھر

والوں کی اپنی کیوں نہیں سوچتیں تم؟

کیا مطلب ہے تمہارا؟

مطلب بالکل صحاف ہے۔ وہ تمہارا منگیترا ہے۔ تمہیں اس کی خواہشات کو

اولیت دینی چاہیے۔ وہ تمہیں اگر اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہ رہا تھا تو اس میں کوئی

ایسی بری بات نہیں ہے۔

بری بات ہے۔۔۔۔۔ میرے ڈیڈی نے جہاں زیب کے ساتھ مگنی ہونے کے بعد ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ وہ نون کرنا ہے ٹھیک ہے اس سے بات کر لیا کرو مگر اس کے ساتھ شادی سے پہلے کبھی باہر مت جانا۔
عقیدہ اس کی بات پر عجیب سے انداز میں نہی۔

تمہارے ڈیڈی بہت عرصہ پہلے مر چکے ہیں جو لوگ مر جاتے ہیں۔ ان کی اقوال زریں دہرائے اور ان پر عمل کرنے کی بجائے وہ زندہ لوگوں کی خواہشات کے بارے میں غور کرنا چاہیے۔ امید کو اس کی بات پر دھچکا لگا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اس کے باپ کے بارے میں اتنی بے رحمی سے بات کرے گی۔

مجھے دیکھو، میں بھی شفیق کے ساتھ باہر جاتی ہوں، حالانکہ ہم دونوں کی تو کوئی مگنی نہیں ہوئی، تمہارے نظریات کے لحاظ سے تو میں بھی ایک بری لڑکی ہوں ہے نا؟ وہ سمجھ نہیں پائی وہ طنز کر رہی تھی یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے، میں دوسروں کے کردار کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرتی۔ مگر اپنے لیے مجھے یہ کرنا اچھا نہیں لگتا۔

کیوں اچھا نہیں لگتا۔ نو سال سے وہ تمہارا مگنیتر ہے۔ تمہاری اپنی مرضی سے وہاں مگنی ہوئی ہے۔ اپنے ڈیڈی کے فرمان اگر بھول جاؤ تو بتاؤ کہ اس کے ساتھ باہر جانے میں کیا حرج ہے۔ وہ تمہیں کھا تو نہیں جائے گا۔ اگر تم اسے نون کر سکتی ہو۔۔۔۔۔ خط لکھ سکتی ہو۔ ہاسٹل میں مل سکتی ہو تو پھر اس کے ساتھ باہر جانے میں کیا حرج ہے۔ انسان متیں منافقت نہیں ہونی چاہیے۔

وہ اسے پتا نہیں کیا جتا رہی تھی کچھ کہنے کی بجائے وہ خاموشی سے اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ لان میں بہت دیر تک وہ خطر اب اور بے چینی کے عالم میں ٹہلتی رہی تھی۔ پھر اچانک اس نے عقیلہ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ تمہیں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں، بتا تو جاتیں کہ لان میں بیٹھو گی۔ جہاں زیب کی کال آئی ہے میرے موبائل پر، وہ کچھ دیر بعد دوبارہ کال کرے گا۔

اس نے اطلاع دی۔ وہ بے اختیار خوش ہوئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کا غصہ کم ہو گیا ہے۔ وہ جہاں زیب کی عادت جانتی تھی۔ عقیلہ کے ساتھ وہ کمرے میں آ گئی تھی۔ پندرہ منٹ بعد جہاں زیب کی کال آئی تھی۔ اس کا غصہ واقعی ختم ہو چکا تھا۔ اس نے امید سے اپنے تلخ رویے کے لئے معذرت کی۔ امید نے کھلے دل سے سے معاف کر دیا تھا۔

”اس ویک اینڈ پر تم راولپنڈی آ سکتی ہو؟ وہ پوچھ رہا تھا۔ کیوں؟

میرے گھر والے تمہارے گھر آنا چاہ رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ آؤں گا۔ یہاں نہیں تو وہاں تو ملاقات ہو سکتی ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں راولپنڈی آ جاؤں گی۔ اس نے بڑی خوشی سے ہامی بھر لی۔ فون بند کرتے ہی عقیلہ نے اس سے کہا۔ تم بہت لکی ہو امید کہ تمہیں جہاں زیب جیسا شخص ملا ہے، ورنہ کوئی دوسرا شخص تو مجھے لگتا ہے، وہ واقعی تم سے بہت محبت کرتا ہے۔

امید، عقیلہ کی بات پر فخریہ انداز میں مسکرائی۔

ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ میری بات سمجھ لیتا ہے، وہ کہتے ہوئے کھانا لینے کے لیے میس میں چلی گئی۔

☆-----☆-----☆

ویک اینڈ پر وہ راولپنڈی آ گئی۔ رات کو جہاں زیب اپنے گھر والوں کے ساتھ آیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کی خوش مزاجی اپنے عروج پر تھی۔

میری امی آج تاریخ طے کرنے آئی ہیں۔ وہ اس کے کمرے میں آ کر اسے بتانے لگا۔

کیا؟ وہ تقریباً چلا اٹھی
اتنی جلدی۔

یہ اتنی جلدی ہے؟ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری منگنی ہوئے آٹھ نو سال ہو گئے ہیں۔ اب ویسے بھی میں آیا ہی سیٹل ہونے کے لیے ہوں جب کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے مجھے گھر تو بسانا ہی ہے۔

مگر جہاں زیب مجھ پر ابھی بہت ذمہ داریاں ہیں، میری بہن اور بھائی ابھی۔۔۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

یار تم اپنی فیملی کے بارے میں فکر مند مت ہو۔ میں سپورٹ کر سکتا ہوں انہیں، میری پے بہت اچھی ہے جتنی رقم کے لیے تم دوسرے شہر میں رہ کر سارا دن کام کرتی ہو۔ اتنی رقم میں بہت آسانی سے دے سکتا ہوں۔ اس لیے تمہیں اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بہت مطمئن تھا۔

میں نہیں چاہتی جہاں زیب کہ تم میری فیملی کو سپورٹ کرو۔ یہ کام مجھے خود

کرنا ہے۔ کیونکہ وہ میری ذمہ داری ہیں تمہاری نہیں۔ می انہیں تم پر یا کسی دوسرے پر بوجھ بنانا نہیں چاہتی۔ وہ اس کی بات پر سنجیدہ ہو گئی۔

وہ مجھ پر بوجھ نہیں ہوں گے۔ تمہاری فیملی کے ساتھ ہمارے کیسے تعلقات ہیں یہ تم اچھی طرح جانتی ہو اور ویسے بھی جب تمہارے بھائی اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں گے تو پھر انہیں ہم سے کچھ لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی صرف چند سال ہی کی تو بات ہے۔

نہیں چند سال کے لیے بھی نہیں۔۔۔ میں انہیں تمہارا احسان مند نہیں بنانا چاہتی تم پہلے ہی میرے لیے بہت کچھ کر چکے ہو۔ امید نے دو ٹوک انداز میں کہا۔
امید میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ بات ذہن سے نکال دو۔
میں تم سے محبت کرتا ہوں اور جو بھی میں نے کیا وہ فرض سمجھ کر کیا ہے۔
پھر بھی میں اپنی فیملی کو کسی دوسرے کی ذمہ داری بنانا نہیں چاہتی۔
اچھا یہ تو ہو سکتا ہے مگر تم شادی کے بعد جاب کرتی رہو اور اپنی فیملی کو اپنی پے سے سپورٹ کرو۔ جہاں زیب نے بحث ختم کرنے کے لیے ایک تجویز پیش کی۔
ہاں، جب تک تمہاری فیملی کو ضرورت ہے تب تک تو تم جاب کر سکتی ہو۔
جہاں زیب نے فوراً کہا وہ خاموش ہو گئی۔

ڈیڑھ ماہ بعد اس کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ وہ ویک اینڈ کے بعد واپس لاہور آ گئی۔ قدرتی طور پر وہ بہت پرسکون اور خوش تھی۔ اس کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہونے والا تھا۔ اس نے ہاسٹل کی انتظامیہ کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اگلے ماہ سے ہاسٹل چھوڑ رہی ہے۔ ہاسٹل میں اس کی جن لڑکیوں سے واقفیت تھی وہ سب بھی

جان گئی تھیں کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ جہاں زیب اکثر اسے فون کیا کرتا تھا۔ فون پر ہمیشہ کی طرح وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کرنا شادی کے حوالے سے اپنے منصوبے بتاتا، کچھ دن پہلے کی ہونے والی تلخی کو وہ جیسے یکسر فراموش کر چکا تھا۔ امید کا خیال تھا کہ شاید دوبارہ وہ اسے کبھی باہر ملنے کے لیے نہیں کہے گا مگر اس کا خیال غلط تھا۔

☆-----☆-----☆

وہ ایک دن پھر ہاسٹل چلا آیا اور اس نے ایک بار پھر اسے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ وہ دونوں ہاسٹل کے اندر گیٹ کے قریب لان پر موجود بیچ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جہاں زیب میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے میں اس طرح تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔

کیوں اب تمہیں کیا مسئلہ ہے۔ اب تو تمہیں اس ہاسٹل میں بھی نہیں رہنا میرے ساتھ شادی ہونے والی ہے۔

اسی لیے میں تمہارے ساتھ اس طرح پھرنا نہیں چاہتی۔

کیا تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں۔

میں تم پر اعتماد کرتی ہوں لیکن اس طرح باہر جانا مجھے ٹھیک نہیں لگتا۔

جہاں زیب کچھ دیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے امید کا ہاتھ

پکڑ لیا۔ امید کو جیسے ایک کرنٹ لگا اس نے آج تک کبھی ایسی حرکت نہیں کی تھی۔ امید نے بے اختیار اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

جہاں زیب تم کیا کر رہے ہو؟

کیا کر رہا ہوں؟ تمہارا ہاتھ پکڑا ہے۔ اب تم کہہ دو کہ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے؟

اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

میں ایسی لڑکی نہیں ہوں جہاں زیب۔

اب اپنی پارسائی کے بارے میں وعظ شروع مت کرنا، چار سال سے تم اس ہاسٹل میں ہو۔ سارا دن مردوں کے ساتھ کام کرتی ہو۔ میرے ہاتھ پکڑنے پر تم نے اس طرح ہاتھ کھینچا ہے۔ جہاں کام کرتی ہو وہاں پتا نہیں کتنے مردوں نے تمہارا ہاتھ پکڑا ہوگا۔ وہ بے یقینی سے جہاں زیب کا چہرہ دیکھنے لگی۔

کیا یہ الفاظ اس شخص نے کہے ہیں جس سے میں محبت کرتی ہوں؟ وہ فنی چہرے کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

میرا ہاتھ کسی نے نہیں پکڑا۔ میں مردوں کے ساتھ صرف کام کرتی ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ کام کرنا میری مجبوری ہے مگر میں آوارہ لڑکی نہیں ہوں۔

میں نے تم سے کہا کہ مجھے اپنی پارسائی کے بارے میں کوئی وعظ مت دینا۔ یہ کبھی مان ہی نہیں سکتا کہ مردوں کے ساتھ کام کرنے والی کوئی لڑکی مکمل طور پر شریف ہو اور میں تم سے تمہاری شرافت یا پارسائی کا کوئی ثبوت مانگنے نہیں آیا۔ تم کیا کرتی رہی ہو۔ مجھے دلچسپی نہیں ہے میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑوں تو تم ہاتھ نہ چھڑاؤ اور اگر میں چاہوں کہ میرے ساتھ باہر چلو تو تم بغیر کچھ سوچے سمجھے میرے ساتھ چل پڑو۔ تمہارا منگیتر اور ہونے والے شوہر کی حیثیت سے میں اتنا حق تو رکھتا ہی ہوں کہ تم میری بات مانو اگر کوئی لڑکی ان لوگوں پر نوازشات کر سکتی ہے جن کے ساتھ وہ کام کرتی ہے تو پھر اپنے منگیتر پر کیوں نہیں۔

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑی بے خونی سے کہہ رہا تھا۔ وہ

اتنی ہی بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

تم جانتے ہو جہاں زیب میں کس خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرے باپ نے مجھے کیسی تربیت دی ہے پھر تمہارے ذہن میں یہ شک کیوں ہے کہ یہاں آنے کے بعد میں یہاں یہ سب کچھ کرتی رہی ہوں۔ اس نے دل گرفتہ ہو کر اس سے پوچھا۔

خاندان سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے نہ ہی ماں باپ کی تربیت سے۔۔۔ آزادی انسان سے بہت کچھ کروا دیتی ہے۔ میں بھی پارسا نہیں ہوں۔ اتنا عرصہ باہر رہتے ہوئے میں بھی زندگی اپنی مرضی سے گزارتا ہوں۔ ہر چیز اپنی مرضی سے کرتا ہوں۔

تم یہ سب کرتے رہے ہو گے مگر میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں مسلمان ہوں میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر مجھے تمہارے اپنے گھر والوں یا اللہ کے سامنے مذمت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ میرے مذہب میں جو چیز گناہ ہے اسے میں گناہ ہی سمجھتی ہوں اور اس سے بچتی رہی ہوں۔

مذہب بہت آؤٹ ڈیڈ چیز ہے۔ اس کا سہارا منافی لیتے ہیں۔

وہ اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

تمہارا ذہن اتنا قد امت پرست ہے کہ تم آج کی دنیا میں چل نہیں سکتیں، مذہب کا سہارا لے کر جو اخلاقی قدرتم اپنائے ہوئے ہو وہ بہت پہلے ختم ہو چکی ہیں۔ زندگی میں سب سے ضروری چیز خوشی ہوتی ہے اور انسان کو چاہیے کہ خوشی حاصل کرنے کے لیے جو چاہے کرے۔ مذہب کی دیواریں اپنے گرد حائل مت کرے۔ میں اپنی

بیوی میں وہ ساری خوبیاں دیکھنا چاہتا ہوں جو کسی بھی لبرل برادڑ ماٹرنڈ عورت میں ہوں کیونکہ مجھے جس سوسائٹی میں موکرنا ہے وہاں مجھے ایک ایسی عورت چاہیے۔ تمہاری شرافت میرے کام آئے گی نہ تمہیں میرے ساتھ چلنے دے گی۔ آج بیٹھ کر میری باتوں پر سوچو، کل میں اسی وقت تمہیں لینے آؤں گا وہ تلخی سے کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔

☆-----☆-----☆

تم احمق ہو، وہ ساتھ لے جانا چاہتا ہے، چلی جاؤ، ہو سکتا ہے اس طرح اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور تمہارا مسئلہ ختم ہو جائے۔ اس رات عقیلہ نے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔

تم جتنا اس سے بچ رہی ہو۔ اس کی خفگی اتنی ہی بڑھ رہی ہے۔ ظاہر ہے ایک بندہ اگر کسی سے محبت کرے، خاص طور پر اس کے لیے دوسرے شہر سے آئے اور اگلا بندہ ساتھ چلنے پر بھی تیار نہ ہو تو غصہ تو آئے گا۔

امید نے بے بسی سے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیے۔

امید، جہاں محبت ہو وہاں اس طرح کی فضول ضدیں نہیں ہونی چاہیں۔ تمہاری تو ویسے بھی اگلے ماہ اس سے شادی ہونے والی ہے۔ اگر اس کی خواہش ہے کہ تم اس کے ساتھ کہیں گھومنے کے لیے چلو تو کیا برائی ہے۔ ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی منگیت کے ساتھ کہیں تفریح کے لیے جائے۔ مگر تمہاری ضد تمہارے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہے اگر غصہ میں آ کر اس نے تم سے شادی سے انکار کر دیا تو تم کیا کرو گی۔

پلیز عقیلہ اس طرح مت کہو۔۔۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ نو سال ہونے والے ہیں ہماری منگنی کو۔ اتنی چھوٹی سی بات پر تو وہ اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ بعض دفعہ رشتے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی ٹوٹتے ہیں۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔

اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ اس کی بات مان لو۔ وہ کھانے پلے جانا چاہتا ہے چلی جاؤ۔ وہ بھی خوش ہو جائے گا اور تم لوگوں کا جھگڑا بھی ختم ہو جائے گا۔ عقیلہ اب سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔ لیکن امید سونہیں پا رہی تھی۔ جہاں زیب کے بدلے ہوئے لہجے نے آج اسے بہت تکلیف دی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ کبھی وہ اس سے اس طرح کی باتیں کہہ سکتا تھا۔ کیا اسے یاد نہیں ہے کہ ہم دونوں کا تعلق کتنا پرانا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے تھے۔ اب ایک معمولی سی بات کو وہ اتنی اہمیت دے کر اس طرح کی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ کیا ہمارا رشتہ اتنا کمزور ہے کہ اس کی ایک بات نہ ماننے کی وجہ سے ٹوٹ جائے گا اور میں۔۔۔۔۔ میں اب کیا کروں؟ کیا اس کے ساتھ چل جاؤں یا پھر اور اگر میں اس کے ساتھ نہیں جاتی تو کیا وہ واقعی منگنی توڑ دے گا۔

اسے جہاں زیب کا سر دلہجہ یاد آیا۔

کیا عقیلہ کی بات مان لینی چاہیے۔ ایک بار اس کے ساتھ چلے جانا چاہیے۔ پھر میں اس سے کہہ دوں گی کہ وہ مجھے دوبارہ اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرے۔ اس طرح اس کی ناراضی ختم ہو جائے گی۔ وہ کسی فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆-----☆-----☆

اگلے روز دوپہر کو جہاں زیب نے اس کے آفس فون کیا۔ ٹھیک ہے میں
آج شام تمہارے ساتھ چلوں گی مگر تم دوبارہ کبھی مجھے اس طرح اپنے ساتھ چلنے پر
مجبور مت کرنا۔

اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ جہاں زیب کا موڈ یک دم خوشگوار ہو
گیا۔

ٹھیک ہے یار۔ میں آئندہ نہیں کہوں گا، مگر اب تو تم میرے ساتھ چلنا اور
پلیز بہت اچھی طرح سے تیار ہونا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ پی سی لے جانا چاہتا ہوں۔
وہ پتا نہیں اور بھی کیا کچھ کہتا رہا تھا۔ اس نے بے جان ہاتھوں سے اس کی
گفتگو سننے کے بعد فون بند کر دیا۔

شام کو وہ ضمیر کی ملامت کے باوجود تیار ہونے لگی تھی۔ عقیدہ نے اسے اس
فیصلہ پر سہا ہا تھا۔ جہاں زیب سات بجے اسے لینے کے لیے آ گیا تھا۔ وہ بوجھل
قدموں سے آ کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

یار۔۔۔ اب موڈ بھی ٹھیک کر لو۔ اتنی خوبصورت لگ رہی ہو، مگر چہرے پر
بارہ بجے ہوئے ہیں یوں لگ رہا ہے جیسے تم میرے ساتھ کہیں تعزیت کے لیے جا رہی
ہو۔

وہ خود کو جتنا شرمندہ محسوس کر رہی تھی۔ جہاں زیب اتنا ہی چپک رہا تھا جیسے
اس کے گلے کا پھندا مسلسل تنگ ہو رہا ہو۔ جہاں زیب اسے اپنے ساتھ پی سی لے گیا
وہ مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی خوبصورتی کی تعریف کر رہا تھا۔ اس کے
لباس کو سراہ رہا تھا آج پہلی بار اسے جہاں زیب کے منہ سے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ

اور قدرے تاریک سڑک کے کنارے گاڑی پارک کر دی۔ امید نے اپنے کندھے پر اس کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا تھا۔ خوف کی ایک لہر اس کے اندر سے اُٹھی۔

جہاں زیب۔۔ گاڑی یہاں کیوں روک دی؟ اس نے اپنے لہجے کو بہت نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

جہاں زیب ڈیش بورڈ میں موجود گلوکپارٹمنٹ میں سے ایک کین نکال رہا تھا۔ اس کا ایک بازو ابھی بھی امید کے کندھے پر تھا، چند لمحوں کے لیے اس کے کندھے پر سے اپنا ہاتھ ہٹا کر اس نے کین کھول کیا پھر اس نے دوبارہ امید کے کندھے پر اپنا بازو پھیلا لیا۔

جہاں زیب۔۔ یہاں سے چلو۔۔۔۔۔ دیر ہو رہی ہے۔ اسے اپنے جسم میں کپکپاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

وہ پرسکون انداز میں کین سے گھونٹ بھرتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔ میں کم از کم آج رات تمہیں واپس چھوڑ آنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ کچھ بول نہیں پائی۔

لو تم بھی ڈرنک کرو۔ اسی اطمینان کے ساتھ بات کرتے ہوئے وہ کین اس کے ہونٹوں کے پاس لے آیا۔

امید نے ایک ہاتھ سے کین کو اپنے چہرے سے دور کر دیا۔ جہاں زیب مجھے فوراً واپس چھوڑ کر آؤ۔ اس بار اس نے بلند آواز میں کہا۔

میں نے کہا نا کم از کم آج کی رات میں تمہیں واپس چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ یہاں سے تم میرے ساتھ اس ہوٹل چلو گی جہاں میں ٹھہرا ہوں پھر کل تم کو واپس چھوڑ

آؤں گا۔ وہ پرسکون انداز میں اسے اپنی پلائنگ بتا رہا تھا۔

تم پاگل ہو گئے ہو میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔ وہ یک دم اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ جھٹک کر غرائی۔

تم میرے ساتھ آ چکی ہو۔ ہٹل نہیں جاؤں گی تو بھی ٹھیک ہے ہم یہیں رہیں گے۔

وہ اب بھی کین سے کھونٹ بھر رہا تھا۔ وہ چند لمحے اسے بے بسی سے دیکھتی رہی پھر اس نے ایک دم دروازہ کھول کر گاڑی سے نکلتا چاہا۔ جہاں زیب نے برق رفتاری سے اسے واپس اندر کھینچ لیا۔ گاڑی کا دروازہ اسی تیزی کے ساتھ بند ہو گیا پھر اس نے امیر کے چہرے پر زور دیا تھپڑ مارا۔

کوئی ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر تم نے میرے ساتھ کوئی بد تمیزی کی تو میں چلاؤں گی۔

تو چلاؤ۔۔۔۔۔ گلا پھاڑو۔۔۔۔۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں تم کیا کر سکتی ہو؟ وہ غریبا۔

امید نے ایک بار پھر گاڑی سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ جہاں زیب نے اپنا ایک ہاتھ اس کی سمت الے دروازے کے ہینڈل پر رکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

اب کیا کرو گی؟ چلتی گاڑی سے چھلانگ لگاؤ گی؟ اس نے دروازے کے
ہینڈ سے ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ گاڑی بہت تیز رفتاری سے سڑک
پر بھاگ رہی تھی اور تب ہی انہوں نے اپنے پیچھے سارن کی آواز سنی۔

جہاں زیب نے یک دم اسے چھوڑ کر بیک ویو مرر سے پیچھے دیکھا۔ ملٹری پولیس کے دوسار جنٹ ایک بانیک پر ان کے پیچھے آ رہے تھے۔ تیز رفتاری سے چلتی ہوئی موٹر بانیک ان کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔

میں ان سے کہوں گا تم میری بیوی ہو۔۔۔ اور اگر تم نے اس بات سے انکار کیا تو۔۔۔۔ گاڑی روکتے ہوئے امید نے جہاں زیب کو کہتے سنا۔ دونوں سار جنٹ اب جہاں زیب کو دروازہ کھول کر باہر نکلنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ مگر پر اہلم کیا ہے؟ اس نے دروازہ کھولنے کے بجائے شیشہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔

کیا کر رہے تھے تم دونوں گاڑی کے اندر؟ ملٹری پولیس کے اس سار جنٹ نے کھڑکی سے اندر جھانکتے ہوئے تیز اور کرخت آواز میں ان دونوں سے پوچھا۔ ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔ جہاں زیب نے آواز کو پرسکون کرتے ہوئے کہا۔

کیوں بی بی۔ یہ شوہر ہے تمہارا؟ سار جنٹ نے اس بار امید سے پوچھا۔ اس کے حواس اب تک بحال نہیں ہوئے تھے اور شاید اس کے چہرے کے تاثرات ہی تھے جس نے سار جنٹ کے لمبے کو کچھ اور کرخت کر دیا۔

امید کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے جہاں زیب کو گاڑی سے نکلنے کے لیے کہا۔ جہاں زیب نے باہر نکلنے سے پہلے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور گاڑی سے باہر نکل گیا اس کے باہر نکلتے ہوئے سار جنٹ نے ایکسپلیٹر کے پاس نیچے پائیدان پر پڑے ہوئے کین کو دیکھ لیا۔ جہاں زیب کے باہر نکلتے ہی سار جنٹ نے آگے بڑھ کر

کیون اٹھالیا۔ امید نے پہلی بار جہاں زیب کا رنگ اڑتے دیکھا۔ کین کا جائزہ لیتے ہوئے سارجنٹ کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

بیوی کے ساتھ سڑک پر شراب پی رہے تھے۔

آگے بڑھ کر اس نے امید پر ایک اور نظر ڈالی اور اسے کچھلی سیٹ پر جانے کے لیے کہا، وہ بے جان قدموں سے کچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ایک سارجنٹ جہاں زیب کے ساتھ بیٹھ گیا اور ان دنوں کو ملٹری پولیس کے ہیڈ کوارٹر لے آئے تھے۔ امید کو ایک الگ کمرے میں بٹھایا گیا۔ جہاں زیب کو کہاں لے جایا گیا وہ نہیں جانتی تھی۔ ملٹری پولیس کا ایک انسپکٹر لہجے میں اس سے جہاں زیب اور اس کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس کا وہن ابھی بھی ماؤف تھا۔ آدھ گھنٹہ کے اندر اندر اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا۔ جہاں زیب کا ایک نیا چہرہ اور اب نئی جگہ اور اگلے دن اخبار کی ایک نئی سرخی وہ گم صم اس آفیسر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پتا نہیں اس آفیسر کو اس پرترس آیا تھا یا وہ یہ جان گیا تھا کہ وہ شاکڈ ہے۔ اس نے کمرے میں موجود ایک شخص کو پانی لانے کے لیے کہا۔ اس نے پانی کے چند گھونٹ پئے اور سامنے بیٹھے ہوئے آفیسر کو دیکھنے لگی۔

یک دم ہی جیسے اس کے حواس بحال ہو گئے۔ آفیسر کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے کانپتی لڑکھاتی آواز میں سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔ وہ جہاں زیب کے ساتھ کیوں گئی؟ جہاں زیب کون تھا اس کے بعد کیا ہوا سب کچھ۔ اس کا خیال تھا آفیسر کو اس کی بات پر یقین نہیں آئے گا۔ خلاف توقع آفیسر خاموش رہا تھا۔ اس نے ساری باتیں سننے کے بعد اس نے بیل بجا کر باہر کھڑے نوچی کو اندر بلایا۔ اس لڑکی کو اس سے پتا پوچھ کر چھوڑ آؤ۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

آئندہ آپ محتاط رہیے اس طرح رات گئے منگیتر کے ساتھ جانا بھی مناسب نہیں ہوتا۔

وہ کچھ کہے بغیر بے یقینی کے عالم میں باہر نکل آئی۔ کیا واقعی یہ لوگ مجھے چھوڑ رہے ہیں۔ وہ ابھی بھی شش و پنج میں تھی۔ مگر آرمی کی ایک جیپ میں بٹھا کر وہ فوجی نہ صرف اسے ہاسٹل چھوڑ گئے بلکہ انہوں نے چوکیدار سے گیٹ کھلو کر اسے اندر بھی بھجوا دیا۔

عقیدہ اپنے کمرے میں اس کی منتظر تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ وہ چونک گئی۔

کیا ہوا؟ امید نے جواب دینے کے بجائے بستر پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتار دیئے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اپنی ساری جیولری اتارنے لگی۔

کیا ہوا امید؟ سب کچھ ٹھیک تو ہے؟ وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔ امید خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی پھر یک دم عقیدہ کے ساتھ لپٹ کر اس نے بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ عقیدہ اس کی اس حرکت سے گھبرا گئی۔

اسے ساتھ لپٹا کر دلاسا دیتے ہوئے وہ اس کے رونے کی وجہ پوچھتی رہی۔ بہت دیر روتے رہنے کے بعد اس نے سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان اپنے ساتھ ہونے والا سارا واقعہ اسے سنا دیا۔ اس کا خیال تھا عقیدہ جہاں زیب کو برا بھلا کہے گی۔ اسے اس سے منگنی توڑنے کے لیے کہے گی۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کی ساری بات سننے کے بعد اس نے اسے خود سے الگ کر دیا۔

تمہاری حماقت کی وجہ سے جہاں زیب پکڑا گیا۔ وہ بے یقینی سے اس کے

جملے پر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

میری حماقت کی وجہ سے؟

ہاں تمہاری حماقت کی وجہ سے۔ جب اس نے تم سے کہا تھا کہ تم ساربنٹ سے کہہ دو کہ تم اس کی بیوی ہو تو تم خاموش کیوں رہی اور بعد میں تم نے ملٹری پولیس کے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر سب کچھ کیوں بتایا۔

عقیدہ تم جانتی ہو وہ میرے ساتھ کیا کر رہا تھا؟

کیا کر رہا تھا؟ عقیدہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہی گئی۔

وہ جو بھی کرنا چاہتا تھا۔ وہ نیچرل چیز ہے۔ تمہاری شادی اس شخص کے ساتھ ہوئی ہے اور وہ بھی چند ہفتوں کے اندر پھر اس کا یہ مطالبہ کوئی ایسا غیر مناسب نہیں تھا۔

وہ خوف کے عالم میں عقیدہ کا چہرہ دیکھتی رہی وہ اس سے کیا کہہ رہی تھی۔
تم دونوں میچور ہو۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر تم اس طرح ہنگامہ کھڑا کر دیتیں۔ اب سوچو ذرا وہ بے چارہ پھنس گیا۔

عقیدہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ وہ فنی رنگ کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔
مجھے اس طرح مت دیکھو امید میں کوئی ایسی بات نہیں کر رہی جو ناممکن ہو۔
تم ہی کہتی رہی ہو مجھ سے کہ تم اس سے محبت کرتی رہی ہو اور یہ محبت نو سال پرانی ہے وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح جس طرح تم۔۔۔ تمہارے لیے وہ باہر سے واپس آ گیا۔ اس نے اگر تم سے ایک مطالبہ کیا تو میں نہیں سمجھتی یہ غلط تھا۔

امید ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی، اگر میری جگہ تم ہوتیں اور جہاں زیب کی جگہ شفیق ہوتا تو، تو کیا تم اس کی بات مان لیتیں۔ وہ مشتعل وہ گئی۔

ہاں بالکل مان لیتی جس شخص سے محبت ہو۔ اس شخص کی بات ماننی پڑتی

ہے۔

چاہے وہ بات غلط ہو؟

ہاں چاہے وہ بات غلط ہو۔ میں نے کہا ناں، ساری بات محبت ہی کی ہوتی

ہے۔ انسان کو محبت ہو تو اس کے عوض کچھ نہ کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

کیا محبت کی بھی قیمت ہوتی ہے؟ اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی

سنائی دی۔

محبت ہی کی تو قیمت ہوتی ہے۔ عقیدہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

کہہ رہی تھی۔

تمہیں پتا ہے عقیدہ تم کیا کہہ رہی ہو؟

ہاں میں جانتی ہوں۔ میں کیا کہہ رہی ہو۔

تمہارا مطلب ہے۔ مجھے اس شخص کی بات مان لینی چاہیے تھی۔

ہاں بالکل مان لینی چاہیے تھی۔

میں یہ سب نہیں کر سکتی۔

کیوں نہیں کر سکتیں تمہیں تو خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کہ کہیں وہ تمہیں چھوڑ نہ

دے وہ تو شادی کر رہا ہے تم سے۔۔۔ نو سال سے وہ خص تمہارے ساتھ ہے۔

تمہاری ہر مصیب میں اس نے تمہارا ساتھ دیا۔ تم اسے مصیبت میں پھنسا آئیں۔
لڑکیاں تو بوائے فرینڈز کے ساتھ چلی جاتی ہیں وار تم اپنے منگیتر کے ساتھ۔۔۔۔
آخر وہ شادی کر رہا ہے تمہارے ساتھ۔۔۔۔۔ پھر مسئلہ کیا تھا۔

بات شادی کی نہیں ہے۔ بات تو گناہ کی ہے۔ میں گناہ نہیں کر سکتی۔
میرے مذہب میں یہ سب جائز نہیں ہے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
مذہب کو زندگی سے الگ رکھ کر دیکھو۔۔۔۔۔ جو اخلاقیات ہمیں
مذہب دیتا ہے وہ معاشرے میں لا کونہیں ہوتیں۔ زندگی میں گناہ اور ثواب کے چکر
میں پڑی رہو گی تو تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ میری بات لکھ لو امید تمہیں کچھ بھی نہیں
ملے گا کم از کم محبت نہیں۔ ہم بیسویں صدی میں رہے ہیں عورت کو اپنی زندگی کے
فیصلوں کی آزادی ہونی چاہیے اور اس آزادی کا استعمال کرنا چاہیے۔ تم بھی آج کی
عورت ہو۔ اپنے آپ کو ان فضول رسموں رواجوں سے آزاد کرو۔ کم از کم محبت کو گناہ
اور ثواب کے دائرے سے نکال دو۔ محبت کو محبت رہنے دو۔

وہ بچتے آنسوؤں کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، وہ سب کچھ بڑی لاپرواہی سے کہہ رہی تھی۔ امید ساری رات اپنے بستر پر اکڑوں بیٹھی روتی رہی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کیا کیا؟ کیوں کیا۔ جہاں زیب کے ساتھ کیا ہوگا۔ اسے چھوڑ دیا گیا ہوگا یا پھر وہ واپس چلا گیا ہوگا اور جب وہ چھوٹ جائے گا تو وہ کیا کرے گا۔

وہ شدید ڈپریشن کا شکار تھی۔ اگلے دن جہاں زیب نے فون نہیں کیا۔ دو دن اور گزر گئے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پھانسی کے پھندے پر جمبول رہی ہو۔

☆-----☆-----☆

چوتھے دن رات دس بجے کے قریب عقیلہ کے موبائل پر اس نے کال کیا۔

امید جہاں زیب کا فون ہے۔۔۔۔۔ عقیلہ نے سلام دعا کے ساتھ ہی فون اس

کی طرف بڑھا دیا۔ کپکپاتے ہاتھ کے ساتھ اس نے موبائل پکڑ لیا۔

ہیلو۔ اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

کل رات آٹھ بجے میں تمہیں لینے آؤں گا اور کل رات تم میرے ساتھ رہو

گی۔

جہاں زیب میں۔

اس نے سرد آواز میں امید کی بات کاٹ دی۔

پہلے میری بات سن لو پھر میں تمہاری سنوں گا۔ آٹھ بجے تم گیٹ پر آ جاؤ گی

اور کل اگر تم میرے ساتھ چلنے پر تیار نہیں ہوئیں تو پھر میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔

ہمارا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ اب تم یہ طے کر لینا کہ تم میری بات مانو گی یا پھر۔۔۔۔۔

تمہیں پتا ہے تم مجھ سے ایک گناہ کروانا چاہتے ہو۔ وہ بے اختیار سسکنے لگی۔

اچھا، کروانا چاہتا ہوں پھر؟ اس کا لہجہ اتنا ہی جارحانہ تھا۔

جہاں زیب، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔

جو بھی ہوا ہے ٹھیک ہوا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے کتنی محبت

ہے۔

تم جانتے ہو۔ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔

پھر ٹھیک ہے۔ میری بات مان لو۔

آپ یہ فیصلہ کر لیں۔ آپ کو جہاں زیب عادل کی محبت چاہیے یا آپ مذہب کو گلے کا ہار بنا کر پھریں گی، آپ کو زندگی میرے ساتھ گزارنی ہے یا پھر اپنا Code of ethics لیے پھرنا ہے۔ محبت اور مذہب میں سے ایک چیز کو چن لو اس سے کم از کم میری زندگی بہت آسان ہو جائے گی، نون بند ہو گیا تھا۔

عقیدہ ساری رات اسے سمجھاتی رہی۔ اسے بتاتی رہی کہ جہاں زیب کے بغیر زندگی اس کے لیے کتنی مشکل ہو جائے گی۔ کیا وہ ایک ایسے شخص کے بغیر زندگی گزار سکے گی وجہ اس سے محبت کرتا تھا۔ نو سال جس کے ساتھ اس نے اپنی ہر خواہش ہر خواب بانٹا تھا، جس کا ساتھ اس کے گھر والوں کا مستقبل سنوار سکتا تھا اور اگر۔۔۔۔۔ وہ اس شخص کو چھوڑتی ہے تو پھر۔۔۔۔۔ پھر اسے کون مل سکے گا۔ مڈل کلاس فیملی کی ایک لڑکی کو اس کے گھر والوں کی ذمہ داری کے ساتھ کون قبول کرے گا۔ وہ خالی نظروں کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

جہاں زیب۔۔۔۔۔ ہاں جہاں زیب کے بغیر میں کیسے رہ سکتی ہوں۔ کیسے برداشت کر سکوں گی کہ وہ میرا نہ رہے جسے نو سال میں نے دن رات اپنے خوابوں میں دیکھا ہے۔۔۔۔۔ جس سے محبت کی ہے۔۔۔۔۔ میں تو اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی یا اللہ میں جانتی ہوں، یہ گناہ ہے مگر یہ ایک گناہ میری زندگی تباہ ہونے سے بچا سکتا ہے۔ سب کچھ بچا سکتا ہے۔

اس نے اپنی گردن کے گرد لپٹی ہوئی رسی کے پھندے کو کنا شروع کر دیا۔ اگلے روز عقیدہ نے شام کو اسے خود تیار کرنا شروع کیا تھا۔ وہ جیسے اس کے ہاتھوں میں ایک کٹہر تلی تھی۔ آٹھ بجے عقیدہ کا موبائل بجنے لگا۔ امید کا دل ڈوبنے لگا۔

ہاں وہ آ رہی ہے۔ عقیلہ نے جہاں زیب سے بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

وہ گیٹ پر تمہارا انتظار کر رہا ہے جاؤ۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ ہاسٹل کے لان تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں جلنے والی روشنیاں تاریکی کو مکمل طور پر ختم کرنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔ دور ہاسٹل کا بند گیٹ اس وقت اسے ایک بھوت کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گئی۔

کیا میں واقعی جانتی ہوں کہ میں کیا گنوا نے جارہی ہوں اور اگر میں یہ گیٹ کراس نہیں کرتی تو۔۔۔۔۔ تو کیا میں اس شخص کے بغیر رہ پاؤں گی۔ اس نے قدم بڑھانے کی کوشش کی۔

تو امید عالم۔ تم آج وہ کرنے جارہی ہو جس پر تمہارا باپ اپنی زندگی میں خودکشی کر لیتا۔ کیا ساری عمر وہ اسے لیے تمہاری انگلی پکڑ کر تمہیں چلا رہا ہے کہ سامنے گڑھا آنے پر تم آنکھیں بند کر کے اس میں کود جاؤ۔ کیا اپنے باپ کی آواز کا نقش اتنا پھیکا تھا۔

اس نے ہونٹ بھیج لیے۔ مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ میں نے اس شخص سے اتنی محبت کی ہے کہ اب اس کے بغیر رہنا میرے لیے ممکن ہی نہیں۔ اس نے اپنے گالوں پر نمی محسوس کی۔

مسلمان ہو کر تم وہ کرنے جارہی ہو جو۔۔۔ امید کیا تم اللہ کا سامنا کر پاؤ گی۔

اس نے اپنے وجود میں ساری ہمت نچرتی پائی تھی۔ مگر اللہ جانتا ہے

میں مجبور ہوں اور وہ معاف بھی تو کر دیتا ہے کیا مجھے معاف نہیں کرے گا؟

اس نے دل کو دھکیل سے سمجھانا چاہا۔

اور اگر اللہ نے اس گناہ کے لیے تمہیں معاف نہ کیا تو؟

اسے اپنے پیروں میں زنجیریں پرتی محسوس ہوئیں۔ اور پاکیزگی تو صرف

اللہ ہی عطا کرتا ہے۔

اپے باپ کی اکثر سنائی جانے والی ایک آیت کا ترجمہ اسے لرز گیا۔

”تو کیا میں پاکیزگی چھوڑ کر اپنے وجود کو گندگی میں دھکیلنے جا رہی ہوں۔ مگر

اللہ جانتا ہے میں مجبور ہوں“ اس نے اپنے ملامت کرتے ہوئے ضمیر کو ایک اور بہانا پیش کیا۔

تمہیں اللہ سے خوف کیوں نہیں آتا امید۔۔۔۔۔؟ گناہ کو پہچاننے کے

باوجود تم اس کی طرف جانا چاہتی ہو اور تمہیں آس ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے گا۔

دین میں صرف دو راستے ہوتے ہیں، اچھائی کا یا برائی کا۔ گناہ کا یا ثواب کا۔ تم کون سا

تیسرا راستہ ڈھونڈنے جا رہی ہو۔ گناہ کرنے سے پہلے ہی خود کو بخشو لہذا چاہتی ہو کیا

اس طرح تمہارا گناہ ثواب میں بدل جائے گا۔

اس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ سامنے نظر آنے والا گیت یک دم ہی بہت

دور نظر آنے لگا تھا۔

کیا میں بھی ان لڑکیوں میں سے ہو جاؤں گی جو۔۔۔۔۔ ایک طوائف اور

مجھ میں کیا فرق رہ جائے گا وہ روپے کے لیے اور میں، میں محبت کے لیے۔۔۔۔۔

اس کی کپٹی میں درد کی ایک لہر گزر گئی تھی۔

محبت کی اتنی بڑی قیمت دینے کے بعد میرے پاس تو اپنا وجود بھی نہیں رہ جائے گا۔ کیا مذہب، کیا خدا کیا Morality میری اوقات تو ایک کھوٹے سکے جتنی بھی نہیں رہ جائے گی۔ میرا باپ اپنی ساری عمر جس وجود پر آیات پڑھ کر پھونکتا رہا اسے میں گندگی میں کیسے جھونک دوں۔ اتنے سال پانچ وقت کی نمازوں میں اپنے لیے پاکیزگی اور ہدایت کی دعائیں مانگتے رہنے کے بعد اب میں کہاں جا رہی ہوں کیا اللہ نے میرے دل پر مہر لگا دی ہے یا اس گیٹ کو کراس کرنے کے بعد مہر لگا دے گا۔

اسے بے تحاشا خوف آیا۔ اس کا پورا وجود زنجیروں میں قید ہوتا جا رہا تھا۔ باہر وہ شخص ہے جس سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں چاہا تو اندر عافیت ہے امان ہے اور ایمان ہے۔ اس چار دیواری کو پار کرنے کے بعد محبت مل جائے گی مگر ایمان ---

اس کی کپٹیاں درد سے پھٹ رہی تھیں۔ خالی نظروں سے اس نے سامنے گیٹ کو دیکھا پھر اپنے پیچھے مڑ کر ہاسٹل کی عمارت کو دیکھا۔

جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرو۔ اپنے باپ کے منہ سے بہت بارسنی جانے والی حدیث سے یاد آئی تھی۔

اس نے گیٹ کو ایک بار پھر دیکھا۔۔۔۔۔ فیصلہ ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ سرود وجود کے ساتھ وہ لان کے ایک تاریک کونے میں جا کر بیٹھ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے بالوں میں لگا ہوا کلپ اتار دیا۔ بیگ میں سے ٹشو نکال کر اس نے ہونٹ صاف کر دیے۔ اپنے ہاتھوں اور گلے میں پہنی ہوئی جیولری ایک ایک کر کے اس نے بیگ میں ڈال دی۔ اپنے ہاتھ میں پہنی ہوئی منگنی کی انگلی کو اس نے آخری بار دیکھا پھر اسے اتار

دیا۔

زندگی می کبھی اس نے اتنی خاموشی، اتنی تاریکی، اتنی گھٹن نہیں دیکھی تھی جتنی اس رات لان کے اس تاریک کونے میں بیٹھ کر محسوس کی تھی۔ اسے یاد نہیں، وہ وہاں کتنی دیر بیٹھی رہی تھی۔ خشک آنکھوں اور خالی نظروں کے ساتھ اس نے لان کی روشوں پر چلتی لڑکیوں کو آہستہ آہستہ غائب ہوتے دیکھا تھا۔ رات کی تاریکی بڑھتی گئی تھی۔ پھر لان میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے کمرے کی طرف واپس جانے کے بجائے وہ گیٹ کی طرف گئی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ گیٹ کے دوسری طرف اب وہ نہیں ہوگا نہ ہی دوبارہ کبھی آئے گا۔ دور سے کسی مجسمے کی طرح بے حس و حرکت وہ گیٹ کو دیکھتی رہی پھر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ عقیلہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جن نظروں سے اسے دیکھا تھا ان میں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ وہ جہاں زیب کے فون کرنے پر اسے پورے ہاسٹل میں تلاش کرتی پھری ہوگی وہ اس بات سے بھی واقف تھی اور اب شاید وہ امید کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی ہوگی۔ ع عقیلہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب دوبارہ پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔ امید نے خاموشی سے اپنے کپڑے بدلے اور اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔

صبح فجر کے وقت نماز کے بعد دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھانے پر اسے یاد آیا کہ اب اس کے پاس دعا مانگنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ وہ دعا مانگے بغیر جائے نماز سے اٹھ گئی۔ نماز پڑھنے کے بعد آفس جانے کے لیے تیار ہونے کے بجائے وہ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ عقیلہ آٹھ بجے معمول کے مطابق اپنے آفس جانے کے لیے اٹھی تھی۔ اس نے اس وقت بھی امید کو جاگتا دیکھنے کے باوجود اسے

مخاطب نہیں کیا۔ اس نے آفس جانے کے بعد امید نے وہ بیگ نکال لیا جس میں نو سال کے دوران اس کی طرف سے ملنے والے سارے خطوط اور کارڈز رکھے تھے۔ کمرے میں پڑے ہوئے ہیئر کوآن کر کے اس نے سارے کاغذ جلا دیے تھے۔ کمرے کا پورافرش راکھ سے بھر گیا تھا۔ وہ کمرے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے دونوں ہاتھس سے سر کو تھامے باری باری ہر خط، ہر کار، کو جلتے دیکھتی رہی۔ سب کچھ جلنے کے بعد وہ بہت دیر کمرے میں بکھری ہوئی راکھ پر نظریں گاڑے اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر اس نے کمرے کا فرش صاف کر دیا۔

☆-----☆-----☆

اگلے دو دن بھی اس نے اسی خاموشی کے ساتھ گزارے، عقیدہ اور اس کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ تیسرے دن شام کو عقیدہ نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔ تمہاری امی کا فون ہے۔ اس نے کچھ کہے بغیر موبائل تھام لیا۔ امی رو رہی تھیں۔ جہاں زیب کے گھر والے رشتے سے انکار کر گئے ہیں، جہاں زیب تم سے شادی پر تیار نہیں ہے اس نے کہا ہے اسے جس طرح کی لڑکی کی ضرورت ہے۔ وہ تم نہیں ہو۔ وہ تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس نے کہا ہے کہ اس نے تمہارے سامنے کچھ شرطیں رکھی تھیں جنہیں تم نے ماننے سے انکار کر دیا۔ کچھ کہے بغیر اس نے فون بند کر دیا۔ عقیدہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کو ملنے والی خبر کیا ہو سکتی تھی۔ اس کے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے اس نے مدہم آواز میں کہا۔

کیا ملا امید یہ سب کر کے؟ وہ خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

تم نے ظلم کیا اپنے آپ پر اپنے گھر والوں پر اور جہاں زیب پر۔
وہ اب بھی خاموش رہی۔

دو ہفتے کے بعد تمہاری شادی ہونے والی تھی مگر اب۔۔۔۔۔ یہاں کس کس کو
بتاؤ گی کہ تمہاری شادی کیوں ملتوی ہو گئی۔ وہاں راوہل پنڈی میں تمہارے گھر وال کس
کس کو صفائیاں دیں گے کہ شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد منگنی ٹوٹنے کی وجہ کیا
تھی۔ ایسی منگنی جو نو سال رہی لوگ کہیں گے لڑکی میں ضرور کوئی ایسی خرابی ہوگی کہ لڑکا
نو سال بعد شادی سے انکار کر گیا۔ تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارے گھر میں اس وقت ماتم
ہو رہا ہوگا۔ اب ایک ہاتھ میں اپنی اخلاقیات اور دوسرے میں اپنا مذہب لے کر ساری
عمر پھرتے رہنا۔ لوگوں کو یہاں آیتیں اور حدیثیں سننا سنا کر اپنی صفائیاں پیش کرنا جو تم
مجھے سناتی ہو پھر دیکھنا۔ کتنے لوگ تمہاری پارسائی پر یقین کریں گے۔ تمہاری نمازیں
اور تمہاری اخلاقیات تمہارے ماتھے پر شرافت کا کوئی ٹھپہ لگائیں گی۔ لوگ تمہیں اسی
طرح دیکھیں گے جس طرح ہر لڑکی کو دیکھتے ہیں، تمہارے بارے میں وہی کچھ کہیں
گے جو ایک ورکنگ گرل کے بارے میں کہتے ہیں تمہارے مقدس میں جو تھا اسے تم نے
ٹھوکر مار دی اب دیکھنا تمہارے لیے باقی کیا رہ گیا ہے۔

وہ تلخ لہجے میں مسلسل بول رہی تھی۔ امید بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی
پھر اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔

اس رات وہ دھاڑیں مار مار پاگلوں کی طرح روتی رہی تھی۔ عقیدہ نے
کمرے میں ڈیک لگا دیا تھا کہ اس کی چیخوں کی آوازیں سن کر کوئی ادھر نہ آئے۔ اسے
چپ کرواتے ہوئے وہ خود بھی روتی رہی۔ وہ جہاں زیب کو آوازیں دیتی اپنے باپ کو

پکارتی اور پھر دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر چلانے لگتی۔ رات دو بجے تک وہ مڈھال ہو چکی تھی۔ عقیلہ نے دو بجے اسے سلپنگ پلو کھلا کر سلا دیا۔

اس رات کے بعد بھی وہ بہت بار اسی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی مگر عقیلہ کے سامنے نہیں۔ عقیلہ چند دن اسے ٹرنکولائز دیتی رہی تھی پھر اسے مارل ہوتے دیکھ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

☆-----☆-----☆

باب نمبر 2

اس کے بعد کیا ہوا تھا، اسے کچھ بھی ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جیسے دنیا سے کٹ گئی تھی۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ اسے صبح اس وقت آفس جانا ہے، پھر ٹیوشنز کرنا ہیں اور رات کو واپس ہاسٹل آ جانا ہے باقی ہر چیز جیسے اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اس واقعہ کے دو ہفتے کے بعد ہاسٹل نہ چھوڑنے پر ہاسٹل کی لڑکیاں کیا سوچتی رہی تھیں۔ وارڈن نے اسے کتنی ہمدردی سے دیکھا تھا۔ اس کے وجود پر یک دم اس طرح چھا جانے والی خاموشی نے اس کے وجود کو دھروں کے لیے کتنا قابل اعتراض بنایا تھا۔ وہ ہر چیز سے لاپرواہ ہو چکی تھی۔ اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا چھوڑ دیا۔ اس کے پاس آئینے کے سامنے جانے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ نماز پڑھنے بیٹھتی اور دعا مانگے بغیر اٹھ جاتی۔ سڑک پر چلتی تو ہر طرف اسے جہاں زیب نظر آتا اور پھر یہ الوژن ہر وقت اس کے ساتھ رہنے لگا۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ اس کے پاس ہے۔ ہر وقت ہر جگہ۔۔۔۔۔ رات کو سونے سے پہلے اور صبح اٹھنے کے بعد اس کے ذہن میں ابھرنے والا آخری اور پہلا تصور اسی شخص کا ہوتا۔ بہت دفعہ میس میں سے کھانا اپنے کمرے میں لے جاتے ہوئے اس نے اپنے بارے میں لڑکیوں کی

سرکوشیاں سنی تھیں۔

اچھا تو یہ وہ لڑکی ہے جس کی شادی طے ہونے کے بعد مگنیترا نے شادی سے انکار کر دیا۔۔۔۔۔ وہ بھی دو ہفتے پہلے۔۔۔۔۔ بے چاری۔۔۔۔۔ مگر ہوا کیا تھا۔ ہو سکتا ہے مگنیترا کو اس کے بارے میں کسی ایسی ویسی بات کا پتا چل گیا ہو۔۔۔۔۔ آخر اتنے سالوں سے ہاسٹل میں رہ رہی تھی۔۔۔۔۔ مجھے کوئی بتا رہا تھا بہت سال پرانی مگنیترا تھی۔۔۔۔۔ بہت خوبصورت تھا اس کا مگنیترا یہاں ایک دو بار ملنے آیا تھا۔۔۔۔۔ باہر سے پڑھ کر آیا تھا۔۔۔۔۔ مجھے تو ترس آ رہا ہے۔۔۔۔۔ کتنا ظلم ہوا ہے اس پر۔۔۔۔۔ ہمیں حقیقت کا کیا پتا ہو سکتا ہے اسی میں کوئی برائی ہوگی ورنہ اتنی پرانی مگنیترا کون توڑتا ہے اور وہ بھی شادی کی تاریخ طے کرنے کے بعد۔۔۔۔۔ مگر لگتی تو نہیں ہے ایسی ویسی چہرے سے کیا پتا چلتا ہے اصلیت کا پتا تو خدا کو ہی ہوتا ہے یا پھر ان کا جن کا واسطہ پڑے۔

اگلے کئی ماہ وہ گفتگو کا موضوع بنی رہی۔ میس سے کھانا لیتے وہ سرکوشیاں سنتی۔ لڑکیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ بہت کچھ سنتی رہتی۔ اسے کچھ بھی برا نہیں لگتا تھا۔ کوئی طنز، کوئی طعنہ، کسی کی مذاق اڑاتی ہوئی ہنسی، متجسس آنکھیں، ایک دوسرے کو کیے جانے والے اشارے، وہ کسی چیز پر مشتعل نہیں ہوتی تھی۔ شاید اسے اب تک یقین نہیں آیا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہوا ہے۔ شروع میں اسے سب کچھ کو اب لگتا تھا۔ ایک ڈراؤنا خواب، مگر وہ خواب نہیں تھا اور خواب کو حقیقت مان لینے کی کوشش کرتے ہوئے وہ مکمل طور پر ذہنی انتشار کا شکار ہو گئی تھی۔ ہاسٹل کی لڑکیوں کے قہقہے ان کے چہروں کی مسکراہٹیں اسے عجیب لگتیں۔ وہ بچپن سے باقاعدگی سے نماز

پرہتی آ رہی تھی۔ اب آہستہ آہستہ وہ نماز چھوڑنے لگی۔ اگر نماز پرہتی بھی تو دعائے مانگتے ہوئے وہ بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ خدا سے اب کی مانگے۔ ویک اینڈ پر راولپنڈی جاتی تو امی اس سے بات کرتے کرتے روئے لگتیں۔ وہ تب بھی خاموشی سے انہیں دیکھتی رہتی اس کے پاس انہیں دلاسا دینے کے لیے کچھ تھا نہ آنسو پونچھنے کے لیے ہمت۔ وہ اس سے اصرار کرتیں کہ آخر اس نے کون سی شرائط ماننے کے لیے کہا تھا جس پر اس نے انکار کیا۔ وہ کچھ بتانے کے بجائے پھر خاموشی اختیار کیے رکھتی۔ اس کے اندر کیا کچھ بدل چکا تھا۔ اس کا اندازہ اس کی امی کو کبھی نہیں ہوا۔ انہیں صرف اس کی خاموشی رو لایا کرتی تھی۔

اس طرح کوٹنگا بن جانے سے کیا تمہارے تکلیف کم ہو گئی ہے یا کم ہو جائے گی۔ مگر جو ہو گیا ہے اس پر پچھتانے کے بجائے سب کچھ بھول جاؤ کوشش کرو کہ اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرو حالانکہ جو کچھ تم کر چکی ہو خیر اپنے آپ کو اس خول سے نکال لو کبھی اپنی آنکھوں کو دیکھا ہے تم نے کبھی کتنی چمک اور شوخی ہوتی تھی ان میں اور اب میں تمہیں دیکھتی ہوں تو مجھے خوف آنے لگتا ہے۔ اتنی اداسی اور اتنی خاموشی ہے تمہاری آنکھوں میں بھی کہ۔۔۔۔۔

عقیدہ ہاسٹل میں اسے کہتی رہتی۔ وہ اسے بھی بے تاثر خاموشی کے ساتھ دیکھتی رہتی۔

محبت تاریک جنگل کی طرح ہوتی ہے ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ پھر یہ باہر آنے نہیں دیتی۔۔۔۔۔ باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اتنی عادی ہو جاتی ہیں کہ روشنی میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں وہ بھی نہیں جو بالکل صاف واضح اور

روشن ہوتا ہے۔“

اس دن بھی عقیلہ کی بہت سی نصیحتوں کے جواب میں اس نے یہی کہا تھا۔
میں بھی ابھی کچھ دیکھ نہیں پا رہی ہوں۔ بس مجھے یہ اندازہ نہیں ہے کہ میں
جنگل کے اندر ہوں یا باہر۔

عقیلہ نے اسے چہرے پر چادر لیتے دیکھ کر ہمدردی سے اس کا سر تھپتھپایا۔

☆-----☆-----☆

اگلے کچھ سالوں میں اس کی بہن کی شادی ہو گئی۔ ٹابق ایف ایس سی کرنے
کے بعد آرمی میں چلا گیا اور معین بھی کام کرنے کے بعد ایک موبائل فون کی کمپنی میں
سیلز ایگزیکٹو کے طور پر کام کرنے لگا اس کے کندھوں پر پڑی ہوئی ذمہ داریاں بٹتی گئی
تھیں اور خاموشی نے کچھ اور مضبوطی سے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔

عقیلہ نے یکے بعد دیگرے کئی منگنیاں ٹوڑی تھیں اور چند دن رونے
دھونے کے بعد وہ بالکل نارمل ہو جاتی اور نئے سرے سے کسی بوائے فرینڈ کی تلاش
شروع کر دیتی مگر امید کی تلاش جہاں زیب پر ختم ہو چکی تھی۔ عقیلہ ایک چھوٹے شہر سے
تعلق رکھتی تھی اور لاہور میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ واپس نہیں گئی۔ وقت
گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کی ڈیوٹی تھ ہو گئی۔ وہ بھائی شادی کرنے کے
بعد اپنے الگ الگ گھروں میں سیٹل تھے۔ جبکہ وہ خود مستقل طور پر ہاسٹل میں مقیم تھی۔
بعض دفعہ امید اسے دیکھ کر سوچتی۔ کیا خوش رہنے کے لیے رشتے ضروری بھی ہیں یا
نہیں اگر یہ اپنی پوری زندگی یہاں گزار سکتی ہے تو کیا میں بھی۔۔۔۔۔۔ ہاں کیا فرق
پڑتا ہے یہاں رہنے سے۔۔۔۔۔۔ شاید گھر کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جس کو خوش رہنا

ہو اور مجھے تو رف زندہ رہنا ہے چاہے اس ہاسٹل میں یا کہیں اور۔۔۔۔۔ خوشی مری ضرورت ہے ہی نہیں۔

ہاسٹل می رہنے والی ایک لڑکی ایک فاسٹ نوڈ کی چین میں کام کرتی تھی وہ اپنی جاب چھوڑ کر واپس جا رہی تھی۔

تم اگر چاہو تو میں تمہارے لیے بات کر سکتی ہوں۔ جاب اچھی ہے کوئی ٹینشن نہیں پھر سیکری بھی بہت بہتر ہے۔

اس نے ایک دن امید سے کہا۔ امید نے ان دنوں اپنی فرم بند ہونے کے بارے میں سنا تھا اور وہ فرم میں اس کا آخری مہینہ تھا۔ شاید عقیلہ نے اس کے بارے میں ہاسٹل کی کچھ لڑکیوں سے بات کی تھی یہی وجہ تھی کہ اس لڑکی نے امید کو اس جاب کے بارے میں مطلع کر دیا۔ امید نے کچھ بھی کہے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔ فرم سے فارغ ہونے کے بعد اس کے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہوتا کیونکہ کچھ عرصہ پہلے وہ نیوشنز چھوڑ چکی تھی۔ اس پر اب گھر کو سپورٹ کرنے کی ذمہ داریاں نہیں تھی مگر اس کے باوجود اسے اپنے اخراجات کے لیے رقم چاہیے تھی۔ کم از کم اس وقت تک جب تک وہ واپس راولپنڈی نہ چلی جاتی۔ اگلے چند دنوں میں اس نے لڑکی کے ساتھ فاسٹ نوڈ کی انتظامیہ سے ملاقات کی پھر اس نے اپنی جاب سے ریزا ان کر دیا۔ اگلا کچھ عرصہ وہ وہاں اپنے کام کی ٹریننگ حاصل کرتی رہی۔

☆-----☆-----☆

اسے اس فاسٹ نوڈ چین میں کام کرتے بہت دن ہو گئے تھے۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ بلا مقصد ہر کسی کے لیے مسکرانا کتنا مشکل ہوتا ہے کہ بعض دفعہ یہ

مگر تمہارا چہرہ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے؟ وہ اب اس کے ماتھے کو چھوری تھی۔
تم ایسا کرو؛ کچھ دیر اندر بیٹھ کر آرام کرو پھر آ جانا۔

وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے اندر لے آئی۔ وہ بہت دیر چپ چاپ اندر بیٹھی
رہی اسے اپنے اندر کہیں ٹیسس اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ لڑکی کون ہو سکتی ہے؟ اب وہ سوچ رہی تھی۔ شاید اس کی بیوی یا پھر گرل
فرینڈ؟

بیوی۔ اس کے اندر ایک بار پھر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ اگر میں چار سال
پہلے۔۔۔۔۔ تو آج اس کے ساتھ ہوتی۔۔۔۔۔ اسی طرح یہیں۔

اس کے اندر یک دم بہت شور ہونے لگا تھا۔ وہ بے اختیار رونے لگی۔ بہت
دیر رونے کے بعد وہ منہ دھو کر واپس کاؤنٹر پر آ گئی۔ اس کی شفٹ ختم ہونے میں ابھی
ایک گھنٹہ تھا۔

تب ہی اس کے پاس ایک غیر ملکی آیا تھا۔ وہاں غیر ملکیوں کا آنا کوئی حیرت
انگیز بات نہیں تھی۔ وہاں ان کا بہت زیادہ آنا جانا تھا مگر اس غیر ملکی نے انگلیش کے
بجائے بہت شستہ اردو میں اپنا آؤرنوٹ کروایا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے ایک
مسکراہٹ کے ساتھ اس کا آؤرنوٹ کیا اور پھر کچھ دیر کے بعد آؤرنوٹ وکھا۔ شفٹ ختم
ہونے کے بعد وہ وہاں سے آ گئی۔

اس رات وہ دیر تک بیٹھی روتی رہی تھی۔ عقیلہ کچھ دیر سے خاموش کروانے
کی جستجو میں مصروف رہی پھر تنگ آ کر وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔

انسان میں اتنی ہمت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے لیے فیصلہ کر سکے جس وقت تم

اسے حاصل کر سکتی تھیں اس وقت تم کو اخلاقیات یاد آ رہی تھیں۔ ایمان اور اسلام کی فکر پر گئی تھی اور اب اسے کسی اور لڑکی کے ساتھ دیکھ لینے پر رو رہی ہو۔ آخر تم اس کے لیے کتنا روؤ گی۔ چار سال ہو گئے یہ تماشا دیکھتے ہوئے۔ چار سال تو کوئی کسی مر جانے والے کے لیے بھی نہیں رویا کرتا اور تم ایک زندہ شخص کے لیے۔۔۔۔۔ اتنا ہی یاد آتا ہے تو چلی جاؤ اس کے پاس۔۔۔۔۔ اس کی بات مان لو۔۔۔۔۔ تمہارے بقول وہ تم سے محبت کرتا ہے جب تم دونوں کے درمیان محبت ہے تو مسئلہ کیا ہے؟ جاؤ اس کے پاس اگر اس نے اب تک شادی نہیں کی تب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ بالفرض شادی کر بھی لی ہے تو دوسری شادی کی جا سکتی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو کوئی بات نہیں شادی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔ اگر بندہ کسی سے محبت کرتا ہے تو شادی کے بغیر بھی اس کے ساتھ رہا جا سکتا ہے بلکہ زیادہ اچھا طریقہ سے رہا جا سکتا ہے۔

عقیدہ اپنے بستر میں لیٹی ہوئی بہت دیر تک بولتی رہی تھی۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتے ہوئے اس کی باتیں سنتی رہی۔

اسے یاد نہیں، اگلے کتنے دن وہ ہر سڑک، ہر رستے، ہر گاڑی، ہر چہرے میں اسے ڈھونڈتی رہی تھی۔ اسے لگتا تھا وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس دن آیا تھا، کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر، شیشوں سے باہر جھانکتے ہوئے، ہر گاڑی کے کھلتے ہوئے دروازے سے وہ اسی کے نکلنے کی امید کرتی تھی۔

اس دن وہ کاؤنٹر پر ایک کسٹمر سے آرڈر لے رہی تھی جب اس غیر ملکی نے آرڈر دینے کے بعد اچانک اس کا نام پوچھا۔ اس نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ روز یہاں آتا ہے اور وہی اسے اٹینڈ کرتی تھی اس لیے وہ اس کا نام

☆ _ _ _ ☆ _ _ _ ☆

ویک اینڈ پر وہ اپنے گھر آئی۔۔۔۔۔ راو لپنڈی آ کر ہمیشہ وہ بہت ہی عجیب کیفیات سے دوچار رہتی تھی۔ بعض دفعہ اسے یوں لگتا جیسے وہ بہت غلط جگہ آ گئی ہو اور بعض دفعہ اسے یوں لگتا جیسے وہ کسی غلط جگہ سے آ گئی ہو۔

میں چاہتی ہوں اب تم لاہور سے مستقل یہاں آ جاؤ۔۔۔۔۔ اب ضرورت نہیں ہے کہ تمہیں کمانا پڑے۔ تمہارے بھائی اب اتنا کمانے لگے ہیں کہ تمہیں اس طرح دوسرے شہر میں نہ رہنا پڑے۔

اس رات اس کی امی نے اس سے کہا تھا۔ اس نے حیرانی سے ماں کا چہرہ دیکھا۔

اچھا تو کیا میری جدوجہد ختم ہوگئی؟ اس نے سوچا۔
اب تم یہیں راولپنڈی میں رہو۔ میں تمہارے لیے کچھ رشتے دیکھ رہی ہوں
- چاہتی ہوں کہ جلد ہی تمہاری شادی کروں۔

وہ بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ امی کچھ دیر بعد اٹھ کر چلی گئیں۔

شادی، کیا میں شادی کروں گی؟ جہاں زیب کے علاوہ کسی دوسرے سے

۔۔۔۔۔ اب جب سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ اب کس لیے؟ خود کو دھوکا دینے کے

لیے یا کسی دوسرے کو۔۔۔۔۔ اس کا ذہن جیسے اس بات کو قبول ہی نہیں کر رہا تھا۔

کیا آزمائشیں ختم ہو سکتی ہیں؟ وہ سوچ رہی تھی۔

اور وہ بھی میری آزمائشیں، لاہور سے واپس آ جاؤں۔۔۔۔۔ کہاں، یہاں راولپنڈی۔۔۔۔۔ اور یہاں دوبارہ سے رشتے جوڑنے کی کوشش کروں۔۔۔۔۔ کیا امی

محسوس نہیں کر سکتیں کہ جہاں زیب کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ رہنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔

وہ دو دن کے لیے لاہور سے راولپنڈی آئی تھی مگر دو دن کے بجائے ایک ہفتہ وہاں رہی۔ واپسی میں ایک بار پھر اس نے خاموشی سے امی کی گفتگو سن کر سر ہلا دیا۔ کاش انہیں بتا سکتی کہ اب شہر بدلنے سے کچھ نہیں بدلے گا۔ گھر ہو یا نہ ہو مجھے فرق نہیں پڑتا۔ سب کچھ چار سال پہلے ختم ہو گیا تھا۔ اب تو صرف راکھ اور کھنڈر ہیں راکھ اور کھنڈر پر دوبارہ عمارت تعمیر کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس نے گھر سے نکلتے ہوئے سوچا تھا۔

☆-----☆-----☆

اس رات لاہور پہنچ کر اس نے عقیلہ کو بتایا تھا کہ اب وہ جلدی واپس راولپنڈی چلی جائے گی۔

کیوں؟ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

میری امی چاہتی ہیں۔۔۔ میں واپس آ جاؤں۔ دونوں بھائی سینٹل ہو چکے ہیں اب میری جاب کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اس نے دھیمے لہجے میں اپنے کپڑے استری کرتے ہوئے بتایا تھا۔

وہ۔۔۔۔ تو تم شادی کے لیے جانا چاہتی ہو، جہاں زیب کے علاوہ کسی دوسرے سے شادی۔۔۔۔ خیر اچھا ہے مگر کیا تم خوش رہ سکو گی؟ عقیلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

پتا نہیں، شاید ہاں یا پھر نہیں، وہ الجھ گئی۔

تمہاری خوبی یہ ہے کہ تم کپڑے و ماٹز کر لیتی ہو۔۔۔۔۔ حالات سے۔۔۔۔۔
لوگوں سے زندگی سے اور اپنے آپ سے مجھے لگتا ہے خوش رہو یا نہ رہو مگر زندگی تم گزار
عی لوگی، عقیدہ نے اس کا تجزیہ کیا۔ وہ خاموشی سے کپڑے استری کرتی رہی۔

کپڑے و ماٹز؟ نہیں کپڑے و ماٹز کرنا ہی تو نہیں آیا۔ ورنہ میں نے اپنے ساتھ
اور اپنی زندگی کے ساتھ یہ سب کچھ نہ کیا ہوتا، چار سال سے جہاں زیب کے الٹوٹن
کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوتی۔ اس نے رنجیدگی سے سوچا۔

☆-----☆-----☆

اگلے دن وہ ریسٹورنٹ گئی تھی۔ صبح ہاسٹل سے نکلتے ہوئے چوکیدار نے
اسے بتایا کہ اس کی عدم موجودگی میں کوئی غیر ملکی اس کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ وہ
یہ جان کر حیران ہوئی کہ وہ اس کے ریسٹورنٹ سے آیا تھا۔ ریسٹورنٹ پہنچ کر اس نے
اپنے ساتھ کام کرنے والے سے اس بارے میں پوچھا مگر کسی نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ
کوئی اس کے پیچھے اس کے نہ آنے کی وجہ معلوم کرنے گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنے کام
میں مصروف ہو گئی۔

شام کو ڈینٹل ایڈگر نامی وہ غیر ملکی ایک پھر وہاں آیا تھا اور ہمیشہ کی طرح
سیدھا اس کے پاس آیا، اس نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ کاؤنٹر پر اس کا استقبال کیا۔
مگر وہ مسکراہٹ اس وقت اس کے چہرے سے غائب ہو گئی جب اس نے ڈینٹل کا
اگلا جملہ سنا۔ وہ اس سے اس ایک ہفتے کی عدم موجودگی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔
اس نے حیرانی سے اس کے سول پر اسے اور اس کے ساتھ موجود ایک
دوسرے شخص کو دیکھا تھا جس نے برق رفتاری سے اس کے تاثرات سے جھلکنے والی

ناگواری کو دیکھ کر آؤرنوٹ کروانا شروع کر دیا۔ آؤرنوٹ کرنے کے کچھ دیر بعد اس نے اسی خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ آؤر سر و کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی اس خاموشی سے اس آدمی کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ سوال و جواب کے کسی سلسلے کو پسند نہیں کرتی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس شام جانے سے پہلے وہ آدمی اس سے کیا سوال کرنے والا تھا۔

وہ اس کے مستقل وہاں بیٹھنے سے الجھن کا شکار تھی اس دن پہلی بار اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ یہ شخص جو ہر روز یہاں آ کر بیٹھا رہتا ہے اس کی وجہ کیا ہو سکتی تھی کیا میں؟ اس نے سوچا اور اس کی وحشت میں اضافہ ہو گیا۔ یہ دفعہ کیوں نہیں ہوتا؟ پہلی بار کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر اسے ڈیٹیل کی نظریں چھری تھیں۔

اس کی شفٹ ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ اس کے پاس آیا اور امید نے اسے کہتے سنا۔

کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟

کیا اس شخص کا دماغ خراب ہے؟ اس کے ذہن میں سب سے پہلے آنے والی بات یہی تھی۔

کیا میری افقات اب یہی رہ گئی ہے کہ اس کاؤنٹر پر کھڑے کوئی بھی شخص آ کر مجھے شادی کی آفر کرنے لگے؟ اس نے دل گرفتگی سے سوچا اور اسے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے وہ کاؤنٹر سے ہٹ گئی۔

اس رات ہاسٹل واپس جاتے ہوئے ایک جھمکا کے کے ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس کے پیچھے ہاسٹل آنے والا ڈیٹیل ایڈگر ہی ہو سکتا ہے اور اس

خیال نے اسے کچھ اور خوفزدہ کر دیا۔ اسے یہ کیسے پتا چل گیا کہ میں یہاں رہتی ہوں اور وہ پیچھے کیوں آیا۔ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔

☆-----☆-----☆

وہ ساری رات جاگتی رہی اور اگلی صبح وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ گیٹ پر موجود چوکیدار کو اس نے ہدایت دی کہ اب اگر کوئی غیر ملکی اس کے بارے میں پوچھنے آئے تو وہ اس سے کہہ دے کہ امید ہاسٹل چھوڑ چکی ہے۔

اسی نے اسی دن فون کر کے اپنی جاب چھوڑنے کے بارے میں فاسٹ نوڈ چین کی انتظامیہ کو مطلع کر دیا۔ اتنے سالوں سے میں اس ہاسٹل میں رہ رہی ہوں کبھی بھی مجھے اس طرح کی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اور اب۔۔۔۔۔ اس طرح رف ایک شخص کی وجہ سے بھاگنا اور چھپنا پڑ رہا ہے۔۔۔۔۔ آخر میں کیوں خوفزدہ ہوں اور کس چیز سے خوفزدہ ہوں؟ وہ میری مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔

مجھے اس کے سامنے انکار کرنا چاہیے تھا۔۔۔۔۔ یہ سوچتی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ کیا ایک بار پھر سے جاب کی تلاش کرنی چاہیے۔ یوشنز کرنی چاہئیں یا پھر واپس راولپنڈی چلے جانا چاہیے۔ وہ بہت دن سوچ بچار میں رہی اور پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔

ہاں مجھے اب واپس اپنے شہر اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔ آخراً میں یہاں رہ کر کیا کرنا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔ یہاں کیا ہے جس کے لیے رکنہ چاہتی ہوں؟ کیا جہاں زیب۔۔۔۔۔ وہ اگے کچھ سوچ نہیں پائی تھی۔

اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ اس نے کتنے سال ہاسٹل میں گزارے تھے۔

اس نے یہاں اپنی زندگی کا سب سے اچھا وقت گزار دیا تھا۔

یہاں اس نے خواب دیکھے تھے۔۔۔۔۔

یہاں اس نے چار سال پہلے ہمیشہ کے لیے خواب دیکھنے بند کر دیئے تھے۔ یہاں اس نے اپنی زندگی کے چار بدترین سال گزارے تھے چار سال پہلے جو کچھ ہوا تھا اسے اس کا ایک ایک لمحہ یاد تھا پھر اس کے بعد چار سال کس طرح اس نے گزارے تھے۔ وہ کوشش کرتی بھی تو اسے کچھ یاد نہیں آتا۔ اسے بس یوں ہی لگتا جیسے پچھلے چار سال سے وہ کسی ایسے برا عظیم پر پہنچ گئی ہے جہاں تاریکی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ جانے سے پہلے ایک دن ہاسٹل میں پھرتی رہی تھی۔ وہاں کی ہر چیز کے ساتھ اس کی یادیں وابستہ تھیں۔ ایسی یادیں جنہیں وہ بھلا دینا چاہتی تھی۔

سردیوں کی وہ راتیں جب اس نے اپنی زندگی کو برزخ بنتے دیکھا تھا۔۔۔۔۔ گرمیوں کی وہ راتیں جب اس کا جسم برف کا تودہ بن جاتا تھا۔۔۔۔۔

اس کے آنسو اس کے خواب اس کی خواہشیں سب کی قبریں یہیں تھیں اور اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ ان قبروں کی مجاور بن چکی ہو۔۔۔۔۔

اس قبرستان نے اس کے وجود کو کھالیا تھا۔۔۔۔۔

اب جب وہ باہر نکلنے کی کوشش کی رہی تھی تو اس کا پورا وجود کٹ رہا تھا۔

☆-----☆-----☆

راولپنڈی آنے کے بعد اگلے کئی دن وہ گم صم رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ

ایک نئی دنیا میں آگئی ہو اسی دنیا جو نہ اس کی تھی نہ اس کے لیے نو سال گھر سے باہر

رہنے کے بعد اب دوبارہ وہاں رہنا۔

ہاں، میرے لیے تو بس یہی کافی تھا۔۔۔۔۔ تین وقت کا کھانا، سر چھپانے کے لیے ایسی جگہ جس کا کرایہ مجھے نہ دینا پڑتا ہو اور جسم ڈھانپنے کے لیے چند جوڑے کپڑے، میرا ٹاشہ تو بس یہی چیزیں تھیں۔۔۔۔۔ پانچ سال ایک شخص کا انتظار کرنے اور چار سال اسے کھونے کے بعد حواس برقرار کرنے میں لگانے کے بعد میرے حصے میں آنے والی زندگی کچھ اتنی بری نہیں۔ بس صرف یہ ہوا ہے کہ زندگی کچھ زیادہ خاموش ہو گئی ہے۔ آنکھیں اب خواب نہیں دیکھتیں اور دل یقین کھو چکا ہے۔ مگر باقی سب کچھ تو ہے۔

وہ سارا دن گھر کے صحن میں لگے پودوں کے پاس بیٹھی سوچتی رہی۔ گھر سے نکلتے ہوئے میں اٹھارہ سال کی تھی، واپس آتے ہوئے ستائیس سال کی ہو چکی ہوں اور ن سال میں میں نے اپنے لیے کیا کھویا، کیا پایا۔۔۔۔۔ شاید صرف کھویا۔۔۔۔۔ پانے کی تو مجھ میں ہمت ہی نہیں تھی۔ وہ سوچتی اور اذیت ایک بار پھر اس کا گھیراؤ کرنے لگتی۔

امی اس کے گھر آ جانے سے بہت خوش اور مطمئن تھیں اور یہی حال اس کے بھائیوں کا تھا۔ شام کو ان کے ساتھ اکٹھے کھانا کھاتے اور ان کے پرسکون اور مطمئن چہرے دیکھ کر حیرانی سے سوچتی رہتی۔

کیا زندگی اتنی اچھی ہے کہ اس کے لیے مسکرایا جائے؟

☆-----☆-----☆

باب نمبر 3

اس کے آنے کے کچھ دن بعد اس نے اپنے گھر دو عورتوں اور ایک مرد کو آتے دیکھا تھا۔ ان سے ملنے کے بعد امی کسی سوچ میں گم رہی تھیں۔ امید کو یوں محسوس ہوتا رہا جیسے وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی ہوں۔ رات کو اس نے انہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ مصروف گفتگو پایا تھا۔ ان کا انداز بھی بہت پراسرار تھا۔

تم ڈیبل ایڈگرل کو جانتی ہو؟ فریج سے پانی نکالتے ہوئے وہ بالکل ساکت ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں میں کپکپاہٹ دیکھی۔

میرے خدا۔۔۔۔۔ کیا اب مجھے اپنے گھر والوں کے سامنے اپنی صفائی دینی پڑے گی۔ وہ بھی ڈیبل ایڈگر کے حوالے سے؟ وہ بمشکل پلٹی تھی۔ امی ڈامننگ ٹیبل پر سبزی بناتے ہوئے اس کے جواب کی منتظر تھیں۔

میں جس ریستورنٹ میں کام کرتی تھی۔ وہاں کھانا کھانے کے لیے آیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے حتی المقدور نارمل لہجے میں کہا۔

اچھا۔۔۔۔۔ کیسا آدمی ہے؟ وہ ان کے سوال پر ایک بار پھر سن رہی تھی۔

مجھے کیا پتا؟۔۔۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ امی نے سر اٹھا کر اسے

دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے تمہارے لیے رشتہ بھجوایا ہے۔ اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس گر

پڑا۔

یہاں تک کیسے پہنچ گیا یہ شخص۔۔۔۔۔ اور کیوں؟۔۔۔۔۔ جب میں۔

وہ بے اختیار خوفزدہ ہوئی۔ امی نے اس کے ہاتھ سے گرتے گلاس کو دیکھا

پھر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

ہم لوگ سوچ رہے تھے کہ شاید تم اسے جانتی ہو اور تمہاری پسندیدگی کی وجہ

سے ہی اس نے یہاں اپنا رشتہ بھجوایا ہے۔ نہیں۔۔۔ میں اسے بس اتنا ہی جانتی

ہوں اور پسند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ایک غیر مسلم کے ساتھ شادی کیسے کر سکتی

ہوں۔ اس نے تیزی سے وضاحت کی۔

وہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ اب ایمان علی نام ہے اس کا۔ امی نے وحشیہ لہجے

میں کہا، وہ کچھ دیر ساکت انہیں دیکھتی رہی۔

پھر بھی میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس طرح مذہب تبدیل کرنے

والوں کا کچھ اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ انکار کر دیں۔

امی نے اس کی بات پر ایک مطمئن اور گہری سانس لی۔

وہ اگلے کئی دن پریشان رہی۔ میرے گھر والے کیا سوچتے ہوں گے کہ میں

لاہور میں کیا کرتی رہی ہوں۔

پھر جیسے یہ ایک روٹین بن گئی، وہ ہفتے میں ایک دو بار ضرور آتے تھے۔ امی

کے انکار کے باوجود ان کا اصرار نہیں ختم ہو رہا تھا۔ اس کی بے چینی اور اضطراب بڑھتا

جار ہا تھا۔

آپ ان سے کہیں، وہ ہمارے گھر نہ آئیں۔ ہمیں یہ رشتہ پسند نہیں ہے تو پھر اس طرح بحث کی کیا تک ہے۔

اس دن ان کے جانے کے بعد اس نے اپنی امی سے کہا۔
میں بہت بار ان سے کہہ چکی ہوں مگر وہ لوگ بضد ہیں۔
اس کی امی نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ وہ ان کا منہ دیکھتی رہی۔

☆-----☆-----☆

چند دن بعد رات کو معین اس کے پاس آیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے کہا۔

میرا دوست سکندر ایمان علی کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہے۔ ان کے دوست سعود ارتضیٰ کا چھوٹا بھائی اس کا دوست ہے، وہ کہہ رہا تھا کہ ایمان بہت اچھا آدمی ہے۔ کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے بات شروع کی۔

مگر مجھے کسی غیر ملکی کے ساتھ شادی نہیں کرنی۔

آپ اس سے کیا فرق پر مانتا ہے؟ وہ مسلمان ہیں۔ بہت اچھی پوسٹ پر ہیں۔
ان کی اپنی فیملی بہت اچھی ہے اور پھر بہت سالوں سے یہاں ہیں۔ آپ کو پتا ہے انہوں نے آپ کی وجہ سے مذہب تبدیل کیا ہے۔

مگر مجھے پھر بھی شادی نہیں کرنی ہے۔ صرف شادی کے لیے مذہب تبدیل کرنے والا شخص کبھی بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔

آپ۔ یہ کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے امی سے بھی بات کی ہے، وہ بھی آمادہ ہو گئی ہیں۔ سکندر کہہ رہا تھا کہ سعود کے گھر والے ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہیں۔ میں

نے ایمان علی کی تصویر دیکھی ہے۔ وہ مجھ دیکھنے میں بہت اچھے لگے ہیں۔ آپ کو اس سے اچھا پر پوزل نہیں مل سکے گا۔ وہ اب خاصی بے تکلفی سے بات کر رہا تھا۔

تم اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔ میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ میں کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ تم میری جان چھوڑ دو۔ وہ یک دم غصے میں آ گئی۔ معین اٹھ کر چلا گیا۔

پھر اگلے کئی ہفتے یہی تماشا ہوتا رہا۔ سعود ارضی پتا نہیں کس کس جاننے والے کے توسط سے ان پر دباؤ ڈالتا رہا۔ اس کے بھائیوں کے دوست ان کے کچھ محلے دار رشتے دار اُمی کے کچھ جاننے والے لوگ وہ پتا نہیں کس طرح سرنگیں بنا رہا تھا۔ چند ہفتے بعد گھر میں اس کے علاوہ سب اس رشتے پر آمادہ تھے صرف وہ تھی جو اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

مجھے کسی غیر ملکی نو مسلم سے شادی نہیں کرنا۔ اور اس شخص سے تو کسی صورت نہیں۔ وہ ہر بات کے جواب میں یہی کہتی۔

میں شادی ہی کرنا نہیں چاہتی۔ آپ مجھے اس طرح پریشان نہ کریں ورنہ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔

وہ زچ ہو چکی تھی۔ وہ اپنے گھر آنے والی سعود ارضی کی بیوی اور ماں کے سامنے جا کر بھی ایک بار انکار کر چکی تھی۔ اس کے بعد وہ لوگ ان کے گھر نہیں آئے مگر بلواسطہ طور پر مختلف لگوں کے ذریعے وہ ان پر دباؤ ڈالنے لگے تھے۔ اسے اس دباؤ اور اصرار سے اور چڑھنے لگی تھی۔ شاید اس کی یہ ضد اسی طرح جاری رہتی اگر اس کی ملاقات ڈاکٹر خورشید سے نہیں ہوتی۔

جس دن وہ اس کے گھر آئے تھے اس دن اس کی امی نے اسے آکر ان سے ملنے کے لیے کہا تھا۔ امید نے سوچا تھا کہ شاید وہ اس کے کسی بھائی کے والد ہیں کیونکہ اس کا بھائی ہی انہیں اپنے گھر لے کر آیا تھا۔ وہ حیران ہوئی کہ امی اسے ان سے کیوں ملوانا چاہتی ہیں۔ اس حیرانی میں وہ ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔ ڈاکٹر خورشید اس کے کمرے سے داخل ہوتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اس کو اپنے لیے ان کا کھڑا ہونا کچھ عجیب سا لگا۔ وہ خاموشی سے کچھ کہے بغیر سلام دعا کے بعد صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے بھائی نے ڈاکٹر خورشید کے بارے میں اسے کچھ بتایا تھا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی اسے دلچسپی نہیں تھی کہ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے پاس کتنی ڈگریاں اور کتنا علم ہے۔ وہ کتنے ملکوں سے تعلیم حاصل کر کے آیا ہے یا کتنی زبانیں بولتا ہے۔ اس کے گھر آنا اس کے لیے کتنا بڑا اعزاز تھا۔ اسے اس سے بھی کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ صرف کچھ وقت وہاں بیٹھ کر وہاں سے واپس چلی جانا چاہتی تھی۔

آپ کے بھائی نے میری کچھ زیادہ تعریف کر دی۔ میں صرف ایک یونیورسٹی میں پڑھا ہوں۔ اس کے علاوہ میری اور کوئی قابلیت نہیں ہے۔ اس کے بھائی خاموش ہونے کے بعد ڈاکٹر خورشید نے کہا۔ وہ اب بھی خاموش رہی۔

یا اب سمجھ لیں کہ ایک اور اعزاز ہمیں یہ حاصل ہو گیا ہے کہ ایک ایسی لڑکی کو دیکھ رہا ہوں جس کے لئے کوئی ایمان حاصل کر لے۔

وہ ان کے اگلے جملے پر ساکت ہو گئی۔

ڈیبل ایڈگر کا ایک اور سپورٹر۔ اس نے تلخی سے سوچا، خفگی اور غصے کی ایک

لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔ اب مجھے باہر کے لوگ آ کر میری زندگی کے سب سے اہم فیصلے کے بارے میں مجھے مشورہ دیں گے اور میرے گھر والے ان کی مدد کریں گے۔ وہ سر نظروں سے ڈاکٹر خورشید کو دیکھتی رہی۔

امید عالم۔۔۔ آپ کا نام بہت خوبصورت ہے۔ آپ اپنے نام سے بڑھ کر خوبصورت ہیں اور آپ کی قسمت ان دونوں چیزوں سے بھی زیادہ روشن ہے۔ وہ اب اس سے نرم آواز میں کہہ رہے تھے۔

میری قسمت کتنی روشن ہے کیا میرے علاوہ کوئی یہ بات جان سکتا ہے۔ ایک بار پھر اس نے تلخی سے سوچا۔ اس کا بھائی یک دم چائے لانے کے لئے اٹھ کر چلا گیا۔

مجھے ایک بات بتائیں۔ آپ اتنے بڑے اسکا لڑ ہیں۔ آپ تو بہت علم رکھتے ہیں۔ دنیا کا بھی دین کا بھی۔ آپ بتائیں صرف شادی کے لیے مذہب تبدیل کرنے والا شخص کتنا قابل اعتبار ہو سکتا ہے اور کوئی مسلمان لڑکی ایسے شخص سے شادی کرنے کا جو اکیوں کھیلے جس کے عقیدے کے باطل ہو جانے کا اسے شک ہو اور مجھے یہ بھی بتائیں کہ جب آپ جیسے اسکا لڑ مسلمان لڑکیوں کو جا کر اس کام پر مجبور کرنے لگیں تو ہدایت اور راہنمائی کے لیے کتنے دروازے کھلے رہ جائیں گے۔

جتنے تلخ لہجے میں ان سے بات کر سکتی تھی اس نے کی۔ ان کی مسکراہٹ میں کمی نہیں آئی۔ وہ بڑی خندہ پیشانی سے اس کی بات سنتے رہے۔

میں یہاں کسی اسکا لڑ کے طور پر نہیں آیا۔ میں یہاں ایک مسلمان کے طور پر آیا ہوں۔

ایک دوسرے مسلمان کو مجبور کرنے کے لیے کہ وہ کسی نام نہاد مسلمان سے شادی کر لے۔

نام نہاد مسلمان سے آپ کی کیا مراد ہے امید بی بی؟ اگر ایمان علی نام نہاد مسلمان ہے تو کیا ہم سب نام نہاد مسلمان نہیں ہیں۔ جن کے اعمال اور انفعال اسلام کے بتائے ہوئے کسی اصول سے مطابقت نہیں رکھتے۔ جن کے ایمان کمزور ہوتے ہیں جو صرف ساری زندگی اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہیں کہ انہیں پیدائشی طور پر مسلمان گھرانے میں پیدا کیا گیا ورنہ اگر دین کے لئے کوئی قربانی دینی پڑے تو مسلمانوں کی ان نہرستوں میں خاصی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ مگر صرف دعویٰ کرنا پڑے تو ہر مسلمان اپنے علاوہ کسی دوسرے کو مسلمان کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ وہ اب سنجیدہ ہو چکے تھے۔

میں ان مسلمانوں میں سے نہیں ہوں۔ میں نے اپنے دین اور ایمان کے لیے کیا چھوڑا ہے۔ اس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔ میں نے اپنی خواہشوں اور خواہوں کو مار دیا ہے۔ اس لیے میرے انفعال اور اعمال کے بارے میں بات نہ کریں۔ میرا ایمان کمزور ہوتا تو آج میرے پاس کیا کیا ہو سکتا تھا۔ آپ اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ دین کے لیے میں نے سر پر تانی ہوئی چھتری چھوڑ کر ننگے پاؤں دھوپ میں چلنا قبول کیا ہے۔ مجھے حق ہے کہ میں اپنا موازنہ دوسرے مسلمانوں سے کروں۔ مجھے حق ہے کہ میں خود ان لوگوں سے بہتر سمجھوں جو دھوپ میں چلنے کے بجائے سائے کے لئے ہر چیز کا سودا کر لیتے ہیں۔

وہ ان کی بات پر اس طرح بھڑکے گی۔ اس کا اندازہ نہ ڈاکٹر خورشید کو تھا نہ ہی خود امید کو۔

اللہ خود پر کوئی احسا نہیں رکھتا، امید بی بی اگر آپ نے اس کے لئے کوئی چیز چھوڑی ہے تو وہ آپ کو اس سے بہتر شے سے نواز دے گا۔

نہیں، بعض چیزوں کے بعد ان سے بڑھ کر اور ان سے بہتر کوئی چیز نہیں ملتی کیونکہ دل کو کوئی چیز بہتر نہیں لگتی۔

ڈاکٹر خورشید نے اس کی آنکھوں میں لڈائی نمی اور اے چھپانے کے لیے جھکے سر کو دیکھا۔

دین کے لئے کوئی سودا خسارے کا سودا نہیں ہوتا اور دنیا میں ہر چیز کا متبادل ہوتا ہے مگر اس بات پر آپ کو تب تک یقین نہیں آئے گا جب تک متبادل آپ کو مل نہیں جائے گا۔

اور اگر انسان کو کسی متبادل کی خواہش ہی نہ ہو تو؟ وہ سر اٹھا کر نرم آنکھوں کے ساتھ اکھڑے لمبے میں ان سے پوچھ رہی تھی۔

انسان کی خواہشات سے اللہ کو دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اس کی تقدیر اپنی مرضی سے بناتا ہے۔ اسے کیا ملنا ہے اور کیا نہیں ملنا اس کا فیصلہ وہ خود کرتا ہے۔ جو چیز آپ کو ملنا ہے آپ اس کی خواہش کریں یا نہ کریں وہ آپ ہی کی ہے۔ وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں جائے گی مگر جو چیز آپ کو ملنا ہے وہ کسی کے پاس بھی چلی جائے گی مگر آپ کے پاس نہیں آئے گی انسان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ جانے والی چیز کے ملال میں مبتلا رہتا ہے آنے والی چیز کی خوشی اسے سرور نہیں کرتی۔

میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ نے دین کے لیے کیا چھوڑا۔ میں صرف یہ پوچھوں گا کہ آپ نے کیوں چھوڑا اور یہ سول اس لیے کروں گا کہ خدا کے

لیے کیے جانے والے عمل پر فخر کے بجائے آپ کو پچھتاوا ہے اور یہ پچھتاوا اثر سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ انسان کا اچھا عمل بھی تباہ کر دیتا ہے۔ خدا کے لیے کیے جانے والے عمل پر شکر اور پھر فخر کرنا چاہیے کہ اس نے آپ کو آزمایا اور آپ نے ثابت قدمی اور استقامت دکھائی لیکن اگر آپ کو پچھتاوا تھا تو پھر آپ یہ قربانی نہ دیتیں۔ آپ بھی سائے کا انتخاب کر لیتیں۔ راستے تو دونوں ہی تھے آپ کے پاس اور کسی نے آپ کو یقیناً مجبور بھی نہیں کیا ہوگا۔ کم از کم اللہ نے نہیں۔ اس نے تو اختیار دیا آپ کو کہ انتخاب کا حق استعمال کریں پھر آپ نے اپنے اختیار کو استعمال کیا۔ اب یہ پچھتاوا کیوں؟

میں آپ کے اسلام پر کواہی دینے آیا ہوں نہ آپ کے ایمان کی مضبوطی کا جائزہ لینے۔ یہ دنوں کام میں ایمان علی کے لیے کرنے آیا ہوں۔ میں کواہی دیتا ہوں کہ وہ مسلمان ہے اور میں کواہی دیتا ہوں کہ وہ ہمیشہ مسلمان ہی رہے گا۔ بہت کم عورتیں ہوتی ہیں جن کی کوئی اتنی خواہش کرتا ہے۔ جس قدر ایمان علی آپ کی کر رہا ہے۔ آپ کی خوش بختی یہ ہے امید بی بی کہ آپ کے لیے ایک شخص دامن پھیلائے ہوئے ہے جو کچھ کا کنول ہے اور کنول کو کوئی صرف کچھڑ میں کھلنے کی وجہ سے پھول کہنا نہیں چھوڑ دیتا۔ لوگ اس کی خوشبو سے بھی متاثر ہوتے ہیں اور حسن کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

میں نے آپ سے کہا کہ اللہ انسان کو ہر چیز کا متبادل دے دیتا ہے اور ہر انسان کو دیتا ہے؟ آج ایمان علی آپ کی خواہش کر رہا ہے۔ آپ اسے نہیں ملتیں تو کیا ہوگا۔ اللہ کے لیے آپ سے بہتر اور بڑھ کر کوئی متبادل پیدا کر دے گا۔ اللہ کو نوازا جاتا ہے مگر جب کوئی اتنی چاہ کرے تو اس کی محبت کو اس طرح رو نہیں کرنا چاہیے۔ آپ

ایک ایسے شخص کو رد کر رہی ہیں جس کی زندگی میں صرف ایک عورت آئی ہے اور وہ عورت آپ ہیں۔ وہ آکا نام اتنی محبت اور عزت سے لینا ہے کہ مجھے آپ پر رشک آتا ہے۔ عورت سے محبت بہت سے مرد کرتے ہیں مگر محبت کے ساتھ ساتھ عزت بھی کم مرد کرتے ہیں۔

وہ تھرا گئی۔ اسے کچھ یاد آیا۔۔۔ اسے لگا۔ وہ زمین کے اندر اتر رہی ہو۔ مجھے لگتا ہے۔ آپ کا کوئی عمل خدا کو بہت پسند آیا ہے جس کی وجہ سے اس نے آپ کو اتنا خوش بخت بنا دیا کہ کوئی شخص آپ کے لیے آپ کا دین اختیار کرنے پر تیار ہو گیا۔ اب آپ سوچے آپ کا ساتھ اس شخص کو اور کتنی ثابت قدمی اور استقامت دے گا۔

اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ آنے لگی۔

ہمارے دین کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں کوئی چھوت چھات نہیں ہے۔ نئے اور پرانے مسلم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ہمیں انسا کی طرح ہونا چاہیے۔ آنے والوں کو گلے لگانا چاہیے۔ ان کے عقیدوں اور حسب و نسب کو چھاننے، پھٹکنے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ جو منہ سے خود کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے۔ ہمارے ماننے یا نہ ماننے سے اسکے ایمان میں فرق نہیں پڑے گا۔ ہمارے اپنے ایمان میں فرق نہیں پڑے گا۔ اس نے اپنی آستٹیوں سے چہرہ صاف کیا۔

آپ مقدر پر یقین رکھتی ہیں تو یہ جان لیں کہ آپ ایمان علی کے مقدر میں لکھی گئی ہیں۔ آپ کو کوئی اور نہ پہلے ملنا تھا نہ بعد میں ملے گا۔ آپ کو دیکھ کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ موم ہوں یا نہ ہوں مگر ایمان علی نے آپ کے لیے کوئی ایسی دعا ضرور

کی ہے کہ وہ آپ کو پا لے گا۔ اب اس میں کتنا وقت لگے گا یہ خدا جانتا ہے۔

اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ وہ ڈاکٹر خورشید کو نہیں جانتی تھی مگر اس شخص کی زبان میں کچھ ایسا ضرور تھا جو دوسروں کو چونکا دیتا تھا۔ انہیں بے بس کرنا تھا پھر انہیں قائل کر دیتا تھا۔ وہ قائل نہیں ہوئی تھی مگر بے بس ضرور ہو گئی تھی۔



اس رات اس نے اپنی پوری زندگی کو ایک فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے سے گزرتے دیکھا۔ ہر یاد دہر تصور جہاں زیب پر آخر ختم ہو گیا تھا۔

کیا میرے لیے کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا ممکن ہے جب میں اپنا ہر خواب کسی دوسرے مرد کے حوالے سے دیکھ چکی ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی کو ایک دوسرے شخص کے حوالے سے دیکھا ہے۔ ایمان علی کو میں کیا دے پاؤں گی۔ میرے سارے لفظ، سارے حرف، سارے جذبے، سارے احساسات صرف جہاں زیب کے لئے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کے لیے تو میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔

اس کا دم گھٹنے لگا۔ ڈاکٹر خورشید کہتے ہیں اس نے مجھ سے اتنی محبت کی میرے لیے اتنی دعائیں کیں کہ خدا نے مجھے اس کے مقدر میں لکھ دیا۔ میں نے بھی تو جہاں زیب سے محبت کی تھی۔ بہت دعائیں مانگی تھیں پھر اللہ نے اسے میرے مقدر میں کیوں نہیں لکھا۔ ایمان علی تو مجھے ہر ایک سے مانگتا پھر رہا ہے۔ میں نے تو جہاں زیب کو صرف اللہ سے مانگا تھا۔

اس کا دم گھٹنے لگا۔ جس شخص کو میں نے چاہا وہ مجھے نہیں ملا تو پھر میں اس شخص

کو کیوں ملوں جو مجھے چاہتا ہے مگر مجھے اس شخص سے ایک بار بات کرنی چاہیے۔ مجھے دیکھنا چاہیے کتنی صداقت ہے اس کے لہجے میں۔

☆-----☆-----☆

وہ ڈاکٹر خورشید کے گھر اس سے ملنے گئی، وہ جتنی تخی سے اس سے بات کر سکتی تھی، اس نے کی مگر ہمتزلزل نہیں ہوا۔ اس نے ایمان کو اپنی منگنی کے بارے میں بتایا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ وہ اب بھی اسی طرح تھا۔ امید کو اس پر غصہ آیا۔ پھر اسے ایمان پر ترس آیا۔ اس کا دل چاہا وہ اس سے کہے اپنی زندگی میں مجھے شامل مت کرو۔ اپنی زندگی برباد مت کرو؛ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرو جس کی زندگی میں کوئی جہاں زیب نہ آیا ہو جو تمہاری محبت کا یقین کرے۔ تمہارے جذبوں کی قدر کرے۔ مگر میں وہ لڑکی نہیں ہوں۔

اس نے شرط رکھی تھی کہ وہ ایک سال تک اس سے ملے نہ کوئی رابطہ رکھے اور اسلامی تعلیمات پر کاربند رہے۔ اگر اس نے یہ شرط پوری کر دی تو وہ ایک سال بعد اس سے شادی کر لے گی۔

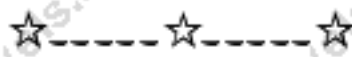
اس نے سوچا تھا، ایک سال تک ایمان علی کی محبت میں کمی ہو جائے گی۔ وہ اس کی نظروں سے ہٹ جائے گی تو شاید اس کے اس جنون میں بھی کمی ہو جائے۔ شاید وہ ان چیزوں پر غور کرنے لگے۔ جن پر وہ غور کر رہی تھی۔ ایمان علی نے اس کی شرط قبول کر لی تھی۔

ایک سال میں 365 دن ہوتے ہیں۔ 365 دن اگر کسی شخص کو دیکھا جائے نہ اس سے بات کی جائے نہ اس سے کوئی رابطہ کیا جائے تو محبت کم ہو جاتی ہے

میں بھی یہی دعا کروں گی کہ ایمان علی کے ساتھ ایسا ہی ہو۔

اس نے اپنے گھر والوں کو اپنے فیصلے کی اطلاع دیتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ بہت مطمئن ہو گئی تھی۔ اسے جہاں زیب کے الوژن کے ساتھ رہنے کے لیے ایک اور سال مل گیا تھا۔ ایک سال اور گزر جاتا۔ امی اس کے لئے کوئی رشتہ تلاش نہ کرتیں۔ ایک سال بعد وہ اٹھائیس سال کی ہو جاتی۔ تب ایمان کے انکار کی صورت میں امی کو ایک بار پھر سے اس کے لیے رشتے کی تلاش کرنی پڑتی۔ بڑھتی عمر کے ساتھ یہ خاصا دشوار ہوتا۔ شاید اس کی شاید نہ ہو سکے اور وہ اس عذاب سے بچ جائے۔

اس کی ہر توقع، توقع ہی رہی تھی۔ ایک سال کے دوران ہر بار گھر میں ایمان علی کا ذکر آنے پر وہ موضوع بدل دیتی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی اور کسی اور کام میں مصروف ہو جاتی۔ ایک سال کے دوران اسے کبھی اس کا خیال نہیں آیا تھا۔ اگر کبھی اس کا خیال آتا بھی تو ایک خوف کی طرح۔ ایک سال کے دوران بھی اس کے ذہن پر وہی ایک چہرہ چھایا رہا تھا جو پچھلے بہت سے سالوں سے اس کے دل و دماغ پر قابض تھا۔ ایک سال کے دوران بھی اس نے اپنے ارد گرد طہراتی پر چھاپوں میں جہاں زیب کوئی تلاش کیا تھا۔ اپنے ارد گرد کو سختی آوازوں میں اسی کی آواز ڈھونڈتی تھی۔



ایک سال پورا ہونے کا سب سے زیادہ انتظار امی کو تھا۔ وہ سال ختم ہونے سے چند ہفتے پہلے ہی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ امید کو یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی دھاگے کے ساتھ معلق تھی۔ وہ چاہتی تھی، ایمان علی مدت ختم ہو جانے کے بعد بھی ان سے دوبارہ کوئی رابطہ نہ کرے۔ اس کا خیال تھا۔ وہ رابطہ نہیں کرے گا

کیونکہ پورے ایک سال اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ سال ختم ہونے کے اگلے دن اسے کورئیر سروس کے ذریعے ایک کارڈ ملا تھا۔ کارڈ ہاتھ میں لیتے ہی اس کا سانس رک گیا تھا۔ لفافے کی پشت پر لکھا ہوا ایمان علی کا نام اسے کسی سانپ کے ڈنک کی طرح لگا۔ دم سادھے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے کارڈ کھول لیا۔

The year is over.

Iman Ali remains Iman Ali

What about your promise?

(سال ختم ہو چکا ہے اور ایمان علی اب بھی ایمان علی ہے۔ آپ کو اپنا وعدہ دیا دے؟)
اس کے ہاتھ سے کارڈ چھوٹ گیا۔ اس کا وعدہ اس کے گلے میں پھندہ بند کرانے لگا۔ کیا واقعی میں اس شخص کے مقدر میں ہوں تو پھر جہاں زیب عادل۔۔۔۔۔
اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

☆-----☆-----☆

سکتا ہے۔ بہت دیر بعد اس نے کہا تھا۔

☆-----☆-----☆

ایمان علی س کی زندگی میں آے والا عجیب ترین مرد تھا۔ اسے حیرت ہوتی
کیا کوئی مردانا کے بغیر ہو سکتا ہے اور ایمان علی ایسا ہی ایک مرد تھا۔ وہ کم گو اور ریزرو
تھا۔ اس کا اندازہ اسے شادی کے چند دن میں ہی ہو گیا تھا۔ اسے ایمان کی سرگرمیوں
اور مصروفیات پر حیرت ہوتی، گھر آفس جم اور پھر گھر۔۔۔ شادی کے تیسرے
چوتھے دن اس نے اپنی مصروفیات بتائی تھیں تو پر امید نے مسکرا کر کہا تھا۔
تم خاصے مطمئن اور خوش تھے اپنی زندگی سے۔ یہ شادی کہاں سے آگئی۔
اچھا نہیں تھا کہ تم یونہی رہتے۔۔۔ آزاد۔۔۔

ہاں۔ چھا ہوتا۔۔۔ اگر میں نے تمہیں دیکھا نہ ہوتا، تب شاید میرا
اطمینان ہمیشہ ایسے ہی برقرار رہتا۔ اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا تھا۔
وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ کھانا کھا رہا تھا۔
اگر میں تمہاری زندگی سے نکل جاؤں تو تمہیں کیا فرق پڑے گا ایمان؟
وہ کھانا کھاتے کھاتے رک گیا۔ میرے پاس ایسے کسی سوال کا جواب نہیں
ہے جو ممکن نہ ہو۔

دنیا میں سب کچھ ممکن ہوتا ہے۔

ہوتا ہوگا۔۔۔ مگر یہ نہیں۔ اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔ تم مجھے
چھوڑ کر اس وقت جاؤ گی جب میں تمہیں کوئی تکلیف دوں گا۔ مگر میں تمہیں کوئی تکلیف
نہیں دوں گا۔ اس لیے تمہارے چھوڑ کر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسے بے اختیار کوئی اور یا د آیا۔ وہ ڈاننگ ٹیبل سے اٹھ گئی۔
وہ اس کے ساتھ خوش نہیں تھی تو ناخوش بھی نہیں تھی۔ مگر ایمان علی کے وجود
نے جہاں زیب عادل کے الوژن کو ختم نہیں کیا تھا۔ ایمان علی ہر لحاظ سے جہاں زیب
سے بہتر تھا۔

مگر وہ جہاں زیب نہیں تھا۔ وہ امید سے محبت کا اظہار کرتا اور اسے جہاں
زیب یاد آنے لگتا۔ اس کے لہجے کی نرمی، اس کی مسکراہٹ، اس کی ہر بات اسے جہاں
زیب کی یاد دلاتی تھی۔ وہ سوچتی اگر میں ایمان علی کے ساتھ نہیں جہاں زیب کے
ساتھ ہوتی تو۔۔۔۔۔ تو کیا ہوتا کیا زندگی یک دم خوبصورت اور دنیا مکمل نہ ہو جاتی۔
ایمان علی کی محبت اور خلوص جہاں زیب کا متبادل نہیں ہو سکتا۔

☆-----☆-----☆

شادی کے ایک ہفتے کے بعد وہ اسے اپنے والدین سے ملوانے جرمنی لے کر گیا۔ وہ
اسکے والدین سے دو تین بار فون پر بات کر چکی تھی۔ وہ اس بات کا بھی اندازہ لگا چکی
تھی کہ ایمان اپنی ماں سے بہت اٹیچڈ تھا اور اس کی باتوں اور خیالات پر اس کی ماں
کے نظریات کی خاصی گہری چھاپ تھی۔ اسے پھر بھی اس بات پر حیرت تھی کہ ماں سے
اتنا متاثر ہونے کے باوجود اس نے کرپشن ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ باقاعدہ طور
پر کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے سے اس طرح اجتناب کیوں کیا۔ سیل سے مل کر اسے
خوشی ہوئی تھی۔ وہ واقعی بہت مختلف قسم کی عورت تھی۔ اس نے مغربی عورت کے بارے
میں جو کچھ سن رکھا تھا وہ اس کے برعکس تھی۔

مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا کہ ڈیٹیل نے شادی کر لی ہے اور تم واقعی اس

کی بیوی ہو۔ جرمنی پہنچنے کے دوسرے دن اس نے دوپہر کو لُنج کرتے ہوئے امید سے کہا۔ یہ تو اب شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا مگر میں خوش ہوں کہ اسے بالآخر ویسی بیوی مل گئی جیسی یہ چاہتا تھا۔

یہ کیسی بیوی چاہتا تھا؟ امید نے ایمان کو دیکھتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔
ایسی لڑکی جس کا کبھی کوئی بوائے فرینڈ نہ رہا ہو جو بہت مشرقی ہو بلکہ تنگ نظر اور قد امت پرست۔۔۔ یقیناً تم ایسے ہی کسی گھرانے سے تعلق رکھتی ہو گی جہاں آدمیوں سے زیادہ میل جول نہیں ہوتا ہو گا۔ مگر پھر ڈینیل سے تمہاری ملاقات کیسے ہو گئی؟ اور شادی۔۔۔ عجیب بات ہے۔ امید کے چہرے کی مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی۔

نہیں می۔۔۔ امید ایک ریسٹورنٹ میں کام کرتی تھی۔ میں نے اسے پہلی بار وہیں دیکھا۔ وہ مدھم آواز میں مسکراتے ہوئے ماں کو بتا رہا تھا۔
امید نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔

اور تمہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوا کہ یہ اس طرح کی جاب کر رہی ہے۔ می آپ میرے بارے میں کچھ زیادہ غلط سوچنے لگی ہیں۔ میں اتنا قد امت پرست بھی نہیں ہوں۔

اس نے ماں کی بات پر کچھ جھینپ کر امید کو دیکھا جو بے تاثر چہرے کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف تھی۔

کیوں امید کیا تمہارا کوئی بوائے فرینڈ نہیں رہا؟ سبل نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ امید سے پوچھا۔

امید کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

ممی پلیز۔۔۔ ایمان نے برق رفتاری سے احتجاج کیا۔

ارے اس میں ایسی کیا بات ہے؟ سبل نے کچھ حیرانی سے کہا۔

نہیں آپ اس بات کو چھوڑیں۔ آپ یہ بتائیں کہ یہ مچھلی آپ نے کیسے

پھائی ہے۔ مجھے پہلے تو کبھی آپ نے اس طرح کی ڈش نہیں کھلائی۔ وہ بڑی مہارت

سے موضوع بدل گیا۔

☆-----☆-----☆

تم جانتے تھے کہ میری مگنی ہوئی تھی۔ یہ جانتے ہو کہ میں آج تک جہاں زیب کو

بھانے میں کامیاب نہیں ہوئی پھر بھی مجھ سے شادی۔۔۔ تمہاری ممی کہہ رہی تھیں

کہ تم ایسی لڑکی چاہتے تھے جس کا کوئی بوائے فرینڈ نہ ہو پھر تمہیں اس بات پر اعتراض

کیوں نہیں ہوا کہ میرا ایک مگنیتر تھا جس سے میں بہت محبت کرتی ہوں۔ اس رات

امید نے سونے سے پہلے ایمان سے بات کرتے ہوئے اسے جتایا تھا۔

وہ تمہارا بوائے فرینڈ نہیں تھا۔ اس نے جیسے بحث شروع کرنے سے گریز

کیا۔

میرے لیے وہ کسی بوائے فرینڈ سے بڑھ کر تھا۔ اس نے بڑی بے خونی

سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

ایمان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کچھ کہے بغیر اس نے آنکھیں بند کرتے

ہوئے ٹیبل لیمپ آف کر دیا۔

میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ تمہیں مجھ پر اعتراض کیوں نہیں ہوا؟ امید نے

ڈھٹائی سے اپنی بات دہرائی۔

مجھے نیند آ رہی ہے امید۔ اپنی آنکھوں کو بازو سے ڈھکتے ہوئے اس نے

بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے بھی ٹیبل لیپ آف کر دیا۔ مائب

باب کی مدہم روشنی میں وہ بہت دیر کمرے کی چھت کو گھورتی رہی۔

اس شخص کی خواہش تھی کہ اس کی زندگی میں وہ لڑکی آئے جس نے اس سے

پہلے کسی سے محبت نہ کی ہو اور اس کی زندگی میں، میں آئی۔ امید عالم جس کی زندگی میں

جہاں زیب عادل کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ اسے بے اختیار ایمان پر ترس آ گیا۔

کیا یہ شخص اس طرح کے سلوک کا مستحق ہے جو میں اس کے ساتھ کرتی

ہوں۔ کیا اسے تکلیف نہیں ہوتی جب میں جہاں زیب کا نام اس طرح اس کے

سامنے لیتی ہوں۔ اور میں۔۔۔ میں یہ سب کیوں کرتی ہوں۔۔۔۔۔ جب میں اس

سے شادی کر چکی ہوں۔۔۔ اس کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں۔ اس شخص کے ساتھ

جو میری ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس نے اپنی زندگی بہت دیانت

داری سے گزارنے کی کوشش کی تھی۔ پھر میں یہ بات تسلیم کیوں نہیں کر لیتی کہ اب

میرے پاس اس شخص کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ شخص اتنے کا تو مستحق ہے

کہ میں اس کے جذباتوں کی قدر کروں۔ اس طرح اسے تکلیف پہنچا کر میں کون سے

جذبے کی تسکین چاہتی ہوں۔

وہ پتا نہیں کس رو میں آ کر سوچ رہی تھی۔ ذہنی ابتری کے جس طویل دور

سے وہ گزر رہی تھی ہ چند لمحوں کے لیے جیسے ختم ہو گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس نے

اپنے اندر کہیں سکون اور ٹھہراؤ محسوس کیا۔ بہت نرمی سے اس نے ایمان کی آنکھوں سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔
کیا واقعی سو گئے ہو؟

میں کوشش کر رہا ہوں۔ ایمان نے آنکھیں کھول کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔

بات بدلنے کے لیے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ وہ اب اطمینان سے اس کے کندھے پر سر نکالیں آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔
ایمان نے بہت حیرت سے اپنے کندھے پر ٹکے ہوئے اس کے سر کو دیکھا پھر اس کی نظر اپنے سینے پر دھرے اس کے ہاتھ پر گئی۔ وہ آنکھیں بند کیے پر سکون انداز میں سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ بے اختیار مسکریا۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر اس نے خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔

☆-----☆-----☆

اگلے کچھ دن اس نے پوری طرح جہاں زیب عادل کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ ایمان کے ساتھ اس کے مختلف فیملی ممبرز کے ہاں دعوتوں میں شرکت کرتی رہی۔ ہر جگہ اسے ایمان کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہوتا رہا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنی عادات کی وجہ سے اپنے خاندان میں خاصا پسند کیا جاتا تھا اور یہ پسندیدگی صرف اس کے لیے ہی نہیں بلکہ سبل اور پیٹر کے لیے بھی تھی۔ وہ اس کے ساتھ اپنے رشتے کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر سڑکوں پر چلتے ہوئے اس کی باتوں پر ہنستے ہوئے اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس نے ہر

بار جہاں زیب کے الوژن سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جرمنی میں قیام کے دوران اس نے ایمان کے ساتھ اپنی زندگی کی سیڑھی پر دوبارہ چڑھنے اور قدم جمانے کی کوشش کی۔۔۔۔۔ مگر وہ ایک بار پھر گری۔

☆-----☆-----☆

جرمنی سے واپس آنے سے دو دن پہلے وہ ایمان کے ساتھ کچھ شاپنگ کرنے گئی اور وہاں اسٹور پر شاپنگ کرتے ہوئے اس نے اچانک ایمان کو وہاں نہیں پایا۔ متلاشی نظروں کے ساتھ اس نے اسٹور کے ہر حصے میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ کچھ پریشان ہو کر کاؤنٹر پر آئی۔

آپ کے ساتھ جو آئے تھے وہ اپنے سویٹرز کی پے منٹ کر کے جا چکے

ہیں۔

کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی کی بات سن کر اس کے پیروں کے نیچے زمین نکل گئی۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔ وہ ہاں جاسکتے ہیں۔ وہ شوہر ہے میرا اور۔۔۔۔۔

تو پھر آپ انتظار کریں شاید وہ کسی ضروری کام سے باہر گئے ہوں۔

اس لڑکی نے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اسے سمجھایا۔ وہ کچھ کہے بغیر

اسٹور کے دروازے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ شاپنگ مال سے گزرتے ہوئے لوگوں کی

بھینر میں وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ وقت بہت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا اور اس کی بے

چینی اور اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس طرح مجھے چھوڑ کر وہ کیسے جاسکتا ہے؟ اس

کے ہاتھ اب کاٹنے لگے تھے۔ اس نے گھر کا ایڈریس یاد کرنے کی کوشش کی مگر وہ نام کام

رہی۔ جرمن زبان میں گھر کے دروازے پر لکھا ہوا پتا وہ کسی طرح بھی یاد نہیں کر پائی

تھی۔ اس کے پاس پرس نہیں تھا وہ بالکل خالی ہاتھ تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دس منٹ گزر گئے۔ وہ نہیں آیا۔

امید نے خود کو اسی خوف کی گرفت میں پایا جس نے پانچ سال پہلے اس رات اپنی گرفت میں لیا تھا۔ جب جہاں زیب کے جانے کے بعد وہ گیٹ پر آئی تھی۔ اسے اپنا آپ ایک بار پھر کسی اندھے کنویں کی تہہ محسوس ہونے لگا تھا۔

کیا ایمان مجھے جان بوجھ کر چھوڑ کر چلا گیا ہے؟ مگر کیوں۔۔۔۔ میں یا کروں گی۔۔۔۔ یہاں اس طرح۔۔۔۔ خالی ہاتھ۔۔۔۔ مگر میں نے ایمان کے ساتھ ایسا کیا کیا ہے کہ وہ یوں کرے گا۔ میں اس کی بیوی ہوں، کوئی بیوی کو اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ مگر شاید وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ جہاں زیب بھی تو چلا گیا تھا۔

وہ بے اختیار اسٹور سے باہر نکل آئی۔ پاگلوں کی طرح لوگوں کی بھیڑ کاٹتے ہوئے وہ ایک ایک چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اپنے آگے چلتا ہوا ہر شخص اسے ایمان لگ رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ شاپنگ مال کے کس حصے میں پہنچ چکی تھی۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ وہ اسے نہیں ملا تھا۔ اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ اپنے پاس سے گزرتی ہوئی ایک عورت کو روک کر اس نے انگلیوں میں اپنا مسئلہ بتایا تھا۔ اس عورت کے بجائے اس کے ساتھ چلنے والے ایک آدمی نے اسے پبلک ایڈریس سسٹم پر ایمان کو توجہ کرنے کے لیے کہا۔ وہ انتظامیہ کے آفس کارسٹہ نہیں جانتی تھی۔ وہ شخص اور اس کی ساتھی عورت اسے وہاں تک چھوڑ گئے۔ آفس میں موجود ایک لڑکی اور دو آدمیوں نے بڑی ہمدردی سے اس کی بات سنی اور پھر بڑے معمول کے انداز میں

اسے تسلی دینے کے بعد پبلک ایڈریس سسٹم پر ایمان علی کا نام دہرانے لگے۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ ان لوگوں کو دیکھتی رہی۔

یہاں اکثر لوگ ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایسی پریشانی کی بات نہیں۔

اعلان کرنے کے دوران اس لڑکی نے شاید اس کے نق چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے تسلی دی۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی یہاں وہی لوگ ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیتے ہوں گے جو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہوں گے اور اگر کوئی جان بوجھ کر کسی کو۔۔۔۔۔

لڑکی ایک بار پھر ایمان کے نام پیغام دے رہی تھی۔ اسے اپنا پورا وجود بہت سرد محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے بعد اب آگے مجھے کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔ یہاں سے پاکستان ایمپرسی فون کروں۔ انہیں بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ پھر وہ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کریں اور ڈھونڈنے کے بعد بھی کیا ہوگا اگر اس نے میرے ساتھ اپنی شادی سے انکار کر دیا اس نے کہا کہ وہ مجھے رکھنا نہیں چاہتا تو۔۔۔۔۔ تو کیا ہوگا۔ میں واپس کیسے جاؤں گی اتنی بے عزتی کے ساتھ۔۔۔۔۔

اسے اپنا پورا وجود کسی آکٹوپس کی گرفت میں محسوس ہو رہا تھا۔ پہلے جہاں زیب۔۔۔۔۔ اب ایمان۔ میں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے کہ مجھے اس طرح سزا مل رہی ہے۔ آخر میں نے اس شخص سے کیوں شادی کی۔ مجھے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ڈاکٹر خورشید۔۔۔۔۔ وہ غلط کہتے تھے۔ وہ بھی اس شخص سے دھوکا کھا گئے۔ اسے اپنا جسم پتھر کی طرح بھاری لگنے لگا تھا۔

اعلان کرتے ہوئے پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ وہ نہیں آیا تھا۔ لڑکی نے اب اعلان کرنا بند کر دیا۔

آپ اب گھر چلی جائیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہاں سے جا چکے ہوں۔ اس لڑکی نے کہا۔ وہ گم صم اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اس لڑکی کو بتا نہیں پا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ تب ہی کوئی ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا اور امید کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس کا دل چاہا تھا وہ ایمان کو اتنا مارے اور اتنی بری طرح مارے کہ وہ

وہ۔۔۔۔۔ وہ بے اختیار اس کی طرف آیا تھا۔ وہ نہیں جانتی اسے یک دم کیا ہوا۔ وہ بس اس پر چلا نے لگی تھی۔ پھر اسے بے تحاشا رونا آیا۔ ایمان فٹ چہرے کے ساتھ اسے رونا دیکھتا رہا۔ بہت دیر وہ اس سے معذرت کرتا رہا مگر وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں تھی۔

مجھے اب تمہارے ساتھ نہیں جانا۔ پاکستان جانا ہے، مجھے اپنا پاسپورٹ چاہیے۔ وہ روتے ہوئے صرف ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی وہ اس کے رونے سے زچ ہوا یا اس کی باتوں سے مگر بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھے رہنے کے بعد وہ یک دم چلا آیا تھا۔

میں تمہارا منگیتر نہیں ہوں کہ تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔ اسے یقین نہیں آیا کہ یہ لفظ ایمان نے اس سے کہے تھے۔

کیا یہ شخص اب مجھے جہاں زیب کے حوالے سے طنز کا شکار بنائے گا۔ وہ یک دم رونا بھول گئی۔ اب چلیں؟ وہ اسی طرح بلند آواز میں

چلایا۔ کچھ کہہ بغیر اس کے آگے چلتے ہوئے وہ کمرے سے باہر آ گئی۔

میں اپنے ایک کزن کو دیکھ کر شاپ سے نکلا تھا۔ چند منٹ لگے مجھے اس سے باتیں کرتے اور تم وہاں سے غائب ہو گئیں۔ یہ مانتا ہوں مجھے وہاں سے اس طرح تمہیں بتائے بغیر نہیں جانا چاہیے تھا مگر تمہیں بھی وہیں رک کر میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے تمہاری وجہ سے میں کتنا پریشان ہوا ہوں اور اب بچوں کی طرح تم نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ میں تمہیں چھوڑ کر کیوں جاؤں گا وہ بھی اس طرح۔۔۔۔۔

اس کے ساتھ چلتے ہوئے اب وہ وضاحتیں دے رہا تھا مگر وہ اس کی کسی بات کو نہیں سن پارہی تھی۔ اس کے ذہن پر ابھی بھی کچھ دیر پہلے کا جملہ سوار تھا۔ یہ شخص کون ہوتا ہے مجھے جتانے والا کہ میرا منگیتر مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ آخر اسے یہ بات کہنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔

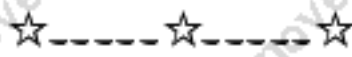
اس کی وضاحتیں صرف وہیں نہیں گھر آ کر بھی جاری تھیں اور شاید اس کی خاموشی اسے پریشان کر رہی تھی۔ اس لیے وہ ایکسکیوز کرتا رہا تھا مگر وہ بالکل خاموش ہو رہی اسے اس سے پہلے کبھی وہ اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا اس وقت لگا تھا۔ اسے رات بہت دنوں کے بعد ایک بار پھر وہ جہاں زیب کے الویژن کا شکار ہوئی تھی۔ اسے وہ بے تحاشا یاد آیا۔ ایمان علی کبھی بھی جہاں زیب نہیں بن سکتا۔ رات تین بجے تک جاگتے رہنے پر اس نے بیڈ کے دوسرے کونے میں گہری نیند سوئے ہوئے ایمان علی کو دیکھ کر اپنے گیلے چہرے کو صاف کرتے ہوئے سوچا۔ الویژن کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔



جرمنی سے واپس آنے کے بعد وہ ایک ہفتے کے لیے راولپنڈی رہی۔ ایمان اس دوران اسے باقاعدگی سے فون کرتا رہا۔ یہاں آ کر اسے احساس ہوا تھا کہ اس کی زندگی اور مستقبل اب کس حد تک ایمان سے وابستہ ہو چکا تھا۔ وہ کسی طور بھی اس سے الگ نہیں ہو سکتی تھی۔ گھر میں ہر ایک کی زبان پر ایمان کا ذکر تھا۔ امید کی کوئی بات ایمان کے حوالے کے بغیر نہیں کی جاتی تھی۔ اس کی امی اس کے بھائی، اس کی بہن اسے ان کی باتیں سن کا احساس ہوتا تھا کہ ایمان اس گھر اور اس کی زندگی کے لیے کتنی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔

اور میں کتنی دیر اس طرح ماریں رہ کر زندگی گزار سکتی ہوں۔
اس نے بے بسی سے سوچا۔

ایک ہفتے کے بعد وہ اسے لینے آیا تھا اور وہ خاموشی کے ساتھ بالکل مارل طریقے سے کسی خفگی کا اظہار کیے بغیر اس کے ساتھ چلی آئی۔ ایمان آفس جوائن کر چکا تھا۔ آفس سے آنے کے بعد وہ باقاعدگی سے رات کو ڈاکٹر خورشید کے پاس جایا کرتا تھا۔ امید کو حیرانگی ہوتی کہ وہ ان کے پاس کس لیے جاتا تھا اور پھر اس طرح باقاعدگی سے۔ ان دونوں کے تعلقات آہستہ آہستہ پھر اچھے ہو گئے تھے۔ مگر جہاں زیب کا الوژن ابھی بھی اس کی زندگی سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ جب وہ اس کے حواس پر سوار ہوتا تب سے دوسرا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اگلے چند ماہ بعد اس نے اپنی زندگی میں ایک اور نیا موڑ دیکھا تھا۔



میرا بچہ۔۔۔۔۔؟ اس نے ڈاکٹر کی بات سن کر بے یقینی سے کہا تھا اور پھر گھبرانے تک وہ اسی بے یقینی کا شکار ہو رہی تھی۔ اور یہ کیفیت اگلے کئی دن رہی مگر ایمان کا رد عمل بالکل مختلف تھا۔ وہ بہت خوش تھا اس نے جرمنی فون کر کے اپنے والدین کو بھی اس بارے میں بتا دیا تھا۔ غیر محسوس طور پر ان کیدر میان ہونے والی گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔ اب ان کے پاس بات کرنے کے لیے صرف ایک ہی موضوع تھا۔ باقی ہر چیز جیسے یک دم پس منظر میں چلی گئی تھی۔ حتیٰ کہ جہاں زیب بھی۔ ساڑھے پانچ سال بعد پہلی بار اس نے خوشی کو محسوس کیا تھا۔ پہلی بار اس نے دنیا کو ایک بار پھر سے رنگین ہوتے دیکھا۔

میں ایمان اور اپنے بچے کے ساتھ بہت خوش رہ سکتی ہوں۔ شاید میں سب کچھ بھول جاؤں گی۔

اپنا وہ ماضی جس سے میں آج تک جان نہیں چھڑا سکی جو ایک ہولناک بھوت کی صورت میں میرے تعاقب میں رہتا ہے۔
اسے بعض دفعہ ہنسی آتی۔

واقعی ایمان مجھے کہاں چھوڑ سکتا تھا اور اب تو شاید کبھی بھی نہیں اور میں میں ہر وقت اس بے یقینی سے دوچار رہتی تھی کہ وہ مجھے چھوڑ سکتا ہے۔ میرے سارے خدشات کتنے بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔

واہ اپنی ہر پرانی سوچ کو ذہن سے جھٹکنے لگی۔

ہاں مجھے اب سب کچھ بھلا کر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا چاہیے۔
اپنے وہموں کو ہمیشہ کے لیے دفنا دینا چاہیے۔

اسے ہر چیز اچھی لگنے لگی تھی۔ اپنا گھر ایمان۔۔۔۔۔ ایمان کے لیے کام کرنا۔۔۔۔۔ اس کے آفس چلے جانے کے بعد دو تین بار فون پر اس سے بات کرنا۔ رات کو اس کے ساتھ ڈرائیو پر جاتے ہوئے مستقبل کے بارے میں منصوبے بنانا، زندگی جیسے اس کے لئے نئے سرے سے شروع ہوئی تھی اور وہاں دور دور تک کسی جہاں زیب عادل کا سا نہیں تھا اور شاید یہ اس کی بھول تھی۔

☆-----☆-----☆

اس رات وہ ایمان کے ساتھ ایک ہوٹل میں کھانا کھانے گئی۔ کھانا کھانے کے بعد واپس آتے ہوئے ہوٹل کی انٹرفس پر اس نے جس شخص کو دیکھا تھا اس کے وجود نے اسے مجسمہ کر دیا تھا۔ وہ ہر چہرے کو فراموش کر سکتی تھی مگر اس چہرے کو نہیں۔ اسے لگا ہوا ایک بار پھر کسی الوژن کے حصا میں تھی۔ اس بار کچھ بھی الوژن نہیں تھا۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ ہنستا ہوا سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کی طرف آ رہا تھا۔ پھر جہاں زیب نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس کے پاؤں بھی ساکت ہوئے پھر وہ تیزی کے ساتھ اس کے پاس سے گزر گیا۔ امید کا دل چاہا وہ بھاگ کر اس کے پیچھے چلی جائے اس لڑکی کو اس کے پہلو سے ہٹا کر خود اس کی جگہ لے لے۔

وہ نہیں جانتی ایمان اس وقت اسے کن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا وہ ساڑھے پانچ سال پہلے کے اس جنگل میں ایک بار پھر پہنچ گئی تھی۔ جہاں زیب کے علاوہ دنیا میں اب بھی کچھ نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی خالی تھے۔ زندگی اب بھی ایک کشکول تھی۔ وہ ہال میں کہیں گم ہو چکا تھا۔ اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے ایک دم اپنے کندھے پر ہلکا سا دباؤ محسوس ہوا۔ وہ جیسے یک دم اپنے حال میں لوٹ

آئی تھی۔ گردن موڑ کر اس نے ایمان کو دیکھا۔ اس کے کندھے پر اس کا ہاتھ تھا۔
جہاں زیب؟ اس نے ایمان کے منہ سے صرف ایک لفظ سنا۔ ہوٹل کے بند
دروازے کو دیکھتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایمان یک دم کچھ کہے بغیر تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ اس نے بے چینی
سے اے جانا دیکھا اور اسے احساس ہو گیا کہ ایمان کو کیا ہوا ہے۔ ہوٹل کے دروازے
سے نظر آنے والے لوگوں کی چہل پہل پر آخری نظر ڈالتے ہوئے وہ اس کے پیچھے
سیڑھیاں اتر گئی۔

ایمان گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ امید کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی
چلا دی۔ وہ بہت محتاط ڈرائیونگ کرتا تھا۔ پہلی بار وہ اسے اتنی ریش ڈرائیونگ کرتے
ہوئے دیکھ رہی تھی۔ تین جگہ اس نے سگنل توڑا دو بار اس نے غلط ٹرن لیا۔ دو بار اس
نے غلط طرح سے اوور ٹیک کیا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ مگر اس کی ہر حرکت سے اس
کا اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ امید کو احساس ہو رہا تھا کہ اس طرح بے اختیار ہو کر اس
نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ میں گھر جا کر اس سے معذرت کروں گی۔ کوئی بہانا بنا دوں
گی۔ اس نے خود کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

گھر پہنچ کر اس سے بات کرنے کی کوشش بری طرح ناکام رہی تھی۔ وہ اس
کا ہاتھ جھٹک کر کوئی معذرت سننے بغیر اسٹڈی میں چلا گیا۔ وہ پریشانی کے عالم میں بیڈ
روم میں بیٹھ گئی۔ بہت عرصے کے بعد اس نے خود کو اس طرح بے بس محسوس کیا تھا۔ وہ
ایمان سے محبت نہیں کرتی تھی مگر اس کے باوجود اس سے معذرت کرنا چاہتی تھی کیونکہ
وہ اس کا شوہر ہے۔ اس کے بچے کا باپ تھا۔ وہ اس کے ساتھ اپنے کسی رشتے کو اس

اسٹیج پر ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ختم کر رہی نہیں سکتی تھی۔

بہت دیر بعد وہ اٹھ کر اسٹڈی میں گئی۔ ایمان کمپیوٹر پر اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ ایک بار پھر اس نے ایمان سے معذرت کرنے کی کوشش کی مگر وہ یک دم بھڑک اٹھا تھا۔

جب تم یہ جانتی ہو کہ تم ایک غلط کام کر رہی ہو تو کیوں کر رہی ہو؟ ایک ایسے شخص کے لیے جس نے نو سال تمہیں اپنی منگیتر رکھنے کے بعد بھی تم سے شادی نہیں کی، اس کے لیے کیوں پریشان ہو تم؟ جو شخص تم سے محبت نہیں کرتا اس کے پیچھے کیوں بھاگتی ہو۔ جس شخص نے تمہیں دھوکا دیا۔۔۔۔۔

اس نے مشتعل ہو کر ایمان کی بات کاٹی۔

اس نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے اسے دھوکا دیا ہے۔ اس نے مجھے نہیں چھوڑا میں نے اسے چھوڑا ہے۔

وہ اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنے اشتعال میں تھی کہ رکے بغیر وہ اسے سب کچھ بتاتی گئی۔

جہاں زیب سے زیادہ کسی شخص کے احسان نہیں ہیں مجھ پر۔ لیکن اس کی جو قیمت وہ چاہتا تھا میں وہ نہیں دے سکتی تھی۔ میں نے اس سے بہت محبت کی تھی۔ نو سال بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے مگر محبت کے باوجود میں اس کی بات نہیں مان سکتی تھی۔ میں خوفزدہ ہو گئی تھی۔ میرے باپ نے سولہ سال میرے کانوں میں اتنی نصیحتیں ٹھونس دی تھیں کہ میں کچھ اور سننے کے قابل ہی نہیں رہی۔ تم جو آیات سناتے ہو مجھے، میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جب تم آزمائش میں پڑو گے تب تمہیں احساس ہو کہ

Morality کس تیز دھار خنجر سے کم نہیں ہوتی۔

میں نے خود اپنے ہاتھوں اپنی ہر خوشی کو آگ لگائی ہے۔ اس واقعہ کے بعد چار سال میں نے کیسے گزارے ہیں مجھے یاد نہیں ہے۔ میں نے کیا کھایا، کیا پہنا، کہاں گئی مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میرے ہر طرف جہاں زیب تھا اس کے علاوہ مجھے کوئی دوسرا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی آواز کے علاوہ مجھے کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ چار سال مجھے سمجھ نہیں آئی۔ میں نے کیا کیا؟ کیوں کیا؟ ٹھیک کیا یا غلط کیا۔ میں نے اپنا ہر خواب اس شخص کے حوالے سے دیکھا تھا اور پھر وہ میری زندگی سے نکل گیا۔ تم کہتے ہو میں اس کے لیے کوئی پریشان ہوں۔ کیوں ٹھٹھک جاتی ہوں اسے دیکھ کر۔ میرے اختیار میں نہیں ہے کچھ بھی۔ مجھے اس شخص سے کتنی محبت ہے تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے مگر پھر بھی میں نے اس کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ مجھ سے ایک غلط کام کروانا چاہتا تھا۔ مگر مجھے اس سے نفرت نہیں ہوئی۔ مجھے اس سے کبھی نفرت نہیں ہو سکتی۔

وہ روتے ہوئے اسے سب کچھ بتاتی رہی وہ اب اس کے آنسو پونچھ رہا تھا اسے تسلی دے رہا تھا۔



اگلے بہت سے دن ان کے درمیان ایک عجیب سی دیوار حائل رہی۔ ایمان ایک دم بہت زیادہ سنجیدہ اور خاموش ہو گیا تھا۔ امید کے ساتھ اس کے رویے میں تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح اب بھی اس کا بہت خیال رکھتا تھا مگر امید کو محسوس ہونا جیسے وہ کسی بے چینی کا شکار ہے۔ وہ اس سے اس بے چینی کی وجہ پوچھنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کا تعلق خود اس کی ذات سے ہے۔ اسے کچھتاوا ہونا کہ اس نے ایمان کو ہر بات سے آگاہ کیوں کیا۔۔۔۔۔ یہ ضروری نہیں تھا۔ بعض دفعہ وہ شرمندگی بھی محسوس کرنے لگتی۔

ان ہی دنوں اس کے بھائی کی شادی طے ہو گئی۔ وہ شادی میں شرکت کے لیے راولپنڈی چلی آئی۔ ایمان لاہور میں ہی تھا۔ وہ وہ ہفتے وہاں رہی اور ان دو ہفتوں میں ایک بار پھر اسے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ وہ اپنے گھر کی عادی ہو چکی ہے۔ کہیں اور رہنا اب اس کے لیے مشکل ہے۔ اور وہ صرف گھر کی کمی کو محسوس نہیں کر رہی تھی۔ ایمان کو۔۔۔۔۔ بھی اتنا ہی مس کر رہی تھی۔ وہ شادی میں شرکت کے لیے راولپنڈی آیا امید کو تب بھی وہ بہت سنجیدہ لگا تھا۔ اس کی اس خاموشی اور سنجیدگی کو سب

نے ہی محسوس کیا تھا۔ امید کا اضطراب اور بڑھ گیا۔

لاہور واپسی کے بعد دن اپنی مخصوص رفتار سے گزرنے لگے۔ ایمان ڈاکٹر خورشید کے پاس اب پہلے سے زیادہ وقت گزارنے لگا تھا۔ یہ اس کی روٹین میں آنے والی واحد تبدیلی تھی جن اکا دکا پارٹیز میں وہ امید کو لے کر جایا کرتا تھا اب وہاں بھی اسے لے کر نہیں جایا کرتا تھا۔ پہلے کی طرح اس سے محبت کا اظہار بھی نہیں کیا کرتا تھا۔ اس کا سوشل سرکل کچھ اور بھی محدود ہو گیا تھا۔ امید کو بعض دفعہ اس کی سرگرمیوں پر حیرت ہوتی۔ اس نے کبھی کسی شخص کو اس طرح محدود زندگی گزارتے نہیں دیکھا تھا۔ بعض دفعہ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا نیوکلیئس صرف گھر ہے۔ دوسری کسی چیز میں اسے کوئی دلچسپی ہے ہی نہیں۔ وہ گھر کے لیے اکثر کچھ نہ کچھ خرید کر لاتا۔ آنے والے بچے کے لیے کچھ نہ کچھ لاتا رہتا۔ اسے حیرانی نہیں ہوتی۔ وہ جانتی تھی بعض حوالوں سے وہ بہت جذباتی ہے اور اپنے بچے کا حوالہ بھی انہی حوالوں میں سے ایک تھا۔ وہ خود کو محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔ آنے والا بچہ اس کے بہت سے خدشات کو ختم کر دینے والا تھا۔

مجھے کمپنی کے کسی کام سے جرمنی جانا ہے۔ اس رات وہ امید کو بتا رہا تھا۔

ایک دو ہفتہ لگے گا۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ تم یہاں اکیلی کیسے رہ پاؤ گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم راولپنڈی چلی جاؤ۔

نہیں میں اکیلی رہ سکتی ہوں۔ ایسا کوئی پر اہم نہیں ہے۔

نہیں پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم راولپنڈی چلی جاؤ۔ اب تمہارے لیے

اکیلے رہنا مناسب نہیں ہے۔ ایمان نے ایک بار پھر اصرار کیا مگر اس نے دوبارہ انکار

کر دیا۔

میں رہ سکتی ہوں۔ صرف ایک دو ہفتے کی بات ہے پھر تم واپس آ جاؤ گے۔

ایمان کے بہت زیادہ اصرار کے باوجود وہ راولپنڈی جانے پر تیار نہیں ہوئی

۔ ایمان کچھ مراض ہو گیا تھا۔

دو تین دن وہ اپنے کچھ کاموں میں مصروف رہا پھر اس کی روانگی کا دن آ گیا

۔ تمہیں ایئر پورٹ جانے کی ضرورت نہیں۔ ڈرائیور مجھے چھوڑ دے گا۔ اس نے اپنا

بریف کیس چیک کرتے ہوئے امید سے کہا۔

نہیں میں ایئر پورٹ تک جانا چاہتی ہوں۔ امید نے اصرار کیا۔

رات ہو رہی ہے۔ واپسی پر اور بھی دیر ہو جائے گی۔ تم مجھے یہیں خدا حافظ

کہہ سکتی ہو۔ وہ اب بھی دراز میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ امید خاموشی سے اسے دیکھتی

رہی۔ وہ اب صابر کو اپنا سامان اٹھانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ صابر اس کے بیگز اٹھا کر

کمرے سے باہر نکل گیا۔

ایمان اپنا بریف کیس اٹھا کر کھڑا ہوا اور امید کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اسے

ہولے سے اپنے ساتھ لگانے کے بعد وہ اسی طرح اپنا بازو اس کے کندھے پر

پھیلائے باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ لاؤنج میں آ گیا۔

اپنا خیال رکھنا۔ میں فون کرتا رہوں گا۔

لاؤنج کے دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے امید کو تاکید کی۔ اس نے

مسکرا کر سر ہلا دیا۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ امید وہیں لاؤنج کے دروازے میں

کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اس نے بریف کیس اندر رکھا

کرنے سے باوجود بھی موبائل پر رابطہ نہیں ہو سکا۔ اس کا موبائل مسلسل آف تھا۔ اس نے تنگ آ کر ایمان کے والدین کے گھر فون کیا۔ وہاں سے بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ اسے اچانک خیال آیا کہ ایمان کا اپنے آفس سے یقیناً رابطہ ہوگا اور ان کے پاس ایمان کا کانٹیکٹ نمبر ضرور ہوگا۔ اس انتظار کے عالم میں ایمان کے آفس فون کیا۔

یہاں کوئی ایمان علی کام نہیں کرتے۔

ٹیلی فون آپریٹر نے اس کی انکوئری کے جواب میں کہا۔ وہ دھک سے رہ گئی۔ بے یقینی کے عالم میں اس نے آپریٹر کو ایمان کے عہدے کے بارے میں بتایا۔ نہیں۔۔۔ اس عہدے پر ایمان علی کام نہیں کرتے بلکہ ہماری کمپنی میں ایمان علی نام کا کوئی شخص نہیں ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ آپریٹر سے کیا کہے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا ایمان اسی کمپنی میں اسی عہدے پر کام کرتا تھا۔ وہ کبھی اس کے آفس نہیں گئی تھی اور نہ ہی اس نے۔۔۔ کبھی اس کے آفس کال کیا وہ اگر کبھی اسے کال کرتی تو اس کے موبائل پر اور اب یہ عورت کہہ رہی تھی کہ وہ وہاں کام نہیں کرتا۔ یک دم اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

آپ آپ ڈیٹیل ایڈگر کو جانتے ہیں؟

ہاں جس پوسٹ کی آپ بات کر رہی ہیں اس پر ڈیٹیل ایڈگری کام کرتے ہیں۔ اس بار آپریٹر نے جواب دیا۔ اس کے ذہن میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلے کچھ عرصہ سے ایمان اسے یہ بتاتا رہا تھا کہ وہ آفس میں سب کو

اپنے مذہب کی تبدیلی سے آگاہ کر چکا ہے۔ اور اپنے نئے نام کے بارے میں بھی بتا چکا ہے اور وہاں اب اس کا نیا نام ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی خطرے سے آگاہ کرنے لگی۔

ہاں ٹھیک ہے۔ آپ ڈیلیل ایڈگر کا کانٹیکٹ نمبر دے دیں جرمنی میں جہاں وہ کمپنی کے کام سے گئے ہیں۔

کمپنی کے کام سے؟ مگر تو تقریباً تین ہفتے پہلے ریزائن کر چکے ہیں۔ ان کی کچھ چھٹیاں باقی تھیں اور آفیشلی وہ اس وقت چھٹی پر ہیں لیکن وہ انفارم کر چکیہ یں کہ چھٹی پوری ہونے کے بعد وہ دوبارہ جوائن نہیں کریں گے۔ وہ اور ان کی گرل فرینڈ دونوں نے اکٹھے جاب چھوڑی ہے۔

اسے پہلی بار احساس ہوا پیروں کے نیچے سے زمین کس طرح نکلتی ہے۔ ریسورس کے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔ گرل فرینڈ؟ اس کے حلق سے پتہ نہیں کس طرح آواز نکلی۔

ہاں وہ سیکرٹری تھیں ان کی لیکن جرمنی۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے وہ جرمنی نہیں امریکا۔ گئے ہیں کیونکہ انہوں نے ویزہ کے لیے اپلائی کیا تھا۔ میں ہی امریکن ایمبیسی میں ان کے لیے کال ملاتی رہی تھی۔

وہ لڑکی اسے ساری معلومات فراہم کرتی جا رہی تھی۔ امید نے بات سنتے سنتے فون بند کر دیا۔

ایمان میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتا ہے۔ وہ اس طرح تو نہیں کر سکتا۔ وہ بہت دیر تک شک کی حالت میں بیٹھی رہی پھر بے اختیار اٹھ کر ایمان کی وارڈروب کی

طرف چلی گئی۔ ایمان کی تمام چیزیں وہاں تھیں۔ اس نے خود کو کچھ تسلی دینے کی کوشش کی۔ دراز میں اس کی چیک بک بھی پڑی ہوئی تھی۔ کچھ مقامی اور غیر ملکی کرنسی بھی تھی۔

اس نے باری باری تمام دراز کھولنے شروع کر دیے۔ سب سے نیچے والی دراز کھولتے ہی وہ ساکت رہ گئی۔ وہ دراز خالی تھا۔ ایمان اس میں اپنے تمام ڈاکومنٹس رکھتا تھا۔ وہ بھاگی ہوئی اسٹڈی میں چلی گئی۔ اسٹڈی کی تمام درازوں میں سے بھی اس کے ضروری کاغذات غائب تھے۔ بیڈروم میں واپس آ کر فٹ چہرے کے ساتھ اس نے بینک نوٹ کیا۔ ایمان اپنا اکاؤنٹ بند کروا چکا تھا۔ اس نے امریکی ایمپلی نوٹ کیا وہاں سے اسے معلوم ہو گیا کہ ایمان کو کچھ مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے ویزا جاری کیا گیا۔ وہ اس کی زندگی کا سب سے بھیا نک اور ہولناک دن تھا۔

چند گھنٹوں میں وہ ایک بار پھر آسمان سے زمین پر آ گئی تھی۔ شاید زمین پر نہیں پاتاں میں۔۔۔۔۔

اس بار ذلت اور رسوائی اس کے تعاقب میں تھے۔ اس نے ان تمام لوگوں کو فون کر کے اس کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی جو ایمان کو جانتے تھے اور جن سے وہ مل چکی تھی۔ ایمان کسی کو بھی کچھ بتا کر نہیں گیا۔ کراچی میں ایمان کے ایک دور پار کے انکل بھی کسی کمپنی میں پوسٹڈ تھے۔ وہ بھی ایمان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ سعود کے علاوہ کسی دوسرے کو اس کے مذہب کی تبدیلی کا پتا نہیں تھا اور ایمان پچھلے کچھ عرصے سے اسے بتا رہا تھا کہ وہ سب کو اس بارے میں بتا چکا ہے حتیٰ کہ اپنے انکل کو بھی۔۔۔۔۔ مگر اس کے انکل نے اس کے سوالوں پر حیرت کا اظہار کرتے

ہوئے اس کے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

ڈیلیل نے بتایا تھا کہ تم دونوں نے آپس میں کوئی ایڈجسٹ منٹ کی ہے کہ

تم دونوں اپنے اپنے مذہب پر کاربند رہو گے۔

اس نے فون بند کر دیا۔ ایمان مالک مکان کو بھی انفارم کر چکا تھا کہ اس ماہ

کے بعد وہ مکان خالی کر دے گا۔ پورچ مین کھڑی ہوئی گاڑی کمپنی کی دی ہوئی تھی۔

گھر میں موجود سارا سامان بھی مالک مکان کی ملکیت تھا۔ پھر اس کے پاس کیا رہا تھا۔

لیکن ایمان نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟ وہ اپنے ماؤف ذہن سے

صرف ایک ہی بات سوچ رہی تھی۔ وہ ساری رات جاگتی رہی۔ آگے اسے کیا کرنا

چاہیے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ میں کس طرح راولپنڈی جا کر اپنے گھر والوں کو

بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ ذلت کے کس پاتال میں جاگری ہوں۔ مسلمان سمجھ کر

ایک یہودی کے ساتھ زندگی گزارتی رہی ہوں اور جس بچے کی ماں بننے والی ہوں وہ

۔۔۔ اوہ خدایا۔۔۔ میں زندگی میں کتنی بار منہ کے بل گروں گی۔ آخر اور کتنی بار۔۔۔

میں نے زندگی میں ہر بار گناہ سے بچنے کی کوشش کی ہے ہر بار۔۔۔۔۔ اور اس کا صلہ

مجھے ایمان علی کی صورت میں ملا۔۔۔۔۔ مجھ سے غلطی کہاں ہوئی میں کو سی سیڑھی سے

گری ہوں۔

اسے یاد آیا وہ جرمنی جانے سے کچھ دن پہلے امریکہ میں ہونے والے

یہودیوں کے کسی سالانہ اجتماع کا ذکر کر رہا تھا۔ جس میں پیٹرک جانا چاہتا تھا۔ اسے

اب معلوم ہوا تھا کہ وہ خود وہاں گیا تھا۔ اس نے امید کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے گھر چلی

جائے۔ شاید وہ یہ اس لیے چاہتا تھا کہ وہ گھر خالی کر سکے۔ جانے سے پہلے اس کا

عجیب سے انداز میں اس کے سامنے کھڑے ہو جانا کیا وہ اس وقت یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر جا رہا ہے مگر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسے امید سے کہنا چاہیے تھا کہ وہ اسے چھوڑنا چاہتا تھا۔ اسے بتانا چاہیے تھا کہ اس کے مذہب کی تبدیلی صرف ایک دھوکا تھا۔ کیا اس کے اس طرح بھاگ جانے کی وجہ یہ بچہ تھا۔ کیا وہ اس بچے کو اپنا نہیں چاہتا تھا۔ کیا اسی لیے اس نے امید پر یہ ظاہر کیا تھا کہ اس کا سوشل سرکل بہت محدود ہے اور اسے پارٹیز میں جانا پسند نہیں۔ اس کی گرل فرینڈ۔۔۔۔۔ وہ اس کی کسی موجودہ گرل فرینڈ سے واقف نہیں تھی۔ کیا ان دونوں کے درمیان کوئی دوسری عورت آگئی تھی۔ کیا ایمان اتنی جلدی کسی دوسری عورت کی محبت میں اس طرح گرفتار ہو سکتا تھا کہ اس کے لیے سب کچھ چھوڑ کر چلا جائے؟ وہ میرے لیے بھی تو سب کچھ چھوڑ آیا تھا حتیٰ کہ مذہب بھی۔ تو کسی دوسری عورت کے لیے کیوں نہیں؟

۔۔۔۔۔ اب کیا میں اسے قبول کر سکتی ہوں۔ کیا ایک مرد کے ساتھ رہ سکتی ہوں اور بالفرض وہ لوگ ایمان کو واپس لانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو۔۔۔۔۔ تو میں کیا کروں گی۔ کیا ان کے سامنے گر گڑاؤں گی۔ اپنی بے بسی پر انہیں کوسوں گی۔ نہیں مجھے ان کے پاس بھی نہیں جانا چاہیے۔ مجھے کسی کے پاس بھی نہیں جانا چاہیے۔ سوالوں کا ایک انبار سے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔

صبح ہونے تک اس کے ذہنی انتشار میں اور اضافہ ہو چکا تھا۔ جرمنی دوبارہ فون کرنے پر اسے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ ایمان کے والدین وہ گھر بیچ چکے ہیں۔ وہ اندازہ نہیں کر سکی کہ کیا یہ بھی دانستہ طور پر کیا گیا تھا۔ کیا ایمان کے والدین بھی جانتے تھے کہ ان کا بیٹا امیدک دھوکا دے رہا تھا۔

اور جب میں ان پر یہ ظاہر کرتی تھی کہ ایمان نے مذہب تبدیل نہیں کیا اور ہم دونوں نے اس کے بغیر ہی شادی کی ہے تو کیا وہ مجھ پر ہنستے نہیں ہوں گے کہ میں انہیں دھوکے میں رکھنے کے لیے جھوٹ بول رہی تھی وہی دراصل سچ تھا۔ اگر اس گندگی میں گرنا تھا تو پھر جہاں زیب کا انتخاب کیوں نہیں کیا میں نے۔ انسان واقعی اپنے مقدر کو نہیں بدل سکتا۔ جہاں زیب کو چھوڑ کر میں نے سوچا تھا کہ میں پائال کی طرف جانے والا راستہ اختیار نہیں کیا مگر پائال ہی میرا مقدر تھا۔

وہ خشک آنکھوں اور سرد وجود کے ساتھ سوچتی رہی۔

میرے سامنے اب کوئی رستہ نہیں ہے۔ کم از کم عزت کی زندگی کا۔ ہاں عزت کی موت کا رستہ ہے اور مجھے اب اس رستہ پر چلنا چاہیے۔ یہی سب سے بہتر راستہ ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتی، دروازے پر دستک سنائی دی۔ دروازے پر صابر تھا۔ وہ اسے اس کے بھائی کے آنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ اس وقت جس چیز کو وہ دنیا میں سب سے آخر میں دیکھنا چاہتی تھی وہ اس کی فیملی تھی۔ صابر جا چکا تھا۔ اس نے خود کو مارل کرنے کی کوشش کی مگر اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔ معین نے اسے دیکھا تھا اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

امید آ پا کیا ہوا ہے؟

امید نے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔ کچھ نہیں۔ وہ اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

نہیں کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہے۔ آپ بتائیں، کیا ہوا ہے؟

کچھ نہیں، میری طبیعت خراب ہے۔ اسی وجہ سے ٹھیک نہیں لگ رہی امید نے بہانا گھڑا۔

ایمان بھا اس وقت آفس میں ہوں گے ما؟ وہ مطمئن ہوا تھا یا نہیں مگر اس کے قریب بیٹھ ضرور گیا۔ اس کا دل چاہا، وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ بعض اوقات کسی کے ساتھ اپنی تکلیف شیر نہ کرنا آگ میں جلنے سے کم تکلیف دہ نہیں ہوتا۔ وہ۔۔۔۔۔ وہ کچھ دنوں کے لیے جرمی گیا ہے۔

ارے تو پھر آپ یہاں اکیلے کیوں ہیں؟ آپ کو چاہیے تھا آپ راولپنڈی آجائیں۔

نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں۔

یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے آپ کہہ رہی تھیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور

پھر آپ یہاں اکیلی بھی ہیں۔ آپ کتنی لا پرواہ ہیں امی آپ۔ میں نہ آتا تو آپ اسی طرح رہتیں۔ یہ تو اتفاقاً مجھے کمپنی کے کسی کام سے لاہور آنا پڑا تو می یہاں آ گیا۔ اب آپ اپنا سامان پیک کریں اور میرے ساتھ چلیں۔ معین ماریض ہو رہا تھا۔

نہیں۔ ایمان نے کہا تھا کہ میں یہیں رہوں اور اس طرح گھر چھوڑ کر جانا ٹھیک نہیں ہے۔

گھر کو کچھ نہیں ہوگا۔ ملازم کہاں ہے اور آپ ایمان بھائی کونون پر بتا دیں کہ میں آپ کو راولپنڈی لے گیا ہوں۔ وہ ماریض نہیں ہونگے۔ آپ بس میرے ساتھ چلیں۔

تم سمجھتے نہیں ہو۔ مجھے یہاں بہت سے کام ہیں۔ وہ کام آپ ایمان بھائی کے آنے پر کر لیں۔ ابھی تو آپ میرے ساتھ چلیں۔

اچھانی الحال تم چلے جاؤ۔ میں تین دن بعد خود آ جاؤں گی۔ یہ تو ناممکن ہے میں اس طرح اب آپ کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔

اس کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ امید کی صندوق کے سامنے بے بس ہو گئی۔ ٹھیک ہے میں اس کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔ چند دن بعد میں کسی بہانے سے واپس آ جاؤں گی۔ اس نے سوچا۔

☆-----☆-----☆

باب نمبر 6

اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ پتا نہیں وہ سب کچھ سوچتے سوچتے رات کسی وقت سوئی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی وہ ایک بار پھر وہیں پہنچ گئی۔ ہر چیز اتنی ہی خراب اتنی ہی بد صورت تھی جتنی رات کو تھی۔ کاش سب کچھ خواب ہوتا۔ سب کچھ۔ جہاں زیب۔۔۔ ایمان علی۔۔۔ یہ زندگی۔۔۔ سب۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو ابھی آنکھیں کھولنے کے بعد میں کس قدر خوش اور مطمئن ہوتی۔

اس کی آنکھوں میں چھبیں ہو رہی تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنے پوٹے چھوئے۔ سوچی آنکھوں نے اسے ایک بار پھر یاد دلایا کہ وہ رات کو روتی رہی تھی پھر اسے یہ بھی یاد آیا کہ اسے آج کیا کرنا ہے۔ سامنے دیوار پر لگا ہوا کلاک نو بج رہا تھا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی روشنی اسے بری لگ رہی تھی۔ بالکل زندگی کی طرح۔ چند منٹ وہ خالی لڈائی کی کیفیت کے ساتھ کمرے کو دیکھتی رہی۔ دیوار کھڑکیاں، چھت، فرش، سب کچھ یہیں ہوگا، بس کچھ دیر بعد میں یہاں نہیں ہوں گی نہ ہی دوبارہ کبھی آؤں گی۔ اس نے سوچا تھا۔

باہر سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں، مدہم آواز، چھوٹے چھوٹے قہقہے، خاموشی اور ایک بار پھر آوازیں۔۔۔۔۔۔ اور یہ سب کچھ میں زندگی میں آخری بار سن رہی ہوں۔

اس نے آواز کو پہچاننے کی کوشش کی۔۔۔۔۔۔ سفید کے قہقہے پہچاننے میں دیر نہیں لگی اس کی ہنسی بہت خوبصورت تھی کھلکھلاتی ہوئی بے اختیار۔۔۔۔۔۔ رواں۔۔۔۔۔۔ شفاف۔۔۔۔۔۔ معین کی بلند آواز۔۔۔۔۔۔ وہی مخصوص زیر و بم۔۔۔۔۔۔ ثاقب کا شستہ لہجہ۔۔۔۔۔۔ امی کی مدہم آواز۔ اس کی سماعتیں ہر آواز کو شناخت کر رہی تھیں پھر اچانک اس کی ایک ہارٹ بیٹ مِس ہوئی، کوئی کرنٹ اس کی ساری حیات بیدار کر گیا۔ اس کی سماعتوں نے ان آوازوں میں ایک اور آواز کو بھی شناخت کیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ ہل نہیں سکی۔

کیا یہ الوٹن ہے یا پھر۔۔۔۔۔۔ اس نے ایک بار پھر اس کی آواز کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔

I Dont Know (مجھے نہیں پتا) آواز ایک بار پھر آئی اس نے کسی

بات کے جواب میں کہا تھا۔

ننگے پاؤں وہ بیڈ سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی دروازے تک آئی اور ایک جھٹکے سے اس نے دروازہ کھول دیا۔ کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ وہ سامنے موجود تھا۔ سب کے ساتھ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے ثاقب کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر سب دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وہ بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

لو امید کو جگانے کا سوچ رہے تھے مگر وہ خود ہی آگئی۔

امی نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ کھلے دروازے کے درمیان کھڑی کسی بت کی طرح ایمان علی کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے زندگی میں کبھی اپنے علاوہ کسی سے نفرت نہیں کی تھی۔۔۔ جہاں زیب سے بھی نہیں۔ اس کا خیال تھا نفرت صرف اپنے آپ سے ہی ہو سکتی ہے مگر اس وقت پہلی بار اسے پتا چلا کہ نفرت دوسروں سے بھی ہوتی ہے اور اس نفرت کی کوئی حد ہوتی ہے نہ حساب۔ اس وقت سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے ایمان علی سے اس نے صرف نفرت نہیں کی تھی۔ اسے گھن بھی آئی تھی۔ وہ اس پر تھوکتا بھی چاہتی تھی اور گالیاں دینا بھی۔ اس کا دل یہ بھی چاہتا تھا کہ اس وقت اس کے پاس سلگتے انگارے ہوں جنہیں وہ ایمان علی پر پھینک دے یا پھر ایک ایسا بھڑکتا ہوا لاؤ ہو جس میں وہ اسے دھکیل دے۔۔۔ یا۔۔۔ یا پھر اس کے ناخن اتنے لمبے ہو جائیں جن سے وہ ایمان علی کا پورا چہرہ پورا جسم کھرچ دے۔ اتنا گہرا اور اتنی بری طرح کہ وہ دوبارہ کبھی اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکے۔

اسلام علیکم۔ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ پتلیں جھپکے بغیر اس پر نظریں جمائے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

امید سلام کا جواب تو دو۔ اس کی امی نے جیسے اسپا دولانے کی کوشش کی۔ ایک مکاڑ دھوکے باز ذلیل اور کمینے یہودی پر میں۔۔۔ میں اللہ کی رحمت تو نہیں بھیجوں گی۔ اس نے زہریلے انداز میں سوچا۔

اس کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر ضرور تھا جس نے ایمان کو یک دم سنجیدہ کر

دیا۔

ایمان بھائی ابھی آدھ گھنٹہ پہلے آئے ہیں آپ کو لینے۔ میں انہیں بتا رہا تھا کہ آج امید بھی واپس لاہور جا رہی تھی۔ لگتا ہے تم دونوں فون وغیرہ کے بغیر ہی کوئی وائرلیس ٹائپ کار رابطہ رکھے ہوئے ہو۔

معین یقیناً مذاق کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے پلٹ کر واپس کمرے میں آ گئی۔

یہ ان کو کیا ہوا؟ نا قب نے کچھ حیران ہو کر اسے اس طرح خاموشی سے واپس جاتے دیکھ کر کہا۔
ایمان حیران نہیں ہوا۔

وہ ناراض ہے۔ میں نے آپ کو بتایا میں کچھ مصروفیات کی وجہ سے اس سے رابطہ نہیں کر سکا۔ فون نہ کرنے پر ہی وہ ناراض ہو کر یہاں آ گئی ہے۔ میں منالینا ہوں۔ چائے کا کپ رکھتے ہوئے ایمان نے کہا اور مسکراتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
امید نے اندر کمرے میں اس کی آواز سنی۔

تم کیسی ہو؟ ایمان نے اسے مخاطب کیا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔
یہ شخص میری زندگی میں کیوں آیا؟ میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش۔۔۔۔ اپنی محبت صرف تمہارے لیے چھوڑ دی اور تم نے تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔ میری قربانی کے بدلے میں تم نے میرے مقدر میں یہ۔۔۔۔ یہ شخص لکھ دیا۔ ایک یہودی جس کے ساتھ میں ایک سال سے رہ رہی ہوں۔۔۔۔ یہ سوچتے ہوئے کہ اس نے میرے لیے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ کیا اس

سے بہتر جہاں زیب نہیں تھا۔ وہ کم از کم مسلمان تو تھا اسکے ساتھ جانے پر مجھے کوڑے لگتے، سنگسار کیا جاتا مگر میرا ایمان تو رہتا۔۔۔۔۔ میرے سامنے یہ شخص تو ایمان بن کر نہ آتا۔

اس نے بے اختیار اللہ سے شکوہ کیا تھا۔
میں جانتا ہوں امید تم ناراض ہو لیکن کچھ حالات ہی ایسے تھے کہ میں تم سے رابطہ نہیں کر سکا۔ آج ہی پاکستان آیا ہوں اور آتے ہی تمہیں لینے آ گیا ہوں۔
اب اس نے قریب آ کر معذرت کی۔

اس کا دل چاہا، وہ اسے دھکے دے کر اس کمرے اور اس گھر سے نکال دے اسے چلا کر بتائے کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہے مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ یہ سب کچھ کہہ سکتی ہے نہ کر سکتی ہے۔ اس کمرے سے باہر کچھ لوگ کھڑے تھے جن کے لیے اس نے ساری زندگی جدوجہد کی تھی۔ جن کے خوابوں کو تعبیر دیتے دیتے وہ اس مقام پر آ کھڑی ہو گئی تھی۔ اب ان لوگوں کے سامنے وہ بھکاری بن کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ دس سال میں دی جانے والی خوشیوں کو وہ ایک لمحے میں چھیننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہتی بھی تو ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

زندگی میں بہت بار اس نے صبر اور خاموشی سے کام لیا تھا۔ اس بار اسے صبر نہیں صرف خاموشی اختیار کرنی تھی۔ چند لمحوں کے لیے چند گھنٹوں کے لیے پھر ہمیشہ کے لیے۔ یہ یہاں نہ آتا تو بھی مجھے مرنا تھا۔ یہ یہاں آ گیا ہے تو بھی مجھے مرنا ہے مگر اب اکیلے نہیں۔ ہر شخص کو اپنے ایمان کی حفاظت خود ہی کرنی پڑتی ہے۔ مجھے بھی خود ہی کرنی ہے۔ بدلہ لینا ہے مجھے بہت سی چیزوں کا اور اس شخص کی موت یہ کام کرے گی۔

ڈیبل ایڈگر سے یہ شخص ایمان کبھی نہیں بن سکا مگر اس زندگی میں اس کی موت اسے میرا ایمان بنا دے گی۔ اس نے اس کے مسکراتے چہرے اور چمکتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

آئی ایم سوری۔ وہ اب معذرت کر رہا تھا۔ میں دوبارہ کبھی ایسا نہیں کروں گا کہ تم سے اس طرح رابطہ ختم کر دوں۔

آج تمہارے ساتھ میرا رابطہ ختم ہو جائے گا اور اس بار یہ کام تم نہیں کروں گی۔ اس نے اس کی معذرت پر سوچا تھا۔

کیا تم ابھی بھی ناراض ہو؟ سن ے اب امید کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے چاہے اور جیسے ایک جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹی۔ ایمان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کیا ہوا؟ اس نے پوچھا۔

کچھ بھی نہیں۔ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو بس ٹھیک ہے۔ وہ اس سے دور ہٹ کر بولی تھی۔

تم اب ناراض نہیں ہو؟
نہیں۔

ایمان کچھ مطمئن ہو گیا۔ لاہور واپس جا کر میں تمہیں بتاؤں گا کہ میرے ساتھ امریکا میں کیا ہوا۔ تم نے اپنا بیگ تو تیار کر لیا ہوگا۔ امی بتا رہی تھیں کہ تم بھی آج واپس جا رہی تھیں۔ مجھے بھی آج ہی واپس جانا ہے کچھ ضروری کام ہے لاہور میں۔۔۔ پلین میں آج مجھے سیٹیں نہیں مل سکیں اس لیے میں نے ڈیو کی بنگ کرائی ہے۔ ہمیں ابھی نکلنا ہوگا۔ وہ اسے اپنا پروگرام بتا رہا تھا۔ وہ اپنا پروگرام طے کر رہی تھی۔

وہ ایک بار پھر اس کے قریب آ گیا تھا۔ اسے ایک بار پھر اس کے وجود سے اتنی ہی گھن آئی تھی۔ اس بار اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے کے بجائے اس نے بڑی نرمی سے اس کے دائیں گال کو اپنے ہاتھ سے چھوتے ہوئے کہا۔

میں تمہیں ایک ماہ اور چار دن کے بعد دیکھ رہا ہوں۔ کیا محسوس کر رہا ہوں بتا نہیں سکتا۔ سب کچھ تانا بہت مشکل ہوتا ہے مگر پھر بھی تمہیں دیکھ کر مجھے بہت سکون مل رہا ہے۔ اتنا سکون کہ۔۔۔۔۔

اس نے ایک جھٹکے سے اپنے گال سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور پھر اس کے پاس سے ہٹ گئی۔

مجھے تیار ہونا ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔ ایمان کار و عمل دیکھے بغیر وہ کمرے سے نکل گئی۔

میں بھی تمہیں ایک ماہ اور چار دن کے بعد دیکھ رہی ہوں۔ کیا محسوس کر رہی ہوں، میرے لیے بھی بتانا مشکل ہے۔ مگر پھر بھی تمہیں دیکھ کر مجھے اتنی اذیب اور بے عزتی کا احساس ہو رہا ہے کہ۔۔۔۔۔ اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے سوچا۔

ایمان کہہ رہا ہے کہ سے ابھی واپس جانا ہے مگر میں اس سے کہہ رہی تھی کہ اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے کل چلا جائے۔ امی نے اس کو باہر آتے دیکھا تو اس نے کہا۔

نہیں ہمیں آج ہی جانا ہے۔ اسے کوئی ضروری کام ہے لاہور میں اس لیے آج ہی جانا پڑے گا۔ اس نے کہا۔

مگر پلین کی سیٹیں بھی نہیں مل سکیں۔ سڑک کے ذریعے جانے میں بہت

وقت لگے گا اور تھک بھی جاؤ گے۔ امی فکر مند تھیں۔

کچھ نہیں ہوگا۔ وہ کچھ سردھری سے کہتے ہوئے دورے کمرے میں چلی گئی

نہانے کے بعد جب وہ تیار ہو کر آئی تو ایمان امی سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ اسے ایک سرسری نظر سے دیکھ کر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سورۃ فتح کی تلاوت کرنے کے بعد اس نے دعا کی تھی۔

میرے پاس اب صرف ایک موقع ہے آخری موقع کہ میں نادانستہ طور پر ہونے والے اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں اور میں یہ کفارہ اپنے اور اس شخص کے خون سے ادا کروں جو اس گناہ کا موجب ہے۔ مجھے استقامت ارثا بت قدمی عطا کرنا۔ اتنی استقامت کہ اس شخص کی جان لیتے ہوئے میرے ہاتھ میں کوئی لرزش ہو نہ دل میں کوئی پچھتاوا۔ میری آنکھوں میں کوئی آنسو آئے نہ میرے ذہن میں کوئی خوف۔ آج کے دن کے لیے مجھے بے رحمی کی صفت سے نواز دو۔ وہ بے رحمی جو میرے پیروں میں لرزش نہ آنے دے، جو میرے دل کو پتھر اور آنکھوں کو خشک کر دے۔ زندگی میں ایک بار پھر مجھے ایمان اور محبت میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا پڑا۔ ایک بار پھر میں نے محبت ترک کرتے ہوئے ایمان کا انتخاب کیا ہے تو میری نیت سے واقف ہے اور میرا یہ عمل تیرے ہی لیے ہے۔ اس نے اپنے اندر ایک عجیب طاقت محسوس کی۔

وہ کمرے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ سفینہ ناشتا لگا رہی تھی۔ ایمان نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

میں تیار ہوں۔ چلیں؟ وہ یک دم ایمان سے بولی۔

لو اس طرح کیسے جاسکتی ہو پہلے ناشتا تو کرو۔ اس کی امی نے کچھ برامانتے ہوئے کہا۔

مجھے بھوک نہیں ہے۔

بھوک ہے یا نہیں لیکن ناشتا کیے بغیر تم نہیں جاسکتیں۔ بہت عجیب عادت ہے اس کی ہمیشہ سے کھانے کی پروا نہیں کرتی۔ امی نے ایمان سے کہا جو ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی باتیں سن رہا تھا۔ کیا لاہور میں بھی اسی طرح کرتی ہے؟ نہیں وہاں تو کھانا وقت پر کھا لیتی تھی مجھے لگتا ہے یہیں آ کر لا پرواہ ہو گئی ہے۔ اس نے امید کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ناشتا کرنے کے بعد معین نیکی لے آیا اور ایمان اور امید کا سامان نیکی میں رکھوانے لگا۔ سب لوگ انہیں دروازے کا تک چھوڑنے آئے۔ دروازے سے نکلنے سے پہلے وہ ایک بار پلٹ اور اپنی امی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ ان لوگوں اور اس گھر کو وہ آخری بار دیکھ رہی تھی۔ ایمان نے کچھ حیرانی سے اس کی آنکھوں میں نمودار ہونے والی نمی کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ ہلینز پارک گئی۔ ایمان اس کے پیچھے تھا۔

ڈائینو میں اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ چاہتی تھی ایمان اسے مخاطب کرے نہ ہی اس سے کوئی بات کرے۔ ساتھ والی سیٹ پر موجود اس کا وجود اس کے لیے ایک کانٹے کی طرح تھا۔

تم راولپنڈی کیوں آ گئیں؟ وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ

اس سے کہے وہ اس کا فریب جاننے کے بعد وہاں سے آگئی۔

میں اکیلی تھی وہاں اس لیے یہاں آگئی۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس
ے جواب دیا۔ ایمان کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

میرے رابطہ نہ کرنے کی وجہ۔۔۔۔۔

امید نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں سفر
خاموشی سے کرنا چاہتی ہوں اس لیے پلیز۔۔۔۔۔

ایمان نے گردن موڑ کر امید کو دیکھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس
کے لہجے میں اتنی بے گانگی، اتنی بیزاری کیوں تھی۔

تمہارا غصہ ابھی بھی ختم نہیں ہوا؟ اس نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔ وہ
خاموش رہی۔

مجھے تمہاری ناراضگی دور کرنے کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟ وہ سنجیدہ تھا۔

تمہیں اپنی جان دینی پڑے گی۔ امید نے سوچا۔

میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ میں ناراض نہیں ہوں۔ میرے پاس ناراضی کی
کوئی وجہ ہی نہیں۔ بس میں یہ سفر خاموشی سے کرنا چاہتی ہوں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں
ہے۔

ایمان یک دم فکر مند ہو گیا۔ کیا ہوا تمہیں؟ تم ٹھیک تو ہونا؟ اس نے امید
کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ اسے وہ لمس انگارہ لگا۔ تیزی سے اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ
کے نیچے سے نکال لیا۔

میں ٹھیک ہوں صرف سر میں درد ہو رہا ہے۔ اس نے آنکھیں بند کرتے

ہوئے کہا۔

کیا تمہیں کوئی ٹیلٹ چاہیے؟

نہیں مجھے بس خاموشی چاہیے۔ اس بار اسے ایمان کی آواز سنائی نہیں دی۔
موٹر وے پر ہونے والے باقی کے سفر میں ایمان نے دوبارہ صرف تب
مخاطب کیا جب ڈائو ورس ایریا پر رکی تھی۔

نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ اس نے ایمان سیکھا۔ وہ اس کے انکار کے
باوجود اس کے لیے کولڈ ڈرنک اور سینڈوچ لے آیا۔
مجھے نہیں کھانا ہے۔ میں بتا چکی ہوں۔ وہ کوشش کے باوجود اپنے لہجے کی تلخی
نہیں چھپا سکی۔

باقی سفر بالکل خاموشی سے طے ہوا۔ نہ اس نے ایمان سے کوئی بات کی نہ
ہی ایمان نے اس سے کچھ کہنے، کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ
ایمان کو اس کا رویہ اگلا تھا۔ مگر اس نے اس کی ناراضگی کی رتی بھر پروا نہیں کی۔
گھر پہنچنے کے بعد وہ اندر چلی گئی جبکہ ایمان ملازم سے سامان اتروانے
لگا۔ ملازم بیگز اندر لے آیا۔ اس کے پاس صرف ایک بیگ تھا جبکہ باقی سامان ایمان
کا تھا۔ وہ جانتی تھی، ابھی تھوڑی دیر میں ایمان اپنے کام نبھانے کے لیے پلا جائے گا
اور اسے جو بھی کرنا تھا اس کی عدم موجودگی میں ہی کرنا تھا۔

مجھے تم صرف یہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ اس طرح کیوں کر رہی ہو؟ ایمان
بیڈروم میں آتے ہی سیدھا اس کے پاس آیا وہ صوفے پر بیٹھی تھی۔
کیا کر رہی ہوں؟ اس نے سرد آواز میں پوچھا۔

وہ اسکے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ صوفے سے اٹھنے لگی جب اس نے امید کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے کے ساتھ واپس صوفے پر بٹھادیا۔

یہاں بیٹھو اور مجھ سے بات کرو۔

وہ بھڑک گئی۔ مجھے دوبارہ ہاتھ مت لگانا۔

وہ اسکی بات پر بھونچا رہ گیا۔ کیا مطلب ہے اس بات کا؟

وہی جو تم سمجھتے ہو۔

کیوں ہاتھ نہ لگاؤں تم میری بیوی ہو۔

اس کی بات امید کو گالی کی طرح لگی۔ اس کا دل چاہا وہ اس کے منہ پر تھوک

دے۔ اسے بتائے کہ وہ اس کے دھوکے کے بارے میں جان چکی ہے۔ اسے بتائے

کہ اب وہ اسے مار دینا چاہتی ہے۔

میں تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی۔ اس نے یک دم خود پر ضبط کیا تھا۔ مگر

میں تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں پتا ہے مجھے تمہارے رویے سے بہت تکلیف

پہنچ رہی ہے۔

اگر ایسا ہے تو میں کیا کروں؟ وہ اس کو دیکھ کر رہ گیا۔

تم یہ سب مت کرو۔ ٹھیک ہے میں تم سے رابطہ نہیں کر سکا مگر اس کی

امید نے تیز آوازی اس کی بات کاٹ دی۔ مجھے کوئی ایکسکیوز مت دو۔

مجھے دلچسپی نہیں ہے ان وجوہات کو جاننے میں۔

امید۔۔۔ اس ایک ماہ میں آخر ایسا کیا ہوا ہے جس نے تمہیں مجھ سے اتنا

تنفّر کر دیا ہے؟ وہ پریشان تھا یا پریشان نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے دونوں باتوں میں دلچسپی نہیں تھی۔ جواب دینے کے بجائے اس نے ایمان کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔

پچھلے سات گھنٹے سے میں تمہاری وجہ سے کتنا پریشان ہوں کیا تم اندازہ کر سکتی ہو؟ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔ میری پروا نہیں مگر مجھے ہے۔ تمہارا ہر رویہ مجھ پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک سال کے دوران اس نے پہلی بار ایمان کے منہ سے یہ بات سنی تھی۔ وہ اسے کیا جتنا چاہ رہا ہے۔ اور وہ اسے کس حد تک جانتا تھا۔ اس نے کھوجتی ہوئی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔
تو کیا یہ واقعی جانتا ہے کہ مجھے اس سے محبت نہیں یا پھر اس نے بغیر سوچے سمجھے ایک بات۔۔۔۔۔

وہ کہہ رہا تھا۔ مجھے کوئی چیز اتنی تکلیف نہیں پہنچاتی جتنی تمہاری بے رخی، بے اعتنائی۔ میں نے تم سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ مجھ سے محبت کرو۔ مگر یہ چاہتا ہوں کہ میری محبت کی قدر کرو۔ مجھے یہ احساس مت دلاؤ کہ میں تم سے محبت کر کے کوئی غلطی کر رہا ہوں۔ میرے پاس بہت زیادہ رتے نہیں ہیں مگر جو ہیں انہیں میں ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ میری زندگی میں تمہاری بہت اہم جگہ ہے اور تم وہاں سے ہٹنا چاہو گی تو مجھے بہت تکلیف ہو گی خاص طور پر اب جب تمہارے ساتھ اتنا وقت گزار چکا ہوں۔ مجھ سے کوئی شکایت ہے تو کہو۔۔۔۔۔ مگر مجھے وضاحت کا موقع دو۔

میں نے تمہاری بات سن لی ہیں اب میں سونا چاہتی ہوں۔ بہت سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں اس نے ایمان کی ساری باتوں کے جواب میں کہا۔

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور پھر ایک جھٹکے سے وہ اس کے پاس سے کچھ کہے بغیر اٹھ گیا۔ امید کو ایک لمحے کے لیے بے تحاشا خوی ہوئی تھی۔ ایک سال سے وہ ایمان کے ساتھ رہ رہی تھی اور اس پورے عرصے میں اس نے کبھی بھی ایمان کو اس طرح غصے میں ہیں دیکھا تھا۔

صوفی نے سے اٹھ کر وہ بیڈ پر آ گئی۔ ایمان اب ڈرینگ میں تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ اندر سے نکلا تو کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔ اپنا برف کیس نکال کر اسکے اندر سے کچھ نکالنے لگا اور پھر اس نے برف کیس بند کر دیا۔ وہ بیڈ پر چادر لیے لیٹی رہی۔ اب ایمان دروازہ کھول کر گاڑی کی چابی نکال رہا تھا۔ چابی نکالنے کے بعد وہ بیڈ روم کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بیڈ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ کسی خیال کے پیش نظر پلٹا۔ امید نے اسے پلٹے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ بند آنکھوں سے قدموں کی چاپ سے وہ اندازہ لگا سکتی کہ وہ اسی کی طرف آ رہا ہے۔ پھر اس نے اسے اپنی بیڈ سائیڈ ٹیبل کے قریب کھڑا مسوکیا۔

میں تو دو گھنٹے کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ کچھ کام ہے مجھے۔ خانساں گھر پر نہیں ہے۔ رات کا کھانا مجھے باہر سے ہی لانا پڑے گا۔ تم بتا دو کیا لے کر آؤں اور اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہے تو بھی بتا دو۔ اس کے قریب ایمان کی آواز ابھری تھی۔ رات کے کھانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے ہی۔۔۔۔۔ اس نے تلخی سے سوچا۔ وہ چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر شاید جان گیا تھا کہ جواب دینا نہیں چاہتی۔

تمہارے لیے کچھ گفٹس لایا ہوں۔ براؤن بیگ میں ہیں۔ تم دیکھ لیما۔ اور

پھر لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ اٹھ کر بیٹ گئی۔ چند منٹ بعد اس نے باہر کار اشارٹ ہونے کی آواز سنی۔ چند لمحوں کے بعد کار کی آواز معدوم ہو چکی تھی۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ برق رفتاری سے اٹھ کر اس نے کمرے کی لائٹ آن کی اور پھر دروازہ کھول کر باہر لاؤنج میں نکل آئی۔ ملازم ٹی وی آن کیے وہاں بیٹھا تھا۔ وہ جانتی تھی ایمان اسے اپنے انتظار کا کہہ کر گیا ہے۔ رات کو جب بھی اسے دیر سے آنا ہوتا ملازم اس کا انتظار کرتا تھا اور پھر اس کے آنے پر کھانا لگا کر اپنے کوارٹر میں چلا جاتا۔

صابر تم چلے جاؤ۔۔۔ میں جاگ رہی ہوں۔ ایمان کے آنے پر دروازہ کھول دوں گی۔ اس نے ملازم کو ہدایت کی۔

وہ ایمان صاحب اپنے کپڑے پر لیس کرنے کے لیے دے کر گئے ہیں میں وہ کرلوں پھر چلا جاؤں گا۔ ملازم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
نہیں وہ میں خود کرلوں گی تم چلے جاؤ۔

ملازم ہر بلانا ہولنا ہر نکل گیا۔ دس چندرہ منٹ بعد اس نے چوکیدار کو بلوایا اور اس سے کہا کہ آدھ گھنٹے کے بعد وہ گھر چلا جائے۔ میں اس لیے تمہیں بھجو رہی ہوں کیونکہ کل صاحب کے کچھ بہت اہم دوست آ رہے ہیں اور تمہیں ان کے لیے دن میں یہاں رہنا پڑے گا اس لیے میں چاہتی ہوں تم گھر جا کر اپنی نیند پوری کر لو۔ کل صبح آٹھ بجے واپس آ جانا۔ اس نے چوکیدار کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

نہیں وہ بس مارکیٹ تک گئے ہیں۔ ابھی آجائیں گے۔ تم چلے جاؤ اس نے چوکیدار سے جھوٹ بولا۔

چوکیدار کے جانے کے بعد وہ بیرونی گیٹ بند کر کے اندر گھر میں آ گئی۔

ایمان کے پاس ایک ریوالور تھا جسے وہ ہمیشہ لوڈ ڈرکھتا تھا۔ شادی کے چند دن بعد اس نے امید کو بھی ریوالور دکھایا تھا اور اسے چلانے کا طریقہ سمجھایا تھا۔

میں چونکہ غیر ملکی ہوں، اس لیے خاصی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ ایک دو بار رات کو کچھ لوگ بھی گھر کے اندر آ گئے تھے۔ اس لیے ریوالور رکھا ہوا ہے۔ تمہیں اس لیے استعمال کرنا سکھا رہا ہوں تاکہ جب تم گھر میں اکیلی ہو تو اپنی حفاظت کر سکو۔ اب وہ اسی ریوالور سے اسے شوٹ کر دینا چاہتی تھی۔

ایمان کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کا دراز کھول کر اس نے ریوالور نکال کر چیک کیا۔ پھر اسے نکال کر لاونچ میں موجود ایک بڑے ڈیکوریشن کے اندر رکھ دیا۔ اسے اپنے نشانے کی درستی پر کوئی اعتماد نہیں تھا۔ اس نے ریوالور چلا کر ضرور سیکھا تھا مگر اسے کبھی چلایا نہیں تھا۔ مجھے ایسی کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ وہ بچ سکے کیونکہ میرے پاس دوسرا کوئی موقع نہیں ہے۔ اس نے سوچا۔

کیا میں رات کو اس کے سونے کا انتظار کروں اور پھر اس پر نیند کی حالت میں فائر کروں؟ اسے خیال آیا۔ مگر آج رات وہ نہ سویا تو؟ وہ جانتی تھی بعض دفعہ وہ ساری رات کام میں مصروف رہتا اور سوتا نہیں تھا۔ خاص طور پر ویک اینڈ پر۔ آج بھی ویک اینڈ تھا۔ کل اتوار تھا اور عین ممکن تھا وہ آج رات بھی نہ سوتا۔ وہ کچھ پریشان ہو گئی۔ وہ کل کا انتظار نہیں کر سکتی تھی، اسے جو بھی کرنا تھا آج ہی کرنا تھا مگر کب اور کیسے؟

پھر اچانک ایک جھماکے کے ساتھ اسے یاد آیا کہ وہ ہر رات سونے سے پہلے اسٹڈی میں جا کر کچھ دیر اپنا کام کرتا ہے اور جس رات وہ سونے کے لیے بیڈ روم

میں نہیں آتا تو وہ ساری رات اسٹڈی میں کام کرتے ہوئے ہی گزارتا تھا۔ اگر آج وہ سونے کے لیے بیڈروم میں آیا تو میں اسے نیند میں شوٹ کر دوں گی اور اگر وہ سوتا نہیں تو پھر میں اسٹڈی میں کام کرتے ہوئے اسے شوٹ کر دوں گی۔ اس نے طے کر لیا۔

پھر اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا۔ مجھے ریوالور اسٹڈی روم میں چھپا دینا چاہیے۔ اگر وہ یہاں کام کرنے کے لیے آئے گا تو کچھ دیر بعد میں اس کے پیچھے آؤں گی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ پلٹ کر دیکھے گا تو میں یہاں کر دوں گی کہ میں کوئی کتاب لینے کے لیے آئی ہو وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو جائے گا اور تب میں کتابوں کے شیلف کے پاس آ کر وہاں سے ریوالور نکالوں گی اور اسے شوٹ کر دوں گی۔ اس نے ریوالور چھپانے کے لیے جگہ کا انتخاب کر لیا۔ اور اگر وہ کام کرنے اسٹڈی میں نہیں آیا تو بھی رات کو یہاں آ کر ریوالور نکالوں گی اور بیڈروم میں جا کر اسے شوٹ کر دوں گی۔ وہ یکدم جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔

لاؤنج میں سے ریوالور نکال کر وہ واپس اسٹڈی میں آئی۔ اب اسے کتابوں کی کسی ایسی شیلف کا انتخاب کرنا تھا جسے ایمان کم از کم اس وقت تو استعمال نہ کرے۔ وہ کتابوں کے شیلف پر نظر دوڑا رہی تھی اور پھر یکدم اس کی نظریں ایک شیلف پر پڑیں اس پر اسلام کے بارے میں مختلف ملکی اور غیر ملکی رائٹرز کی انگلش میں لکھی ہوئی کتابیں پڑتی تھیں۔ وہ جانتی تھی ایمان اکثر اسلام کتابیں لے کر آیا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ واقعی اسلام کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر سب ایک دھوکا تھا ایک فریب۔۔۔ امید پر بیٹا بت کرنے کے لئے کہ وہ واقعی اسلام کو سمجھنا چاہتا ہے اور سچا مسلمان ہے۔ اس کے دل میں ٹیس اٹھی تھی۔ اور میں اس فریب میں آ گئی۔ اسے یقین تھا وہ

حالانکہ یہ سب کچھ کرنے میری کوئی غلطی نہیں تھی۔

وہ واش روم سے باہر نکل آئی۔ ایک گناہ سے بچنا میرے اختیار میں تھا۔ میں نے وہ گناہ نہیں کیا۔ ایک گناہ کا حصہ بننا میرے مقدر میں لکھ دیا گیا۔ مجھے اس کے بارے میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ میں اس سے بچ ہی سکی۔ پانچ سال پہلے میں نے ایمان اور محبت میں سے ایمان کا انتخاب کیا تھا۔ ایک سال پہلے ایک بار پھر میں نے ایمان علی اور جہاں زیب کی محبت میں سے ایمان علی کا انتخاب کیا تھا۔ دونوں بار میرے فیصلے نے میرے ہاتھوں میں کچھ بھی بنے نہیں دیا۔ نہ ایمان نہ محبت۔ میں نے صرف ایمان کی خواہش کی تھی۔ اس خواہش نے پہلے مجھے بہت محروم کیا۔۔۔۔۔ پھر ایمان سے۔۔۔۔۔ کیا خواہش غلط تھی یا میرا انتخاب۔۔۔۔۔ اس کا ذہن پوری طرح انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔

پوری نماز کے دوران وہ اپنی توجہ مرکوز کرنے میں ناکام رہی تھی۔ دعا کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جس شخص کا عمل میرے جیسا ہو صرف عبادت اسے ایمان دلا دے۔

صرف ہاتھ اٹھانے سے اس کا مقدر بدل جائے۔ اور وہ بھی میرے جیسے انسان کا۔ پانچ سال پہلے اپنے وجود سے نفرت کے جس عمل میں وہ مبتلا ہوئی تھی آج اس کی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔

نماز پڑھنے کے بعد وہ جائے نماز اٹھا رہی تھی۔ جب اس کی نظر اس براؤن بیگ پر پڑی جس کے بارے میں وہ جاتے جاتے کہہ کر گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ اس کے پاس آگئی۔ بیگ کی زپ کھول کر اس نے اندر موجود چیزیں باہر نکالنی شروع کر

محفوظ ہوتی جاتی ہے۔ میرا باپ بہت اچھا آدمی تھا اور میں بھی اتنا ہی اچھا ثابت ہونا چاہتا ہوں۔ اپنی اولاد کے لیے۔

کھلونے ہاتھ میں لیے اسے اس کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اور یہ شخص میرے ساتھ اپنی زندگی کی بنیاد اتنے بڑے جھوٹ اور فریب پر نہ رکھتا تو آج یہ کھولنے مجھے کسی دوسری کیفیت اور احساس سے دوچار کرتے۔ اس بچے کے حوالے سے خواب دیکھنے میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ میں نے اس سے زیادہ خوابوں کا جال بنا تھا۔ اس نے اپنے گالوں پر آنسوؤں کو بہتے محسوس کیا۔

اس نے بہت بار اسی گھر میں اپنے بچے کو کھیلنے دیکھا تھا۔ خود کو اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے پایا تھا۔ اس کی ہنسی، اس کی مسکراہٹوں اور اس کی کھلکھلاہٹوں کو تصور میں دیکھا تھا اور اب وہ اس کی موت کا تصور رک رہی تھی۔ کیا اولاد ماں باپ کے پیروں کی اسی طرح زنجیر بن جاتی ہے جس طرح یہ بچہ میرے پیروں کی زنجیر بن رہا ہے جو ابھی اس دنیا میں آیا تک نہیں۔ اسے اپنے پورے وجود میں ٹیسس اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

کاش میں تمہیں زندگی دے پاتی۔۔۔۔۔ زندگی پانے سے پہلے ہی میں موت کو تمہارا مقدر بنا رہی ہوں۔ اس کی نظروں کے سامنے ایک بار وہ کھلکھلانے لگا تھا۔ وہ کھلونوں کو دونوں ہاتھوں میں لیے بلکنے لگی۔ میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔ میری طرح تمہارے لیے بھی زندگی موت سے زیادہ تکلیف دہ ہو گی اور میں تمہیں اسی تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں۔

روتے ہوئے اس نے گاڑی کا ہارن سنا۔ وہ یکدم جیسے اپنے حواس میں آ

گئی۔ تھی ایمان واپس آ چکا تھا اور اب۔۔۔۔۔ اب اسے۔۔۔۔۔

وہ سب کچھ پھینک کر بھاگتی ہوئی واش روم میں گئی۔ دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر اس نے چھپا کے مارے اور پھر دوپٹے سے چہرے اور آنکھیں رگڑتی ہوئی باہر آ گئی۔ کار کا ہارن ایک بار پھر سنائی دیا۔ اس بار دو تین دفعہ ہارن دیا گیا۔ اس نے تیزی سے لاؤنج کا دروازہ کھولا اور تیز قدموں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

ایمان نے حیرت اور الجھن کے ساتھ اسے گیٹ کھولتے دیکھا۔ گاڑی سیدھا پورچ میں لے جانے کے بجائے وہ گیٹ کے اندر کچھ فاصلے پر رک گیا۔ چوکیدار کہاں ہے؟ وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس کے گھر میں کوئی ایمر جنسی تھی وہ وہاں چلا گیا ہے۔ اس نے گیٹ کو بند کرنا چاہا۔

تم رہنے دو، میں خود کر لیتا ہوں۔ ایمان نے اسے روک دیا۔ وہ خود گیٹ کی طرف بڑھ آیا۔ وہ اندر چلی آئی۔ اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کچن میں جا کر فرج کھول کر اس نے پانی پی کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ایمان اب اندر لاؤنج میں آ چکا تھا۔ وہ بھی سیدھا کچن کی طرف آیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ شاپر تھے جنہیں اس نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

صابر کہاں ہے؟

میں نے اسے کوارٹر میں بھیج دیا۔ اس نے بڑے مارمل انداز میں کہا۔
کیوں؟

بس ویسے ہی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پر کچن سے نکل گیا۔

جس وقت وہ بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ اس نے ایمان کو کارپٹ پر پھینکی ہوئی چیزوں کو بیگ میں ڈالتے دیکھا۔ کارپٹ پر پنچوں کے بل بیٹھے ہوئے چیزی اکٹھے کرتے ہوئے اس نے صرف ایک لمحے کے لیے سر اٹھا کر امید کو دیکھا تھا اور اس کی نظر میں سب کچھ تھا۔ بے یقینی، اندر دگی، غصہ، ملامت۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس سے کچھ کہے گا مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ بیگ بھی اٹھا کر ڈیرینگ روم میں لے گیا۔ چند منٹوں کے بعد وہ ڈیرینگ روم سے نکلا تو نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ امیدنی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔ وہ سیدھا اپنے بیڈ سائڈ ٹیبل کی طرف گیا اور باری باری تینوں دراز کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔

ریو الور کہاں ہے؟ امید کا سانس رک گیا۔ وہ اس کی روٹین بھول گئی تھی۔ وہ ہر رات ریو الور چیک کر کے سیفٹی کیچ ہٹا کر سونے کے لیے جاتا تھا اور یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اب وہ اپنے معمول کے مطابق دراز میں ریو الور دیکھنے لگا تھا مگر وہ اسے وہاں نظر نہیں آیا۔ فوری طور پر امید کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ وہ اب دونوں ہاتھ کمر پر رکھے سیدھا کھڑا الجھ بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا ریو الور کہاں ہے؟ اس نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی۔ مجھے نہیں پتا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے بظاہر لاپرواہی جتاتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب؟ تمہیں نہیں پتا کہ ریو الور کہاں گیا؟ وہ اس کے جواب پر ششدر رہ گیا۔

اس گھر کی ہر چیز کا پتا رکھنا میری ذمہ داری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے تم نے کہیں

اور رکھ دیا ہو۔ اس بار اس نے جان بوجھ کر تلخ انداز میں کہا۔

تم جانتی ہو، میں ہمیشہ اسے اسی دراز میں رکھتا ہوں مگر اب وہ یہاں نہیں ہے۔ وہ پریشان نظر آنے لگا۔ تم نے اسے اٹھا کر کہیں اور تو نہیں رکھا؟
مجھے کیا ضرورت تھی ایسا کرنے کی۔ مگر مجھے ٹھیک سے یاد نہیں شاید میں نے ہی کہیں اور رکھ دیا ہو۔ اس نے صاف انکار کرتے کرتے بات بدل دی۔ اسے اچانک خیال آیا تھا کہ ایمان کہیں ملازم کو بلوانہ لے لے اور اس سے پوچھ گچھ کرنے پر معاملہ زیادہ طول پکڑ سکتا تھا۔

تم ذرا اپنی دراز میں دیکھو۔ اس نے کھڑے کھڑے امید سے کہا۔ اس نے بے دلی سے تینوں دراز چیک کیں مگر وہ جانتی تھی کہ ریو الور وہاں نہیں ہے۔
یہاں نہیں ہے؟ وہ اس کے جواب پر ڈرینگ روم میں چلا گیا۔ امید کو اندر سے وارڈ روب کھولنے کی آواز آئی۔ پھر اس نے الماری کے دراز کھولنے شروع کر دیے۔ وہ ہنٹ بھینچے بیٹھی رہی۔ اس کی ایک چھوٹی سی بھول نے سارا کام بگاڑ دیا تھا۔ آخر کیا ضرورت تھی مجھے ریو الور یہاں سے ہٹانے کی۔ می بیہیں سے ریو الور لے کر اسٹڈی میں جا سکتی تھی اور اگر وہ سو جاتا تو بھی دراز کھول کر ریو الور نکال سکتی تھی۔
اگر اسٹڈی میں وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا تو اپنی پشت پر ریو الور چھپا سکتی تھی۔۔۔۔۔ کچھ اور کر سکتی تھی مگر ریو الور ہٹانا نہیں چاہیے تھا۔

وہ اب خود کو کوس رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی ریو الور نہ ملنے پر ایمان کا رد عمل کیا ہوگا۔ وہ بہت محتاط طبیعت کا انسان تھا۔ اس نے اپنی زیادہ تر زندگی غیر ملکیوں میں گزاری تھی وار غیر ملکی کی حیثیت سے کسی دوسرے ملک میں رہنا خاص طور پر تیسری دنیا

امید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ مگر کچھ ہوا تو نہیں۔ اس نے بڑی بے خونی سے کہا۔ وہ اس کے جواب پر گنگ رہ گیا۔ وہ ایک بار پھر ٹی وی کی جانب متوجہ تھی۔ کچھ ہو جاتا تو؟ اس نے تندی سے کہا۔
تو ہو جاتا۔۔۔ امید کی آواز میں تلخی تھی۔ وہ بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

راولپنڈی جانے سے پہلے تم نے ریوالور دیکھا تھا؟ کیا تب وہ یہیں تھا؟
اس بار امید کو اس کی آواز بہت سرد محسوس ہوئی تھی۔
مجھے یاد نہیں۔

تویا دیکھو۔ اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔
تم کیا سوچ رہے ہو کہ وہ ریوالور میں نے چھپایا ہے؟ وہ یک دم بھڑک اٹھی۔

میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔
جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔ اس سے یہی مطلب نکلتا ہے۔
تم اتنی باریک بین نہیں ہو کہ میرے لفظوں کے طلب جان سکو۔
میں جان سکتی ہوں اور جان چکی ہوں اور کیا یا جانتی ہوں، یہ تمہارے علم میں نہیں ہے۔ اس کے جملے پر مشتعل ہو کر اس نے کہا تھا۔

وہ بے حس و حرکت اسے دیکھتا رہا اور پھر اتنی ہی سرد آواز میں اس نے امید سے کہا۔ مثلاً کیا جان چکی ہو تم اور کیا کیا جانتی ہو تم جو میرے علم میں نہیں ہے۔ اس نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا۔ وہ یکدم سنبھل گئی۔

وہ اسے دیکھنے لگی۔۔۔۔۔ بات کو ختم کرو۔۔۔۔۔ ایک ریوالور کے لیے اتنا
تماشا کھڑا مت کرو۔ تم سوچ رہے ہو۔ ریوالور میری وجہ سے گم ہوا ہے۔ ٹھیک ہے میں
تمہیں اس کی قیمت دے دوں گی۔

وہ اس کی بات پر یکدم بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔ کیا مطلب تمہارا۔ قیمت دے
دوں گی۔۔۔ کون قیمت انگ رہا ہے تم سے؟

تو پھر اس ہنگامے کا اور کیا مقصد ہے؟ وہ جیسے دم بخود ہو گیا تھا۔

پہلے کتنی چیزوں کی قیمت لے چکا ہوں تم سے؟

میرے ایمان۔۔۔۔۔ میری زندگی کی۔۔۔۔۔ وہ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔

تمہیں پتا ہے کہ یہاں سے اس طرح ریوالور غائب ہونے کا مطلب کیا
ہے؟ وہ لائنس یافتہ ریوالور تھا۔ اگر کسی نے اسے یہاں سے غائب کر دیا ہے تو کسی
جرم میں استعمال ہونے کی صورت میں پولیس سیدھی میرے پاس آ جائے گی۔ میں
پکڑا جاؤں گا۔ میرا کیریئر داؤ پر لگ جائے گا اور جب تک وہ ریوالور غائب ہے ہمیں
خطرہ ہے۔ آخر کون ہے جو بیڈروم کی دراز سے ریوالور نکال کر لے گیا۔ اگر کوئی یہ کر
سکتا ہے تو ہو کچھ اور بھی کر سکتا ہے اور اگر یہ کام ملازم نے کیا ہے تو ہم اور بھی زیادہ
خطرے میں ہیں۔ چوکیدار کو بھی تم نے جانے دیا کہ کوئی ایمر جنسی ہے اسے۔ یہ سب
کچھ کوئی سازش بھی ہو ہو سکتی ہے۔ مجھے کسی سیکورٹی ایجنسی سے آج گاڑڈ منگوانا پڑے
گا۔ صبح تم ریوالور ڈھونڈنا ورنہ پھر مجھے پولیس کو ایف آئی آر لکھوانی پڑے گی۔ وہ بات
کرتے کرتے نون کی طرف بڑھ گیا۔ نون پر اس نے کسی سیکورٹی ایجنسی سے گاڑڈ کی
بات کی تھی۔ وہ بے بسی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کی یک چھوٹی سی لاپرواہی

نے ایمان کھتا ط کر دیا تھا۔

وہ بیڈروم سے نکل گیا تھا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اگلے چند منٹوں میں وہ پورے گھر کو چیک کر رہا ہوگا اور شاید ملازم کو بھی بلوالے اور ایسا ہی ہوا تھا۔ چند منٹوں کے بعد بیڈروم میں آ کر اس نے انٹرکام پر ملازم کو بلوالیا۔ وہ ہونٹ بھیچے اس کی مصروفیات دیکھتی رہی۔ وہ ایک بار پھر بیڈروم سے نکل گیا۔

چند منٹوں کے بعد وہ دوبارہ اندر آ گیا۔ صابر کور یوالور کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ اس نے امید کو جیسے مطلع کیا۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر ٹی وی دیکھتی رہی۔ وہ ایک بار پھر باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد امید نے بیل کی آواز سنی اس نے اندازہ لگایا کہ گارڈ باہر پہنچ چکا ہے۔

کوئی بات نہیں گارڈ تو باہر ہی ہوگا۔ وہ اندر آ کر تو کچھ نہیں کر سکے گا مگر پھر مجھے چوکیدار کو بھی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے ملازم اور چوکیدار کو صرف اس لیے وہاں بھیج دیا تھا کہ کسی بھی طرح کی کوئی مداخلت نہ ہو سکے اور وہ دونوں اس کے منصوبے میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ اب صورت حال بالکل الٹ ہو گئی تھی۔ ان دونوں کی عدم موجودگی ہی ایک رکاوٹ بن گئی تھی۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد گھر میں خاموشی چھا گئی تھی۔ ملازم واپس کوارٹر میں جا چکا تھا اور ایمان واپس بیڈروم میں نہیں آیا۔ اس کا مطلب تھا وہ اسٹڈی میں جا چکا تھا۔ پندرہ بیس منٹ انتظار کے بعد وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹی وی آف کرنے کے بعد محتاط انداز میں بیڈروم سے باہر آ گئی۔ لاونج کی لائٹ بند تھی۔ وہ کچھ مطمئن ہو کر اسٹڈی کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے نیچے اسٹڈی روم

میں جلنے والی روشنی باہر کوریڈور کو بھی روشن کر رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ جھک کر کی ہول سے اس نے اسٹڈی کے اندر کا منظر دیکھنے کی کوشش کی۔ اسٹڈی ٹیبل کا ایک کونہ نظر آ رہا تھا مگر کمپوٹر اور سامنے پڑی ہوئی کرسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اسٹڈی روم میں کوئی آواز سننے کی کوشش کی مگر نا کام رہی۔ اسٹڈی میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ سیدھی ہو گئی۔

چند لمحے اس نے اپنی ماہموار سانس اور تیز دھڑکن پر قابو پانے کی کوشش کی پھر دروازے کی ماب پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حتی المقدور احتیاط سے اس نے دروازے کی ماب گھما کر دروازہ کھول دیا۔ ایمان نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ کرسی خالی تھی وہ اسٹڈی کے ایک کون میں نماز پڑھنے میں مصروف تھا۔ وہ چند لمحے ہل نہیں سکی۔ یہ نماز کیوں پڑھ رہا ہے؟ جب یہ۔۔۔۔۔ اس کی وحشت میں اضافہ وہ گیا تھا۔

اسے ابھی بھی یاد تھا کہ اس کے آفس سے اسے یہی کہا گیا تھا کہ یہاں کوئی ایمان علی نہیں ہے اور ڈیٹیل ایڈگر کے بارے میں پوچھنے پر فوراً سے معلومات فراہم کر دی گئیں اور ایمان علی نے اس سے کہا تھا کہ وہ آفس میں اپنا نام تبدیل کر چکا ہے۔ وہاں سب سے ایمان علی کے نام سے ہی جانتے ہیں۔ پھر امریکا۔ وہ ویزا جواں نے مذہبی رسومات ادا کرنے کے لیے حاصل کیا تھا۔ کون سے مذہب کی رسومات؟ اور ایمان کے انکل کا وہ بیان کہ ڈیٹیل نے مذہب تبدیل نہیں کیا بلکہ اس نے انہیں یہ بتایا تھا کہ اس نے امید کے ساتھ اس کی رضامندی سے یہ طے کیا تھا کہ دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ اس کا ریزائن کرنا تب جب وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ بینک کا خالی اکاؤنٹ، رقم کا ٹرانسفر۔۔۔۔۔ اس کے ڈاکومنٹس کی عدم موجودگی،

اس کے پیرنٹس کا جرمنی سے یکدم غائب ہو جانا۔ وہ کس کس ثبوت کو جھٹلا سکتی تھی۔ ایک ماہ سے اس کا رابطہ نہ کرنا۔ ہر چیز نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ یقین کر لے کہ ایمان اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

واحد چیز جو اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ اس کی واپسی تھی۔ جب وہ اپنے سب کام نپٹا کر چلا گیا تھا تو واپس کیوں آیا تھا۔ اسے کون سی چیز پیچھے کھینچ لائی تھی اور وہ اتنا انتظار نہیں کر سکتی تھی کہ اس چیز کا کھوج لگاتی۔ وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ پھر غائب ہو جاتا اور اب۔۔۔ اب وہ یہاں اسٹڈی روم میں نماز پڑھ رہا تھا اور تب ہی ایک خیال نے اس کے وجود میں برقی رو دوڑا دی تھی۔

کیا وہ جانتا تھا میں یہاں آنے والی ہوں اور صرف مجھ پر ظاہر کرنے کے لیے اس نے یہ ڈھونگ رچایا ہے؟ وہ ساکت ہو گئی۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے آخر اسے کیسے پتا چل سکتا ہے کہ میں یہاں آنے والی تھی؟ کیا اس نے میری آہٹ سن لی تھی؟ مگر اسے آخر نماز پڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہیں وہ۔۔۔۔۔ یہ تو نہیں جان گیا کہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہوں؟ جب کچھ دیر پہلے میں نے اس کے فریب جھوٹ اور گناہ کا طعنہ دیا تھا تو کیا یہ سب کچھ سمجھ گیا تھا اور کیا اسی لیے ریو الوور غائب ہونے پر اتنا محتاط ہو گیا تھا۔ کیا اسے خدشہ تھا کہ میں اس ریو الوور سے اس پر حملہ کر سکتی ہوں اور پھر اس نے سوچا کہ اگر یہ سوئے گا تو۔۔۔۔۔ اور پھر اس نے اسٹڈی میں رہنے کا فیصلہ کیا اور سوچا کہ میں اسٹڈی میں آ سکتی ہوں اور پھر اس نے ایک با پھر مجھے فریب دینے کی کوشش کی۔

وہ ساکت کھڑی اسے نماز پڑھتے دیکھ کر کڑیوں سے کڑیاں لاری تھی اور سب کچھ جیسے صاف ہونا جا رہا تھا۔ تو اس کے علم میں سب کچھ آچکا ہے اور اب ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لائنڈ کھیل رہے ہیں میں صبح سے اسے دھوکا دے رہی تھی اور اب یہ مجھے دھوکا دے رہا ہے۔

اس کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ دروازہ بند کر کے وہ اسی طرح دبے قدموں شیف کی طرف چلی گئی۔ شیف کے پاس پہنچ کر کتابیں ہٹانے سے پہلے اس نے محتاط نظروں سے پیچھے دیکھا تھا۔ وہ رکوع کی حالت میں تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر چہرہ موڑ لیا۔ جن دو کتابوں کے پیچھے اس نے ریوالور رکھا تھا انہیں بڑی احتیاط سے اس نے نکال لیا۔ پھر وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت رہ گئی۔ ریوالور وہاں نہیں تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں کپکپاہٹ دیکھی۔ کیا اسے جال میں پھانستے پھانستے وہ خود اس کے جال میں پھنس گئی تھی اور اب جب میں پلٹ کر اسے دیکھوں گی تو وہ نماز چھوڑ کر اطمینان سے کھڑا مجھے دیکھ رہا ہوں گا اور اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ہوگی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے دونوں کتابیں اسی جگہ پر رکھ دیں۔ واپس پلٹنا شکست تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔ مگر اسے پلٹنا تھا۔ بوجھل قدموں کیساتھ وہ واپس پلٹی تھی اور ایک بار پھر ساکت رہ گئی۔ وہ اب سجدہ کر رہا تھا۔

کس حد تک فریب دینا چاہتا ہے یہ مجھے۔۔۔۔۔ اب یہ جاننے کے باوجود بھی کہ میں سب کچھ جان چکی ہوں اور اسے قتل کر دینا چاہتی ہوں یہ پھر بھی مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے۔ میری آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتا ہے۔ وہ مشتعل ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر رکوع کی حالت میں تھا۔

تب ہی اس کی نظر اسٹڈی ٹیبل پر جم گئی۔ ریو اور اسٹڈی ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔ مزید کچھ سوچنے کے بجائے وہ اسٹڈی ٹیبل کی طرف آئی اور اسے ریو اور اٹھا لیا۔ اپنے اندر اسے یک دم جیسے عجیب سی طاقت محسوس ہوئی تھی۔ ریو اور کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔ وہ ریو اور اٹھا کر ایمان کی پشت پر آ گئی تھی۔ ایمان نماز پڑھنے کے دوران کمرے میں اس کی آمد اور سرگرمیوں سے بے خبر نہیں رہا ہوگا۔ وہ جانتی تھی اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھا کر ایمان کی پشت کا نشانہ لیا تھا وہ سجدہ میں تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ دیا مگر کوشش کے باوجود وہ کوئی نہیں چلا سکی۔ اس نے کچھ بے بسی سے آنکھیں کھول دیں۔

یہ شخص فریب کر رہا ہے۔ مجھے دھوکا دے رہا ہے۔ مگر نماز پڑھ رہا ہے، جائے نماز پر ہے، میں اسے اس طرح کوئی کیسے مار سکتی ہوں جب میں صبح سے مناسب وقت کا انتظار کر رہی ہوں تو چند منٹ انتظار کر سکتی ہوں۔ صرف چند منٹ ہی کی تو بات ہے۔ وہ پیچھے ہٹی۔ کتابوں کے شیلف سے ٹیک لگائے وہ ایمان کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔ وہ اب سلام پھیر رہا تھا۔ امید نے بر رفتاری سے ریو اور اپنی پشت پر چھپا لیا۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نے بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ امید تمہیں کوئی کام ہے؟ اس نے امید کو مخاطب کیا۔ ہاں مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر گردن موڑ لی۔ میں نماز ختم کر لوں پھر بات کرنا ہوں۔

نہیں مجھے پہلے بات کرنی ہے۔ تم نماز چھوڑ دو اور اٹھ کر میری بات سنو۔

صرف آخری دو نفل رہ گئے ہیں وہ مجھے پڑھ لینے دو۔ تم جانتی ہو ہماری بات بہت لمبی ہو جائیگی اور نماز کو درمیان میں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔ اس نے نیت کر لی۔ اس نے زندگی میں کبھی کسی کو اتنی گالیاں نہیں دی تھیں جتنی اس نے اس وقت ایمان کو دل میں دیں۔ کیا ثابت کرنا چاہتا ہے یہ اپنی نماز سے مجھ پر۔۔۔ ابھی کیا باقی رہ گیا؟ کون سی جنت کی تلاش میں ہے یہ۔۔۔۔۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔

اس نے دو نفل ادا کیے پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ وہ منتظر تھی کہ وہ دعا کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہو اور وہ اسے شوٹ کر دے۔ دعا کرنے کے بعد اس نے کھڑے ہو کر جھک کر جائے نماز اٹھائی تھی اور اسے تہہ کرتے ہوئے امید کی طرف پلٹا تھا اور سکت رہ گیا تھا۔ وہ اس پر ریوالتورٹا نے ہوئے تھی۔ اس نے ایمان کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ ٹریگر دبا چکی تھی۔

پھر اس نے ایک بار نہیں کئی بار ٹریگر دبا یا تھا۔ کمرے میں کسی دھماکے کی آواز کو نہجی تھی نہ ایمان کے سینے پر گولیوں کا کوئی نشان نمودار ہوا تھا۔ ریوالتور خالی تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا۔ اسٹڈی میں ریوالتور رکھتے ہوئے اس نے خود گولیاں چیک کی تھیں۔ ریوالتور پوری طرح لوڈ ڈ تھا اور اب۔۔۔۔۔ تو یہ شخص گولیاں نکال چکا تھا اس لیے کہ میں۔۔۔۔۔

کیوں؟ کیوں قتل کرنا چاہتی ہو مجھے تم؟ اس نے ایمان کے منہ سے سنا تھا اور پھر وہ جیسے اپنے حواس کھو بیٹھی۔

ہاں میں مارنا چاہتی ہوں تمہیں اور مار دوں گی کیونکہ تم اسی قابل ہو۔ وہ بلند آواز میں چلائی۔ ایمان نے اسے کبھی چلاتے نہیں دیکھا آج وہ دیکھ رہا تھا۔

[illegible]

جھوٹ مت بولو۔۔۔ مت بولو اتنا جھوٹ۔۔۔۔۔ کم از کم اب تو نہیں
جب میں سب کچھ جان چکی ہوں۔ وہ حلق کے بل چلائی۔
کیا جان چکی ہو تم؟ وہ ابھی تک شاک میں تھا۔

تم اس قوم سے تعلق رکھتے ہوؤ پیدل ایڈگر جو منافق ہے، دوکے باز ہے، جھوٹی ہے، کمینہ ہے اور سازشوں میں اپنا ٹائی نہیں رکھتی۔ اس کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔

وڈ پیدل ایڈگر؟ ایمان نے بے یقینی سے زیر لب اپنا پرانا نام دہرایا۔

وہ کہہ رہی تھی۔ تم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا، وہ تمہارے خون میں رچا ہوا تھا۔ تم کو وہی کرنا تھا۔۔۔ آخر یہودی ہونا؟ وہ بدلتی رنگ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ کیا سوچا تھا تم نے کہ میں تمہارے ساتھ گناہ کی زندگی گزارتی رہوں گی اور مجھے کبھی پتا نہیں چلے گا اور پتا چلے گا تو بھی میں کچھ نہیں کروں گی۔ سمجھوتا کر لوں گی۔ ڈیویل ایڈگر تمہارا وجود مجھے کتنا گندا اور مکروولگ رہا ہے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے تم۔ میں ایمان علی ہوں، ڈیویل ایڈگر نہیں ہوں اور دوبارہ مجھے اس نام سے مخاطب مت کرنا۔ اس بار وہ مشتعل ہو گیا تھا۔

نام بدلنے سے تمہارا کردار بدل نہیں جائے گا؟ نام بدل کر کس کو دھوکا دینا چاہتے ہو؟

میں یہودی ہوں۔۔۔۔۔ نہ ڈیوئیل ایڈگر ہوا اور اب تم مجھے اس نام

سے پکارو گی تو میں تمہارے منہ پر تھپڑ ماروں گا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

امید نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریو الو رکھینچ کر اس کے ماتھے پر دے مارا۔ ایمان نے بچنے کی کوشش کی تھی مگر بچتے بچتے بھی ریو الو اس کی کپٹی سے کچھ اور لگا۔ درد کی ایک لہر اس کے سر میں دوڑ گئی۔

تم ڈنیل ہو۔ ایمان غلی کبھی نہیں ہو سکتے۔

وہ ہنٹ بھینچے یک دم آگے آیا۔ اب مجھے ڈنیل کہو۔ اس نے امید کو چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

میں تمہیں اسی نام سے پکاروں گی جو تم ہو ڈنیل۔ اس کے منہ پر اتنے زور کا تھپڑ پڑا کہ وہ فرش پر گر پڑی۔

کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم۔۔۔۔۔ یہ کہ تم بہت بڑے مسلمان ہو؟ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان گئی ہوں۔ میرے منہ پر تھپڑ مارنے سے پہلے اپنے آفس کے لوگوں کے منہ پر تمہیں تھپڑ مارنا چاہیے جہاں سب تم کو ڈنیل کہتے ہیں۔ جہاں کوئی ایمان غلی کو نہیں جانتا۔ بمبئی کے لوگوں کے منہ پر تھپڑ مارنا چاہیے جو تمہیں ڈنیل کہتے ہیں۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ایمان یک دم پیچھے ہٹ گیا۔

اپنے سارے ڈاکومنٹس میں تم ڈنیل ایڈگر ہو تو صرف میرے لیے ایمان غلی بننے کا ڈرامہ کیوں کیا۔ کیوں مجھے گندگی کی دلدل میں کھینچ لائے۔ مسلمان ہونے کا دھوکا کیا۔ فریب دیا اور اب مجھ سے جان چھڑا کر تم یہاں سے چلے جانا چاہتے ہو۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

مجھے یقین نہیں آتا، کوئی شخص اتنا جھوٹا، اتنا ذلیل اتنا بے ضمیر ہو سکتا ہے۔ جتنا تم ہو۔
 محبت کا فریب دے کر مجھ کو دوزخ میں پھینک دیا۔ اتنی جرات ہوئی چاہیے تھی تم میں کہ
 میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے بتاتے کہ تم مجھے چھوڑنا چاہتے ہو۔ اس طرح چوروں
 کی طرح فرار نہ ہوتے اور میرے ساتھ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی تم یہ توقع رکھتے
 ہو کہ میں تمہیں ایمان علی کہو اور تمہاری اس سچائی پر یقین کروں جو تمہارے پاس ہے ہی
 نہیں۔

میں نے تم کو کوئی دھوکا دیا ہے نہ تمہیں چھوڑ کر بھاگا تھا۔ میں یہاں کھڑا
 ہوں تمہارے سامنے۔

تم کہاں گئے جرمنی یا امریکا؟ اس کا خیال تھا ایمان کے چہرے کا رنگ اڑ
 جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا وہ خاموش رہا۔

امریکا۔ کاویز الیا تم نے مذہبی رسومات میں شرکت کے لیے۔۔۔ کون سی
 مذہبی رسومات، یہودیوں کا سالانہ اجتماع۔۔۔ تم آفس کے کام سے گئے تھے مگر وہاں تو
 تم ریز ان کر چکے ہو۔ تم نے بینک میں اپنا اکاؤنٹ بند کر دیا۔ اس گھر سے تمہارے
 سارے ڈاکومنٹس غائب ہیں۔ جرمنی میں تمہارے پیرنس اپنا گھر بیچ کر کہیں اور چلے
 گئے ہیں۔ کہاں گئے ہیں یہ صرف تم جانتے ہو۔ یہ گھر تم خالی کر رہے ہو مالک مکان کو
 انفارم کر چکے ہو۔ باہر پورچ میں کھڑی گاڑی کمپنی کی ہے جو اس ماہ کے ختم ہونے پر
 کمپنی واپس منگوا لے گی۔ اپنے ساتھ اپنی گرل فرینڈ کو بھی جرمنی لے کر گئے تھے۔ تم
 نے کہا تھا تمہارے سارے پیپرز میں تمہارا نام ایمان علی ہے۔۔۔۔۔ جھوٹ تھا
 یہ۔۔۔۔۔ تمہارے سارے پیپرز میں تمہارا نام اب بھی ڈیٹیل ایڈگر ہی ہے۔ اپنے

انگل سے تم نے یہ کہا کہ تم نے میرے ساتھ کوئی ایڈجسٹمنٹ کی ہے اور مذہب نہیں بدلا۔ ابھی بھی یہودی ہو اور یہ بات میں بھی جانتی ہوں لیکن مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تم مجھے ایک ہفتے کا کہہ کر جرمنی گئے تھے اور اس کے بعد یک دم رابطہ ختم کر دیا اور اب تم ایک ماہ بعد کس لیے آئے ہو۔ یہ میں نہیں جانتی مگر جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کی حقیقت میں ضرور جانتی ہوں۔

اس کا خیال تھا ایمان کے چہرے پر خوف ہوگا۔ شرمندگی ہوگی۔ وہ کوئی بہانا بنائے گا یا پھر معذرت کر لے گا۔ وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سرد اور بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس سے یہی سب کچھ سننے کی توقع رکھتا ہو۔ تمہیں چھوڑ کر چلا گیا، اس لیے تم نے مجھے شوٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح بے تاثر تھی۔

مجھے تمہارے چھوڑ کر جانے کی پروا نہیں ہے نہ ہی میں نے تمہیں اس وجہ سے۔۔۔ تم نے مذہب بدلنے کا فریب دے کر مجھ سے شادی کی۔ میں تمہیں تمہارے اس گناہ کے لیے مارنا چاہتی ہوں اور صرف تمہیں ہی نہیں، خود کو بھی۔ ایمان یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی کپٹی سے بہنے والا خون اس کی شرٹ کو بھگور ہاتھ مگر وہ اس زخم کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

کچھ اور کہنا چاہتی ہوتو وہ بھی کہو۔ میرا کوئی اور جھوٹ، اور فریب اور گناہ بھی میرے سامنے لاؤ۔۔۔ یا پھر کوئی اور الزام ہو تو وہ بھی لگا دو۔۔۔ آج سننا چاہتا ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لیے کتنا زہر ہے کتنی نفرت ہے، کتنی بد اعتمادی ہے۔ وہ تیز اور بے ترتیب سانس کے ساتھ مشتعل نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

امید تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تھا
'نہ ہی اب ہے۔

ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تو م۔ مجھے تم جیسے گٹھیا اور ذلیل آدمی کے ساتھ
شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔
ایمان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

تم نہیں جانتے اس ایک ماہ میں تم سے شادی کے فیصلے پر میں کتنا پچھتائی
ہوں۔ تم نے میری پوری زندگی تباہ کر کے رکھ دی۔ میرے سارے خوابوں، ساری
خواہشوں کو کوڑے کا ڈھیر بنا دیا اور میرے وجود کو ایک گٹر۔۔۔۔۔

میں نے یا جہاں زیب نے؟ وہ اس کے الفاظ پر ساکت رہ گئی تھی۔ وہ بے
خونی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لے کھڑا تھا۔
اس کا نام مت لو۔۔۔ وہ غریبی۔

کیوں نہ لوں؟ میں نے تمہارا بچ سنا ہے اب تم میرا بچ سنو۔ تمہاری زندگی
میں نے تباہ نہیں کی جہاں زیب نے کی۔ اس دن جس دن وہ تمہیں چھوڑ کر چلا گیا۔
اس کا نام مت لو۔ وہ یک دم چلائی۔

کیوں تکلیف ہوتی ہے؟ یا وہ یاد آنے لگتا ہے؟ اور کیا فریب دیا ہے
میں نے؟ کس گناہ کی دلدل کی بات کر رہی ہو؟ تم وہ عورت ہو جس سے محبت کی ہے
میں نے اور پھر شادی کی ہے۔۔۔۔۔ تمہارا بچہ میرا بھی بچہ ہے میں اپنی بیوی اور بچہ چھوڑ
کر بھاگ نہیں سکتا۔ تمہاری جگہ کوئی ایسی عورت بھی ہوتی جس سے مجھے محبت نہ ہوتی
وہ صرف میری گرل فرینڈ ہوتی تب بھی میں اس گرل فرینڈ اور اپنے بچے کو چھوڑ کر

بھاگتا نہیں۔ میں بے ضمیر نہیں ہوں۔۔۔۔۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے تم سے جھوٹ بولا۔ میں نے تم سے جھوٹ بولے ہیں۔ کچھ مصلحت کی خاطر اور کچھ تمہیں پریشانی سے بچانے کے لیے۔ مگر تم کو بیچ سننا ہو تو سنو۔ ہاں میں امریکا گیا تھا۔ پہلے جرمنی پھر امریکا۔ میں نے ویزا کی درخواست مذہبی رسومات میں شرکت کی وجہ بتا کر دی۔ مگر مذہبی رسومات میں جنازے میں شرکت بھی شامل ہے۔ میں یہودیوں کے اجتماع میں شرکت کرنے نہیں گیا تھا۔ میں اپنے ایک فیملی فرینڈ کی آخری رسومات میں شریک ہونے کے لیے گیا تھا۔ میرے ماں باپ گھر بیچ کر غائب نہیں ہو گئے۔ میں نے اپنے ماں باپ کو ایک دوسری جگہ گھر خرید دیا ہے پر لا گھر بیچ دیا۔ میں نے تم سے یہ کہا کہ آفس کے کام سے جا رہا ہوں جبکہ میں ریز ان کر چکا تھا؟ ہاں میں نے ریز ان کر دیا کیونکہ میرے کچھ اختلافات تھے جس کمپنی میں میں کام کرتا ہوں وہ بنیادی طور پر یہودیوں کی ہے اور میں یہاں اس کمپنی کی برانچ میں بہت اہم عہدے پر کام کر رہا تھا۔ میرا مسلمان ہونا اور میرے نام کی تبدیلی ان کے لیے ایک بڑا شاک ہوتی اس لیے میں نے اس بات کو چھپائے رکھا مگر ابھی کچھ عرصے سے میرے بارے میں کچھ افواہیں ان تک پہنچی تھیں۔ شاید اب بھی ان کو یہ یقین دلا دیتا کہ یہ صرف افواہیں ہیں مگر اب کچھ چیزیں بدل گئی ہیں۔

میں چاہتا تھا میرا بچہ جب اس دنیا میں آئے تو اسے کسی Identity Crisis (تشنص کا بحران) کا شکار نہ ہو نہ پڑے۔ میں مسلم ہوں تو مجھے ایک مسلم کے طور پر پہچانا جانا چاہیے۔ میں تمہارے اور اپنے بچے کے لیے کوئی مسائل کھڑے کرنا نہیں چاہتا تھا کوشش کر رہا تھا ہر چیز صحیح جگہ پر آ جائے اس لیے میں نے ریز ان کر دیا۔

وہ دم بخود اس کی باقی سن رہی تھی۔

تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ تم پریشان ہوگی۔ چند ہفتوں تک میرے پاسپورٹ اور دوسری ڈاکومنٹس میں تم میرا تبدیل شدہ نام اور مذہب دیکھ لوگی کیونکہ میں اس کے لیے اپلائی کر چکا ہوں اپنے سارے ڈاکومنٹس لے کر فرار نہیں ہوا۔ اس لیے ساتھ لے کر گیا تھا کیونکہ مجھے جاب کے لیے کچھ جگہوں پر اپلائی کرنا تھا۔ یہاں کچھ مائی نیشنل کمپنیز سے میری بات ہوئی مگر مجھے انٹرویو کے لیے ان کے ہیڈ آفس ہی جانا پڑا۔ بنیادی طور پر میں اسی لیے جرمنی اور امریکا گیا تھا۔ بینک اکاؤنٹس اس لیے بند کروادیا کیونکہ وہ کمپنی کی طرف سے کھلویا گیا تھا اس میں جو روپیہ تھا اس سے میں نے اپنے پیرنٹس کو جرمنی میں ایک نسبتاً بہتر جگہ پر گھر خرید دیا۔ وہ لوگ کہیں غائب نہیں ہوئے۔ یہ سچ ہے کہ میں گھر چھوڑ رہا ہوں۔ گاڑی بھی کمپنی واپس لے لے گی۔۔۔۔۔ تو؟ باہر جانے سے پہلے تمہیں فٹ پاتھ پر تو نہیں چھوڑ کر گیا۔

اس کی آواز میں تلخی تھی۔

یا تمہیں کسی نے گھر سے نکالا؟ اور میں گھر خالی کرنے کی ڈیٹ سے پہلے واپس آ چکا ہوں۔ تمہیں اگر نہیں بتایا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہیں اب بھی جہاں لے کر جاؤں گا وہ اتنا ہی اچھا گھر ہوگا۔ اس لی تمہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی اور کس گرل فرینڈ کی بات کر رہی تھیں تم۔۔۔۔۔ سنا تھا کی۔ اس کے چہرے پر اب ایک تلخ مسکراہٹ تھی۔

ہاں وہ میرے ساتھ جرمنی ضرور گئی تھی مگر میں اس کو لے کر بھاگا نہیں تھا یہ ایک اتفاق تھا کہ اسے بھی ان ہی دنوں واپس جانا تھا۔

امید کو لگ رہا تھا کہ اس کا وجود آہستہ آہستہ سرد ہوتا جا رہا تھا۔

تم سے رابطہ ٹوٹنے کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ امریکا۔ می۔ سڑک پر جاتے ہوئے دو آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا۔ میرا والٹ لے گئے اور میرے سر کی پشت پر کوئی چیز ماری۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ مجھے یاد نہیں۔ ہاسپٹل میں کئی دن کے بعد مجھے ہوش آیا اور اس دوران وہ لگ میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکے۔ کیونکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی مجھے ٹھیک سے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ میری یادداشت ٹھیک تھی مگر میں سب کچھ بھول جاتا تھا۔ یاد کرتے کرتے نامرل ہوتے ہوتے کچھ اور دن لگ گئے۔ اس کے بعد جب میں نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو تم یہاں نہیں تھی۔ راولپنڈی کا نمبر میرے والٹ میں تھا۔ اس لیے میں وہ بھی کھو بیٹھا۔ وہاں بھی تم سے رابطہ نہیں کر سکا۔ مگر میں نے سوچا کہ تم یہی سمجھی ہو گی کہ میں کچھ مصروفیات کی وجہ سے تم سے رابطہ نہیں کر پایا۔ اس لیے مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی۔

ہاں یاد آیا۔ تم انکل کی بات کر رہی تھیں۔ میں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ امید میں اپنے ماں باپ سے بہت محبت کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس خبر سے انہی تکلیف پہنچے۔ میرے مذہب تبدیل کرنے کا اعلان انہیں رشتہ داروں کی نظروں میں بہت بے عزت کر دیتا۔ وہ لوگ ان کا بایکٹ کر دیتے۔ وہ میرے ساتھ صرف اس لیے کبھی نہیں رہے کیونکہ وہ بڑھاپے میں اس علاقے میں رہنا چاہتے تھے جو ہمارا آبائی علاقہ ہے جہاں ہمارے سارے رشتہ دار اور وہ لوگ میرے مذہب تبدیل کرنے پر ان سے ناراض بھی ہوئے اس لیے میں نے انکل سے جھوٹ بولا بلکہ سب سے ہی مگر

یہ جھوٹ میں اب نہیں بولنا چاہتا تھا کیونکہ اب مجھے اپنی اولاد کے بارے میں بھی سوچنا تھا۔

وہ بات کرتے جیسے کچھ تھک کر رک گیا۔ امید بے یقینی کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

اس لیے میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ گھر خرید کر گفٹ کرنے کے بعد۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اس کے بعد جو ایک ہفتہ میں نے جرمنی میں گزارا وہ میری زندگی کا سب سے تکلیف دہ ہفتہ تھا۔ مجھے پہلے سمجھایا گیا، پھر ڈر لیا گیا اور آخر میں مجھ سے سارے تعلقات ختم کر لیے گئے۔ میں نے اپنے ماں باپ کو مذہب کے بارے میں کبھی اتنا کڑ نہیں دیکھا جتنا اس بار دیکھا۔ انہوں نے مجھے دوبارہ کبھی اپنی شکل نہ دکھانے کے لیے کہا ہے۔ اس بار واپس آتے ہوئے میں اپنی کشتیاں جلا کر آیا ہوں اور یہ آسان کام نہیں تھا مگر میں نے ایسا کر لیا۔ اب اگر تم میرے انکل کو فون کر کے ان سے میرے بارے میں کچھ پوچھو گی تو وہ میرا نام گالیوں کے ساتھ لیں گے۔

مذہب تبدیل کرتے ہوئے مجھے لگا تھا، یہ بہت آسان کام ہے مگر یہ آسان کام نہیں تھا۔ خاص طور پر مجھ جیسے شخص کے لیے جو رشتوں کو بہت اہمیت دیتا ہو۔ اپنے ماں باپ کو یہ حقیقت بتانے کے بعد میں نے ان کا جو رویہ دیکھا اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں سوچتا تھا خون کے رشتے گنوانے کے بعد میرے پاس کیا رہا ہے مگر مجھے خیال آیا کہ میں حساب کیوں کر رہا ہوں۔ مذہب میں نے سودے بازی کی خاطر تو نہیں بدلا۔ جب ایک رستے پر چل پڑا ہوں تو پھر یہ کیوں سوچوں کہ میں کیا چھوڑ کر جا رہا ہوں یا منزل پر پہنچ کر حاصل ہونے والی چیزیں ان چھوڑنے والی چیزوں

سے زیادہ اور بہتر ہوں گی یا نہیں۔ کوئی بھی انسان ایک وقت میں دو کشتیوں پر سوار نہیں ہو سکتا اور میں یہی حماقت کر رہا تھا۔ میں نے اپنی مرضی کی ایک کشتی کا انتخاب کر لیا۔ اب اس کے بعد میں ڈوبوں یا بچ جاؤں مجھیاں کی پروا نہیں ہے۔

امید کو لگ رہا تھا وہ جس کھائی میں اب گری تھی اس سے کبھی باہر نہیں آ سکتی۔ پھر جرمی مین مجھے تمہارا اور بچے کا خیال آیا اور میں سوچتا کہ ایسا بھی نہیں ہے کہ میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔ کچھ خونی رشتے جو مجھے چھوڑنے پرے ہیں ان کے بدلے میرے پاس دوسرے رشتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کو بھی تو ان کے سارے رشتہ داروں نے چھوڑ دیا تھا مگر پھر انہیں سب کچھ مل گیا تھا ڈ۔

وہ ایک بار پھر وہی ریفرنس دے رہا تھا جسے وہ اس کی مکاری اور فریب سمجھتی تھی۔ امید کا دل چاہا وہ ڈوب کر مر جائے۔

میری زندگی میں مذہب اتنا اچانک داخل ہوا کہ میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔ میرا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میری زندگی میں کوئی کمی نہیں ہے مگر باقاعدہ طور پر مذہب کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی بڑی کمی کا شکار تھا۔ یہ دو سال میری زندگی کے سب سے اچھے سال تھے مگر آج۔۔۔ آج تمہارے منہ سے یہ سب کچھ سن کر میں سوچ رہا ہوں کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔۔۔ اور میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ ابھی آگے مجھے کس کس آزمائش سے گزرنا پڑے گا۔ ہر آسمانی مذہب انسان کو آزماتا ضرور ہے مگر اسلام تو انسان کو کچھ اور ہی طرح سے آزماتا ہے۔ یہ ایسی آزمائشیں سامنے لے آتا جو بندے کو کندن بنا دیتی ہیں یا پھر راکھ کا ڈھیر۔ اور پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ سے میں بھی ایسی ہی آزمائشوں سے گزر رہا ہوں۔ کندن بننے میں مجھے بڑا وقت

لگے گا مگر مجھے فخر ہے کہ میں راکھ کا ڈھیر نہیں بنا۔

امید نے اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

جب میں بالکل مطمئن ہو چکا تھا تھا کہ میرا کیریئر بن چکا ہے چند ماہ تک میری پرموشن ہونے والی تھی اور پھر اپنی کمپنی کی ریجنل ہیڈ بن جانا مگر میرے سامنے دو راستے آ گئے۔ مجھے انتخاب کرنا تھا اور میں نے انتخاب کر لیا۔ ریز ان کر دیا۔ عجیب بات ہے مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے اور اب اتنے سالوں کے بعد ایک بار پھر مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے۔ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میرے ماں باپ مجھے اس طرح چھوڑ دیں گے۔ مجھے لگتا تھا میرا ان کے ساتھ تعلق بہت گہرا ہے اور میں ان کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتا مگر میں نے ان کی ناراضی کی پروا نہیں کی۔ ایک بار پھر مجھے انتخاب کرنا پڑا اور میں نے اپنے مذہب کو ان پر ترجیح دی اور اب تم میرے سامنے ایک آزمائش بن کر آ کھڑی ہوئی ہو۔ بے یقینی اور بے اعتمادی کی انتہا کے ساتھ۔ ڈیٹیل ایڈگر میرے وجود کا سایہ بن چکا ہے۔ یہ ساری عمر میرے ساتھ رہے گا۔ کوئی بھی شخص اپنا حال اور مستقبل تو بدل سکتا ہے مگر ماضی بدل نہیں سکتا۔ یہ حقیقت ہمیشہ حقیقت ہی رہے گی کہ میں اک یہودی کا بیٹا ہوں اور میری ماں کرپشن ہے مگر میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اس حوالے سے ساری عمر مجھے گالیاں دوگی اور شک کرو گی؟ تم تو شادی سے پہلے ہی جانتی تھیں کہ میں یہودی ہوں میری نسل کی خصوصیات کے بارے میں تم نے تب کوئی نہیں سوچا؟

اس کے پاس ایمان کے سوال کا جواب نہیں تھا۔ اس کے پاس شاید اب کسی

بھی سوال کا جواب نہیں تھا۔

میری چند ہفتے کی غیر موجودگی میں تم نے میرے خلاف اس طرح ثبوت اکٹھا کیے جیسے میں کوئی بہت خطرناک مجرم تھا جس سے جتنی جلدی چھٹکارا پایا جاتا، اتنا ہی بہتر ہوتا۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے چور کو بھی صفائی کا موقع دیا جاتا ہے تم نے تو مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا۔ مجھے قتل کرنے کی پلاننگ کر لی۔

اس نے سر جھکا لیا۔ یہ سب کچھ نے سے پہلے مجھ سے پوچھ سکتی تھیں، مجھ پر شک تھا تو مجھ سے بات کر سکتی تھی۔ میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے لیکن میں نے سوچا کہ محبت نہ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ محبت ہو نہیں سکتی۔

امید نے اپنے پیروں کی انگلیوں پر پانی کے چند قطرے گرتے دیکھے تھے۔ میرا خیال تھا کچھ وقت گزرے گا پھر تم مجھ سے محبت کرنے لگو گی۔ میری محبت، میری توجہ، میرا ایثار، میری قربانیاں تمہارا دل جیت لیں گی۔ تم میرے پر واکر کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی، کوئی فلم ہو نا دل ہو، ڈرامہ ہو یا پھر حقیقی زندگی ان سب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ جہاں زیب تمہاری زندگی کا ایک ایسا باب تھا جسے تم بند کر چکی ہو۔ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ تم نے اسے ہمیشہ اپنے اور میرے درمیان رکھا۔ تم نے اس شخص کو کبھی اپنی زندگی سے جانے ہی نہیں دیا۔

اس نے اپنی منٹھیاں بھیج لیں۔ ہاتھوں کی لرزش کو چھپانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں تھا۔ ایمان کے لمبے میں جھلکتا ملال اس کے پورے وجود کو لرزا رہا تھا۔ تمہیں پتا ہے امید۔ اس شخص نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے تمہارے اندر بے یقینی کا ایک بیج بو دیا اور تم نے اس بیج کو سنبھال کر درخت بنا دیا۔ اب بے یقینی اور بے اعتمادی کا یہ درخت اتنا تناور ہو چکا ہے کہ تم چاہو بھی اسے کاٹ نہیں سکتیں۔

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ ایمان بھی کبھی اس سے یہ سب کہہ سکتا ہے۔

کوئی شخص اپنی بند مٹھیوں میں دھول لے کر آتا ہے اور آپ کی آنکھوں میں دھول پھینک کر چلا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کی بند مٹھی میں دھول ہی ہو جس سے بچنے کے لیے آپ کو اپنی آنکھیں بند کرنا پڑیں۔ کم از کم میری مٹھیوں میں تمہارے لیے کوئی دھول نہیں ہے۔ وہ اسے اپنے ہاتھ دکھا رہا تھا۔ میں نے کبھی محبت کے وجود پر یقین نہیں کیا۔ شاید۔۔۔۔۔ شاید اسی لیے مجھے محبت ہو گئی اور میری محبت نے مجھے یقین اور ایمان دیا۔ تم نے ہمیشہ محبت کے وجود پر یقین کیا۔ محبت تمہیں بھی ہوئی مگر تمہاری محبت نے تمہیں یہ دونوں چیزیں نہیں دیں۔ وہ بالکل بے حس و حرکت اس کی باتیں سن رہی تھی۔

ہم دونوں کی محبت کے معیار میں فرق تھا نہ انتہا میں۔ جس شخص سے محبت کر رہے تھے اس شخص میں فرق تھا۔ تم میں کھوٹ نہیں تھا جہاں زیب میں تھا۔ آگ کا کام پکارنا ہوتا ہے اس پر سونا رکھو گے تو وہ اسے کندن بنا دے گی مگر پانی رکھو گے تو بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔

اسی لگ رہا تھا سب کچھ ختم ہو رہا ہے۔

ہم دونوں کے رشتے میں دراڑ آ گئی ہے مگر رشتہ ٹوٹا نہیں ہے امید۔ ہمیں یہ ابھی طے کر لینا چاہیے کہ اس دراڑ کو پر کر دینا چاہیے یا رشتہ مکمل طور پر توڑ دینا چاہیے۔ کوئی مجھے جان بوجھ کر ڈیٹیل ایڈگر کہے گا تو میں برداشت نہیں کروں گا۔ ڈیٹیل ایڈگر سے ایمان غلی بننے تک میں نے ایک لمبا سفر طے کیا ہے۔ بہت کچھ چھوڑا ہے اور جس

شخص کو میری شناخت پر یقین نہیں ہے مجھے اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا۔
اس کے لیے میں قطعیت تھی۔

تمہیں چھوڑتے ہوئے مجھے بہت تکلیف ہوگی۔ اس سے کہیں زیادہ
تکلیف جتنی مجھے اپنے ماں باپ کو چھوڑتے ہوئے ہوئی مگر میں اب کسی کسوٹی پر پرکھا
جانا نہیں چاہتا۔ میں بار بار لوگوں کو وضاحتیں پیش کر سکتا ہوں نہ یہ یقین دلا سکتا ہوں
کہ میں واقعی مسلم ہوں۔ میں کسی کو یہ یقین دلانا بھی نہیں چاہتا۔ میں نے لوگوں کے
لیے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہ کام میں نے اللہ کے لیے کیا ہے اور میری نیت کو جانچنے کا
اختیار صرف اسے ہے۔ کسی دوسرے کو نہیں، تمہیں بھی نہیں۔
وہ اس کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اگر تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے یا یہ شبہ ہے کہ میں ابھی بھی مسلم نہیں ہوں تو
پھر تمہیں مجھ کو چھوڑ دینا چاہیے۔ مجھ سے الگ ہو جانا چاہیے۔ اس کی آواز میں شکستگی تھی
۔ میرے ساتھ رہ کر اگر تم خوش نہیں ہو تو تمہیں حق ہے کہ تم میرے ساتھ نہ رہو۔ مگر
اپنے ذہن سے یہ نکال دو کہ میں تمہیں چھوڑ کر بھاگ گیا یا آئندہ کہیں بھاگ جاؤں
گا۔ میں تمہیں اپن بچے کو مکمل طور پر اپنا تا ہوں۔ تم میرے بچے کو اپنے پاس رکھ سکتی
ہو میں تم دونوں کی ذمہ داری لیتا ہوں جب تک بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہو رکھ سکتی ہو۔
اگر دوسری شادی کرنا چاہو اور بچے کو پاس نہ رکھنا چاہو تو میں اسے اپنے پاس لے
جاؤں گا۔ ابھی میں پاکستان میں ہی ہوں، جتنا عرصہ یہاں رہوں گا تم دونوں سے
رابطے میں رہوں گا۔ اگر واپس کہیں اور جانا پڑا تب بھی تم لوگوں کے اخراجات پورے
کرنا رہو گے۔ اس کے بدلے میں یہ ضرور چاہوں گا تم مجھے اپنے بچے سے ملتے رہنے

اسے شاید پہلی بار اپنی کپٹی سے بننے والے خون کا احساس ہوا تھا اپنے زخم کو اس نے ہاتھ سے چھوا اور پھر انگلیوں پر لگے ہوئے خون کو دیکھا۔ سر اٹھا کر اس نے امید کو دیکھا۔ شاید وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر وہ کچھ کہنے کے بجائے اسٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر اس نے کچھ نکالا تھا اور پھر امید کی طرف اچھال دیا۔ امید نے اپنے پیروں میں گرنے والی اس چیز کو دیکھا اور ہنوت بھیج لیے۔ وہ ریوالور کی کولیاں تھیں۔

مجھے اگر ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال آ جاتا کہ یہ ریوالور یہاں تم نے مجھے مارنے کے لیے رکھا ہے تو میں کبھی اس میں کولیاں مانکا کرتا۔ موت تمہارے منہ سے نکلنے والے لفظوں سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ زمین میں دھنسی جا رہی تھی۔

مجھے تم سے اس قدر محبت ہے امید کہ تمہیں اتنی لمبی چوڑی پلاننگ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چوکیدار کو بھیجنار ریوالور کو چھپانا، ملازم کو غائب کرنا۔۔۔ وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔ تم جب چاہتیں میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے مار سکتی تھیں، میں کبھی تمہارا ہاتھ نہیں پکڑتا نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچاتا۔ چاہو تو ابھی آ زما کر دیکھ لو۔ وہ کچھ دیر اس کے سامنے جیسے منتظر کھڑا رہا۔ یوں جیسے اسے یہی کرنے کی دعوت دے رہا ہو۔ وہ ہل نہیں سکی۔ ہوتھکے تھکے انداز میں اسٹڈی کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ امید نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی مگر وہ اسٹڈی سے نکلنے کے بجائے وہیں رک گیا۔

تم اگر پچھتا رہی ہو تو مت پچھتاؤ۔۔۔ میں تمہیں اس سب کے لیے

معاف کرنا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اسٹڈی کا دوروازہ بند ہو گیا۔



وہ اسٹڈی سے نکل کر کچن میں آ گیا۔ فریج کھول کر اس نے پانی کی بول نکالی اور ڈانگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا۔ گلاس میں پانی ڈال کر اس نے پانی کے چند گھونٹ پیے۔ سر میں کچھ دیر پہلے لگنے والے زخم کی تکلیف کا احساس اسے اب ہو رہا تھا مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھیکہ وہ اٹھ کر زخم کو صاف کر کے بینڈیج کرنے کی کوشش کرنا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسائے کہمیان ٹیبل پر رکھے وہ سامنے پڑے ہوئے گلاس کو دیکھتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہونے والے واقعات اسے ایک خواب کی طرح لگ رہے تھے۔ مگر وہ جانتا تھا کہ وہ سب خواب نہیں تھا۔

وہ جیسے دنیا کے آخری سرے پر آ کھڑا ہو گیا تھا۔ واپس جانے کا راستہ وہ بھول چکا تھا۔ آگے قدم بڑھانے پر پیر کے نیچے زمین آئے گی، خلا آئے گا یا پھر پانی، وہ نہیں جانتا تھا۔

کیا میں اب اس طرح اکیلا رہ سکتا ہوں جس طرح امید کے آنے سے پہلے رہتا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں میں پہلی بار نمی لگتی محسوس ہوئی۔ ہونٹ بھیج کر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ تھکن کا احساس کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر اپنی پشت کرسی سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

ڈانگ ٹیبل کے اوپر ٹٹکنے والے لیمپ کی روشنی میں ڈانگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ایمان کے علاوہ ہر چیز دھندلی نظر آ رہی تھی اس کا وجود اس روشنی

میں بے حس و حرکت نظر آ رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر پڑنے والی روشنی چہرے پر
موجود ہر تاثر کو واضح کر رہی تھی۔ تھکن۔۔۔۔۔ مایوسی۔۔۔۔۔ انفرادی
۔۔۔۔۔ بے یقینی۔۔۔۔۔ بے چینی۔۔۔۔۔ اضطراب اور۔۔۔۔۔ امید
۔۔۔۔۔ وہاں کیا تھا؟۔۔۔۔۔ وہاں کیا نہیں تھا؟

☆۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔☆

پھر بھی ہر ہفتے تم عبادت کے لیے توبہ قلندگی سے جاتے ہو۔ سبل نے اسے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

ہاں جانا ہوں۔ میرے لیے وہاں جانے کی اہمیت عبادت سے زیادہ ایک روایت کی حیثیت سے ہے۔ ماں باپ نے ایک عداوت بنا دی ہے۔ مگر مجھے اس روٹین سے الجھن نہیں ہوتی۔ جہاں دوسرے بہت سے کام ہوتے ہیں، چلو بھی سہی۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔

اتنی مصروفیات زندگی میں مذہب کے لیے وقت نکالنا واقعی بہت مشکل کام ہے۔ مجھے تمہاری اس روٹین پر بہت حیرت ہوتی ہے۔ خود مجھے تو ہفتے بلکہ مہینے میں ایک بار بھی چرچ جانا بہت مشکل لگتا ہے۔ سبل نے کندھے اچکا کر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں نے کہا، مجھے عادت ہو چکی ہے۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں۔ پیٹرک کھانے سے تقریباً فارغ ہو چکا تھا۔

پیٹرک ایڈگر جرمنی کے ایک اچھے یہودی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا خاندان بہت کڑم کے یہودیوں پر مشتمل تھا۔ پیٹرک کے ماں باپ بھی بہت زیادہ مذہبی تھے۔ اپنی ساری اولاد کو انہیں نے اسی راتے پر چلانے کی کوشش کی۔ ہٹلر کے زمانے میں جرمنی میں یہودیوں کو بڑے پیمانے پر قتل کرنے کے بعد باقی یہودیوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔

پیٹرک کی فیملی بھی اس زمانے میں امریکا آ گئی تھی مگر جرمنی کے دو کلچرے ہونے کے بعد جب یہودیوں نے آہستہ آہستہ واپس جرمنی جانا شروع کیا تو پیٹرک

کی فیملی بھی واپس چلی گئی۔ مگر پیٹرک نے اپنے ماں باپ کے ساتھ واپس جانے کے بجائے امریکہ میں ہی سیٹل ہونے کا فیصلہ کیا۔ ماں باپ کی مخالفت اور ناراضگی کے باوجود وہ اپنے اس فیصلے پر قائم رہا۔ امریکہ میں اس کو اپنے لیے سب کچھ خود بیکرنا پڑا۔ کیونکہ اس کی فیملی واپس جا چکی تھی اور واپس جانے کے بعد وہ نئے سرے سے وہاں سیٹل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لیے ان کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ پیٹرک کی کسی بھی طرح سے مالی مدد کرتے۔

پیٹرک نے میکینکل انجینئرنگ کرنے کے کچھ عرصے بعد ایک بہت اچھی امریکن کمپنی میں ملازمت کر لی۔ اس ملازمت کے کچھ عرصے کے بعد جب وہ اپنے والدین کے پاس دو ہفتے کی چھٹیاں گزارنے جرمنی آیا ہوا تھا تو اس کی ملاقات سبل سے ہوئی۔

سبل ایک ٹکس عیسائی تھی۔ پیٹرک کی طرح وہ بھی اپنے والدین کے ساتھ جرمنی میں آ کر سیٹل ہو گئی تھی۔ دونوں کے درمیان فرق صرف یہ تھا کہ پیٹرک کا آبائی وطن جرمنی ہی تھا اور سبل کا آبائی وطن ترکی تھا۔ دونوں کے درمیان بڑی تیزی سے رابطہ بڑھے اور پھر یہ روابط شادی کے پر پوزل تک آ گئے۔

شادی کے اس پر پوزل پر دونوں کے خاندان نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ پیٹرک کے والدین چونکہ کٹر یہودی تھے اس لیے وہ پیٹرک کی شادی بھی اپنی کمیونٹی کی کسی لڑکی سے کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف سبل ایک کیتھولک گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور یہودیوں کے بارے میں اس کے ماں باپ کو بہت زیادہ اعتراضات تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ کسی عیسائی فیملی میں ہی شادی کرے مگر دونوں

نے اپنے خاندان کے اختلافات کے باوجود شادی کر لی۔

☆-----☆-----☆

شادی کے بعد سبل پیٹر کے ساتھ امریکا آ گئی اور وہاں اس نے ایک معروف ادارے میں جرمین ٹرانسلیٹر کے طور پر کام شروع کر دیا۔ کافی عرصہ تک دونوں کے خاندان اس شادی پر ناراض ہی رہے مگر پھر آہستہ آہستہ دونوں کے خاندانوں نے اس شادی کو قبول کر لیا۔

پیٹرک اور سبل میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ دونوں کے خاندان مذہبی اور کٹر تھے۔ ان کی تربیت ایک مخصوص ماحول میں ہوئی تھی۔ جہاں اخلاقیات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ دونوں ہی بہت سوشل نہیں تھے۔ شاید اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے خاندان میں ہر کسی سے میل جول بڑھانے کا رواج نہیں تھا۔ بہت سے معاملات کے بارے میں ان کا نقطہ نظر خاصا قدامت پرست تھا۔ سبل کی پیدائش اور پرورش ترکی میں ہوئی تھی اور اس پر اس معاشرے کا خاصا اثر تھا جس میں اس نے پرورش پائی تھی۔

لباس کے معاملے میں وہ لاشعوری طور پر بہت محتاط ہو گئی تھی۔ مغربی معاشرے میں رہنے کے باوجود وہ ایسے لباس کو پسند نہیں کرتی تھی وجہ اس کے جسم کو پوری طرح سے ڈھانپ نہ سکتا ہو اور ایسا لباس پہننے سے وہ ہمیشہ گریزاں رہتی تھی۔ پیٹرک بھی اس معاملے میں خاصا قدامت پرست تھا۔ وہ خود بھی سبل وک اس طرح کے کپڑوں میں دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں شراب پیتے تھے مگر اس کا استعمال صرف کسی فنکشن میں ہی کرتے تھے۔ سبل کے ذہن پر اس معاملے میں اپنے والدین کے

بچپن سے دیے جانے والے واعظ کا خاصا اثر تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب پیٹرک بعض دفعہ گھر میں بھی شراب پینے کی کوشش کرتا تو وہ اسے روک دیا کرتی تھی۔ دونوں کا حلقہ احباب محدود تھا ورنہ بھی ان ہی لوگوں پر مشتمل تھا جو ان ہی کی طرح کچھ اخلاقی قد ریں رکھتے تھے۔ دونوں کی زندگی میں کسی نہ کسی حد تک مذہب کا عمل دخل رہا تھا اور امریکہ میں رہنے کے باوجود یہ عمل دخل کم نہیں ہوا تھا۔

شادی اگر وہ امریکہ میں کچھ زیادہ عرصہ گزارتے تو ان کے طرز زندگی میں اور خیالات میں نمایاں تبدیلیاں آ جاتیں مگر امریکہ میں آنے کے ایک ڈیڑھ سال بعد ہی پیٹرک کی کمپنی نے اسے رادون میں بھجوا دیا جہاں وہ کچھ بڑے تعمیراتی پروجیکٹس کے لیے تین سال رہا۔ تین سال کے بعد اسے ٹل ایسٹ کے ہی ایک اور ملک مراکش میں بھیج دیا گیا۔ وہاں اس کا قیام دو سال رہا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ان دونوں کو ٹل ایسٹ اور ایشیا کے بہت سے ملکوں میں رہنے کا اتفاق ہوا اور ان میں زیادہ تر ممالک مسلم تھے۔ یورپ یا امریکہ میں لمبے قیام کا انہیں موقع نہیں ملا۔ اس لیے ان کی قدامت پرستی نہ صرف برقرار رہی بلکہ اس میں کسی حد تک اضافہ بھی ہوا۔

سب مختلف ممالک میں قیام کے دوران مختلف سفارشات خانوں کے تحت چلنے والے اسکولز میں پڑھاتی رہی۔ وہ ایک بہت مہربان اور فیاض قسم کی لڑکی تھی۔ پیٹرک کیساتھ اس کی بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی اور مذہب کے فرق کے باوجود وہ اس کے ساتھ ایک بہت اچھی زندگی گزار رہی تھی۔ مذہب کے بارے میں دونوں بہت زیادہ بات نہیں کرتے تھے۔ مذہبی روایات کی پیروی کرنے کے باوجود مذہبی رسومات پر عمل کرنا ان کے لیے خاصا مشکل ہو گیا تھا اور آہستہ آہستہ مذہب ان کی

زندگی میں ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔



ڈبیل کی پیدائش مراکش میں ہوئی اور اس کی پیدائش پر پہلی بار پیٹرک اور سبل اس الجھن کا شکار ہوئے کہ ڈبیل کو کس مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔ دونوں کی خواہش تھی کہ وہ ان کے مذہب کو اختیار کرے مگر دونوں ہی ایک دوسرے کے سامنے اس خواہش کا اظہار کرنے سے جھجکتے تھے اور اس کشمکش میں ڈبیل کسی مذہب کو اختیار کیے بغیر ہی پرورش پائے لگا

پہلی بار دونوں کے درمیان ڈبیل کے مذہب کے بارے میں تب بات ہوئی جب پیٹرک سبل کے ساتھ چھٹیوں میں جرمنی گیا تھا۔ پیٹرک اور سبل کے ماں باپ نے ڈبیل کو پہلی بار دیکھا تھا۔ ڈبیل اس وقت دو سال کا تھا۔

پیٹرک کے والدین کو اتفاقاً یہ پتا چل گیا پیٹرک نے ڈبیل کے مذہب کے حوالے سے ابھی کچھ طے نہیں کیا۔ اس بات نے انہیں بھڑکا دیا تھا۔

وہ تمہارا بیٹا ہے، اسے یہودی ہونا چاہیے۔ اس معاملے میں کسی دوسری سوچ کا سول ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے باپ نے سختی سے پیٹرک سے کہا۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر آپ جانتے ہیں کہ سبل کیتھولک ہے اور اس طرح میں ڈبیل کے مذہب کے بارے میں اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کروں گا تو اسے اعتراض ہوگا۔ پیٹرک نے وضاحت پیش کی۔

میں اسی لیے چاہتا تھا کہ تم سبل سے شادی نہ کرو۔ اس کے باپ کے اشتعال میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

بہر حال سبل کو اس معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اولاً وہ ہمیشہ
وہی مذہب اختیار کرتی ہے جو باپ کا مذہب ہوتا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے ڈیڈی اولاد کو وہی مذہب اختیار کرنا چاہیے جو اس کو
اپنی طرف متوجہ کرے۔ جس میں اسے دلچسپی محسوس ہو۔

پیٹرک نے ان کے غصے کو کم کرنے کی مگر اس کوشش نے الٹا اثر کیا
تھا۔ ایڈگر کچھ اور بھڑک گیا۔

مجھے عقل سکھانے کی کوشش مت کرو۔ تمہارے دماغ می یہ خناس بٹھانے
والی تمہاری بیوی ہے۔ تم اپنے بیٹے کو یہودی نہیں بناؤ گے تو کیا کیتھولک بناؤ گے؟
اس بارے میں ابھی ہم دونوں نے کچھ طے نہیں کیا۔

تم دونوں کو کچھ طے کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہ اک پیدائی یہودی
ہے اور یہودی ہی رہے گا۔ ایڈگر نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

پیٹرک نے ان سے مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموش ہو گیا۔ مگر
جرمنی سے واپس آنے کے فوراً بعد اس نے سبل سے اس سلسلے میں بات کی۔

ہمیں ڈیڈیل کے بارے میں کچھ طے نہیں کرنا چاہیے۔ وہ کون سا مذہب
اختیار کرتا ہے یہ اس کے ہاتھ میں دے دینا چاہیے۔ بہت ممکن ہے کہ ابھی ہم اس کے
لیے جس مذہب کا انتخاب کریں۔ بڑا ہو کر وہ اس کے بجائے دوسرے مذہب کی
طرف راغب ہو جائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں اس کو اپنے اپنے مذہب
کے بارے میں ساری معلومات دیتے رہیں۔ اسے اپنے ساتھ عبادت اور دوسری
رسوم میں بھی شریک کرتے رہیں مگر باقاعدہ طور پر اسے یہودی یا عیسائی بنانے کی

کوشش نہ کریں۔ سبل نے جیسے ایک تجویز اسے کے سامنے رکھ دی تھی۔

مگر سبل میری فیملی کو اس پر اعتراضات ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بچہ پیشہ وہی مذہب اختیار کرتا ہے جو اس کے باپ کا ہو اس لیے ڈیٹیل کو بھی یہودی مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔

سب نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بات سنی۔ میرے کاندان والوں کو بھی اس پر بہت سے اعتراضات ہیں ان کا خیال ہے کہ بچے کی ماں میں ہوں اور میں اس کے لیے اچھے اور برے راستے کا تعین بہتر طور پر کر سکتی ہوں، کیونکہ بچہ باپ کی نسبت ماں سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لیے اسے میرا مذہب اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن میں نے ان کے اس اعتراض کو رد کر دیا۔ میں نے اپنے والدین سے یہی کہا ہے کہ ڈیٹیل اپنی مرضی سے اپنے لیے مذہب کا انتخاب کرے گا اور اپنی مرضی سے کیا جانے والا یہ انتخاب ہمارے باہمی رشتے پر اثر انداز نہیں ہوگا مگر اس طرح صرف خاندان کے دباؤ پر کیا جانے والا کوئی بھی فیصلہ ہمارے باہمی تعلق اور اعتماد کو بری طرح متاثر کرے گا۔

پیٹرک خاموش ہو گیا۔ وہ واقعی اتنا مذہبی نہیں تھا کہ صرف مذہب کی خاطر اپنے اور سبل کے رشتے کی قربانی دے دیتا۔ یا باہمی تعلقات میں آنیوالی کوئی دراڑ قبول کر لیتا۔ مذہب ویسے بھی ان کے لیے ایک اضافی چیز تھی، روٹین میں شامل کوئی ایسی ضرورت نہیں تھی جسے پورا کرنے کے لیے وہ باہمی اختلافات کو بھی برداشت کر لیتے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سبل نے دوبارہ اس کا فیصلہ پوچھا تو اس نے بھی اس کی تجویز سے اتفاق کر لیا کہ ڈیٹیل کے لیے اپنی مرضی سے مذہب کا انتخاب ہی بہتر رہے گا۔

ڈیٹیل اسی ماحول میں پرورش پاتا رہا۔ ماں اسے اپنے مذہب کے بارے میں بنیادی باتوں سے آگاہ کرتی رہتی۔ باپ اسے اپنے مذہب کے بارے میں بتاتا رہتا۔ جب بھی سبل اور پیٹرک عبادت کے لیے اپنی اپنی عبادت گاہوں میں جاتے وہ ڈیٹیل کو بھی ساتھ لے جاتے۔ وہ بڑی دلچسپی سے یہودیوں اور کیتھولک کی مذہبی رسومات دیکھتا۔ اس کے لیے یہ سب ایسا ہی تھا جیسے مہینے میں کبھی تھیٹر چلنے جانا یا پارک میں تفریح کے لیے جانا۔ وہ دونوں جگہ جا کر انجوائے کرتا تھا۔

شروع میں پیٹرک ہر ہفتے اپنی عبادت گاہ باقاعدگی سے جایا کرتا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی یہ روئین تبدیل ہوتی گئی۔ ویسے بھی دوسرے ممالک میں یہودیوں کی عبادت گاہوں کی تعداد کم تھی اور اس کا زیادہ تر قیام ایسے علاقوں میں ہوتا تھا۔ جہاں پر اکثر ان کی عبادت گاہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس سبل وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باقاعدگی سے چرچ جانے لگی۔ پیٹرک کے برعکس اسے ہمیشہ ہی عبادت کے لیے ہر جگہ کوئی نہ کوئی چرچ مل ہی جایا کرتا تھا۔ امریکہ میں قیام کے دوران اس کی سرگرمیوں کی نوعیت دوسرے ممالک میں قیام سے مختلف ہوتی تھی۔ ان ممالک میں اس کی سرگرمیاں زیادہ محدود ہوتی تھیں۔ ایمپسی کے اسکول میں پڑھانے کے بعد اس کا زیادہ تر وقت گھر پر ہی گزرتا تھا اور ڈیٹیل پر ماں کے خیالات و نظریات کا اثر گہرا ہوتا گیا۔

اس نے ماں سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کچھ لاشعوری طور پر اور کچھ شعوری طور پر۔ سبل عیسائی ہونے کے باوجود مشرقی روایات کو نہ صرف پسند کرتی تھی بلکہ بہت سی مشرقی روایات اس نے اپنائی بھی تھیں۔ مشرق کے لیے یہ پسندیدگی ڈیٹیل میں بھی

منتقل ہوئی تھی اس نے اپنی ابتدائی زندگی ایسے ماحول میں گزاری تھی جہاں مغرب کی آزادی کا نہ صرف کوئی تصور نہیں تھا بلکہ اس آزادی کو نا پسند بھی کیا جاتا تھا۔ اسکولز میں بھی وہ زیادہ تر مسلمان اسٹوڈنٹس کے ساتھ ہی پڑھتا رہا اور وہاں بھی آزادی کے کسی نئے تصور سے وہ آشنا نہیں ہو سکا۔ گھر آنے کے بعد وہ سارا وقت سبل کے ساتھ ہی گزارا کرتا تھا۔ کیونکہ غیر ملکی ہونے کی حیثیت سے سبل اور پیٹرک باہر آمد و رفت میں خاصے محتاط تھے۔ ان کا آنا جانا مخصوص فیملیز میں تھا۔ ڈینیئل اگر کبھی سیر و تفریح کے لیے کہیں جاتا بھی تو سبل اور پیٹرک کے ساتھ ہی۔



پندرہ سال کی عمر میں وہ واپس امریکا آیا تھا اور امریکا آ کر وہ ایڈجسٹمنٹ کے پرابلمز سے دوچار ہونے لگا تھا۔ امریکا میں آ کر ملنے والی آزادی کو پسند کرنے کے بجائے وہ نا پسند کرنے لگا تھا۔ اس کے لیے یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اس کے نظریات سے میچ نہیں کرتی تھی۔ ماں باپ کی طرح وہ بھی خاصا ریز رو تھا اور اس کی یہ عادت خوبی کے بجائے ایک خامی کی طرح اسے ہر جگہ بہت زیادہ نمایاں کرنے لگی۔

پاپا میں واپس انڈیا جانا چاہتا ہوں۔ اس نے امریکا آنے کے بعد ایک دن پیٹرک سے کہا تھا۔ پیٹرک کی آخری پوسٹنگ انڈیا میں ہوئی جہاں دو سال قیام کے دوران وہ دارجلنگ کے ایک بورڈنگ میں پڑھتا رہا تھا۔ پیٹرک نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔

کیوں ڈینیئل؟

میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ یہاں سب کچھ بہت عجیب ہے۔ اسکول میں

میرے کلاس فیلوز ڈرگز استعمال کرتے ہیں اور۔۔۔۔۔ وہ کہتے کہتے رک گیا۔ مجھے ان کی عادتیں اور حرکتیں پسند نہیں ہیں۔

پیٹرک نے اسے غور سے دیکھا وہ بہت بے چین اور مایوس نظر آ رہا تھا۔
میں جانتا ہوں ڈیبل یہاں کا ماحول کچھ اور طرح کا ہے مگر تمہیں خود کو اس کا
عادی بنانا چاہیے کیونکہ اب تمہیں اعلیٰ تعلیم یہیں حاصل کرنی چاہیے۔
پاپا مجھے اسکول کا ماحول پسند نہیں ہے۔

میں تمہیں کسی دوسرے بہتر اسکول میں داخل کروا دیتا ہوں۔
پاپا مجھے یہاں کی زندگی پسند نہیں ہے۔ میں یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتا۔
مجھے لگتا ہے میں کسی ایلین کی طرح غلط جگہ پر آ گیا ہوں۔ میرے کلاس فیلوز میرا مذاق
اڑاتے ہیں۔ بے ہودہ باتیں کرتے ہیں۔

تم انہیں نظر انداز کر دیا کرو۔ ہر جگہ کا اپنا ایک مخصوص کچر ہوتا ہے۔ یہاں کا
طرز زندگی یہی ہے۔ سبل نے پہلی بار گفتگو میں صہ لیتے ہوئے کہا۔
لیکن می مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔

مجھے بھی نہیں ہے مگر بہر حال ہمیں یہیں رہنا ہے سبل نے کہا۔
آپ مجھے انڈیا بھیج دیں۔ میں اپنا اے لیولز وہاں سے کر لوں گا۔ اس کے
بعد پھر کسی بھی یونیورسٹی میں یہاں آ جاؤں گا۔

وہاں تعلیم کا معیار اچھا نہیں ہے بلکہ کسی بھی ایشیائی ملک میں ایسا نہیں ہے۔
تمہیں یہاں رہ کر اپنا مانی سکول مکمل کرنا ہوگا۔ اس کے بعد تم اپنی مرضی کی یونیورسٹی
میں چلے جانا۔ ان دو چار سالوں میں تم یہاں ایڈجسٹ ہو جاؤ گے پھر یونیورسٹی میں

تعلیم کے دو ان تمہیں ایڈجسٹمنٹ کی کوئی پر اہم نہیں ہوگی۔ سبل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ویسے بھی تمہیں جاب کرنی ہوگی اور اچھی جاب تمہیں کسی ایشیائی ملک میں نہیں مل سکتی۔ جہاں تک کلاس فیلوز کی حرکتوں یا عادتوں کا تعلق ہے، تمہیں ان سے اتنا میل جول بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اگر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں تو اڑانے دو۔ جن لوگوں میں اخلاقیات کی کمی ہوتی ہے وہ اپنے رویے اور طور طریقے سے یہ بتاتے رہتے ہیں کہ وہ کتنی خامیوں کا مجموعہ ہیں۔ اب انہیں کاؤنٹر کرنے کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ دوسرا بھی اپنی ویلیوز کو چھوڑ دے۔ انہیں ان کے راستے پر چلنے دو اور تم اپنے راستے پر چلتے رہو۔ سبل نے اسے سمجھایا۔

اس دن ماں کی باتیں اسے نے بہت غور سے سنیں اور ہمیشہ کی طرح ذہن میں بٹھالیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ خود کو اس نئے ماحول میں ایڈجسٹ کرنے لگا تھا۔ اسٹڈیز میں وہ بچپن سے ہی بہت اچھا تھا اور چند ماہ کے اندر وہ اپنی کلاس میں بھی یہ ظاہر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے امریکن اسٹائل سے مختلف اطوار نے جہاں پہلے اسے مذاق کا نشانہ بنوایا تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہی اطوار اس کی ایک امتیازی خوبی بن گئے تھے۔ اس نے بچپن سے برٹش اور سیز اسکولز میں تعلیم پائی تھی اور امریکیوں کے برعکس وہ نیک سک سے درست انگلش زبان کا استعمال کرتا تھا۔ انگلش کے ساتھ ساتھ وہ جرمن زبان میں لکھ اور پڑھ سکتا تھا جبکہ عربی اور کسی حد تک اردو زبان بھی وہ بول لیتا تھا۔ اگرچہ وہ ان زبانوں میں لکھ یا پڑھ نہیں سکتا تھا۔

اس کی اس خصوصیت کی انکشاف نے یکدم ہی اسے اپنی کلاس اور کس حد تک اسکول میں پاپولر کر دیا تھا لینگویج کی کلاس میں ایک دن اتفاقاً اس کے ٹیچر کو اس بات

کا پتا چلا تھا کہ وہ جرمن زبان پر بھی دسترس رکھتا ہے۔

تو ڈیٹیل تم دو زبانوں کو استعمال کر سکتے ہو؟ ٹیچر نے اسے سراہتے ہوئے کہا۔

دونہیں چار۔۔۔۔۔ عربی اور اردو بھی۔ اگرچہ میں انہیں لکھ پڑھ نہیں سکتا مگر اس میں گفتگو کر سکتا ہوں۔ مدہم آوا میں کہے گئے جملے نے یک دم ہی پوری کلاس کو سر موڑ کر اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ ستائش بھی تھی۔

چار زبانیں۔۔۔۔۔ زبردست۔۔۔۔۔ مگر چار زبانیں کیسے؟ میرا مطلب ہے عربی اور اردو؟

میرے ڈیڈی بہت عرصے سے مڈل ایسٹ اور ایشیا کے ممالک میں کام کرتے رہے ہیں۔ میری پیدائش بھی مراکش میں ہوئی اس لیے عربی بولنا آگئی اور پچھلے دو سال سے ہم لوگ انڈیا میں تھے۔ وہاں لوگوں سے بات چیت انگریز یا اردو میں ہی ہوتی تھی۔ اس لی اس کو بھی استعمال کرنا آگیا۔

اردو یا ہندی۔۔۔۔۔ ٹیچر نے وضاحت چاہی۔

جو بھی سمجھ لیں۔ ڈیٹیل نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

تمہارا ذہن بہت زرخیز ہے ڈیٹیل۔ انہوں نے بے اختیار اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ وہ اپنی تعریف پر مسکرا کر جھینپ گیا۔ اس دن اسکول کے کیفے ٹیریا میں ہر ایک اسی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ لڑکیوں کی اس میں دلچسپی یک دم بہت بڑھ گئی تھی۔ اس کے خدو خال ویسے بھی صنف نازک کے لیے خاصی کشش کا باعث

تھے۔ ترکش ماں اور جرمن باپ کی ساری اچھی خصوصیات اس میں آئی تھیں۔ گرم ممالک میں رہنے کی وجہ سے اس کی رنگ بھی بالکل سفید ہونے کی بجائے ہلکی گندمی ہو گئی تھی۔ ڈارک برائون آنکھوں اور جیٹ بلیک بالوں کے ساتھ اس رنگ نے اس کو اس پورے جھوم سے مختلف کر دیا تھا۔ اسکول کے شروع دنوں میں اس کے جس شرمیلے پن، کم گوئی اور ریزور ہونے کی خصوصیات نے اسے کلاس فیلوز کے مذاق کا نشانہ بنایا تھا اب وہی اس کا چارم بن گئے تھے۔ لڑکیوں کو اس میں مشرق کی پراسراریت نظر آنے لگی تھی اور اس بات نے جہاں لڑکیوں میں اس کی مقبولیت میں اضافہ کیا وہاں لڑکوں میں اس کے لیے رقابت بھی بڑھا دی۔

اس کے بارے میں اسکول میں کیا کیا باتیں ہوتی تھیں۔ کیا رائے رکھی جاتی تھیں۔ اسے اس کی پروا نہیں تھی اس نے واقعی اپنی ماں کی بات کو اپنے ذہن میں بٹھالیا تھا۔ وہ اسکول آتا۔ کلاس فیلوز سے ہیلو ہائے کرتا۔ بریک کے دوران اکیلے بیٹھ کر لنج کرتا۔ گیمز کے پیریڈ کے دوران انسٹرکٹر کے ساتھ چیس کھیلنے کی پریکٹس کرتا یا سوئمنگ کرتا اور اسکول میں ہونے والی پارٹیز سے غائب رہتا۔ لڑکیوں کی طرف سے ہونے والی پیش قدمیوں کو وہ بڑے اطمینان کے ساتھ رد کر دیتا۔ اس کا یہ انکار اس کی کاشش اور مقبولیت میں کچھ اور اضافہ کرتا۔

☆-----☆-----☆

پھر ان ہی دنوں اسے اسکول بینڈ میں گانے کا موقع ملا اور اسی دوران جب ایک گفتگو کے دوران اس سے اس کے ٹیچر نے مذہب کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا۔

میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ سادگی سے کہے گئے اس کے اس جملے پر ٹیچر کے ساتھ سارا گروپ ہنسنے لگا۔ انہوں نے اس کی اس بات کو مذاق سمجھا تھا۔
تمہارے فادر کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟ ٹیچر نے دلچسپی سے پوچھا۔
وہ یہودی ہیں۔

اس کا مطلب ہے تم یہودی ہو۔

نہیں۔ میں یہودی نہیں ہوں کیونکہ میری مدر کی تھولک ہیں۔

تو کیا تم ان کے مذہب کو اپنائے ہو؟

نہیں میں دونوں میں سے کسی بھی مذہب کو اختیار نہیں کیے ہوئے ہوں۔

میں بڑا ہو کر یہ فیصلہ کروں گا کہ مجھے کس مذہب کو اختیار کرنا ہے۔ اس نے اسی طرح سنجیدگی سے کہا۔

اس کے بارے میں انکشاف نے اسکول میں ایک نئے قسم کا تجسس پیدا کر دیا تھا۔

وہ یہودی نہیں ہے، وہ عیسائی بھی نہیں ہے مگر وہ دونوں مذاہب پر یقین کرنا ہے اور دونوں جگہ عبادت کے لیے جاتا ہے اور وہ بڑا ہو کر یہ فیصلہ کرے گا کہ اسے کون سا مذہب اختیار کرنا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے۔ اس کے بارے میں ہونے والی چہ میگوئیوں کا لباب یہی ہوتا تھا۔

☆-----☆-----☆

اس کی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔ وہ ڈرنک نہیں کرتا۔ وہ اسموکنگ بھی نہیں کرتا۔ وہ کلاسز بنک نہیں کرتا۔ وہ فلمیں نہیں دیکھتا۔ وہ کسی کے ساتھ لڑائی نہیں کرتا۔

وہ پیسے لانے کے بجائے گھر سے لنچ لے کر آتا ہے۔ وہ صبح اپنی ماں کے ساتھ گاڑی میں اسکول آتا ہے اور پھر مقررہ وقت پر ادھر ادھر وقت ضائع کرنے کے بجائے گیٹ پر اپنی ماں کے آنے کا انتظار کرتا ہے تاکہ واپس گھر جاسکے۔ وہ چارز بائیں بول سکتا ہے وہ سترہ ممالک میں رہ چکا ہے۔

اس کے بارے میں ہر بات کیرولین کی فنگر ٹپس پر تھی۔ وہ ڈیٹیل کی کلاس فیلو تھی اور ان لڑکیوں میں شامل تھی وج ڈیٹیل میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لیتی تھیں۔ ڈیٹیل اتنا ریزر رہتا تھا کہ کیرولین کو خود اس کی طرف بڑھنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اس کوشش میں تھی کہ کوئی ایسا موقع اس کے ہاتھ آئے جس سے وہ ڈیٹیل کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ایک دن یہ موقع اس کے ہاتھ آئی گیا۔

کلاس اسٹڈی ٹور پر جاری تھی اور اسکول بس میں جب سب بچے سوار ہو رہے تھے تو اتفاقاً کیرولین دیر سے اسکول پہنچی اور وہ بھی اس وقت جب اس کی ساری فرینڈز اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکی تھیں۔ ایک آخری سیٹ جو بچی تھی وہ ڈیٹیل کے ساتھ تھی اور وہ بھی اس کی طرح کچھ دیر سے پہنچا تھا۔ کیرولین کا دل بے اختیار دھڑکا۔ ڈیٹیل نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا اور ساتھ والی سیٹ سے اپنا بیگ اٹھا لیا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ کوئٹر چل پڑی تھی۔ ڈیٹیل بڑی بے نیازی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا جبکہ کیرولین سوچ میں پڑی ہوئی تھی کہ اس سے کیسے بات کا آغاز کرے۔ کوئٹر میں گانے گائے جا رہے تھے۔ قہقہے کونج رہے تھے۔ تالیاں بج رہی تھیں۔ ڈیٹیل باہر دیکھتے دیکھتے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وقتاً فوقتاً اندر دیکھتا اور پھر باہر متوجہ ہو جاتا۔ کیرولین مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھی۔ اسے اچانک ایک

خیال آیا اور اس نے اپنے بیگ سے ایک چاکلیٹ نکالا سپر کھول کر اس نے خود کھانے کے بجائے ڈیبل کی طرف چاکلیٹ بڑھاتے ہوئے سے مخاطب کیا۔
تم کھاؤ گے؟

ڈیبل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نہیں شکریہ۔
کیوں نہیں؟ کیا تم چاکلیٹ پسند نہیں کرتے۔ کیرو لین نے اصرار کیا۔
بہت زیادہ نہیں۔

مجھے بہت پسند ہے۔ کیرو لین نے بات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ڈیبل مسکرا کر
ایک بار پھر باہر دیکھنے لگا۔

تم زیادہ باتیں نہیں کرتے۔ کیا تمہیں باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا؟ کیرو لین
نے چاکلیٹ کھاتے ہوئے ایک بار پھر مخاطب کیا۔
نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ڈیبل نے مختصر وضاحت کی۔
مگر تمہارے بہت زیادہ دوست نہیں ہیں؟
ہاں بس ویسے ہی۔

اور کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں ہے؟
وہ مسکرایا۔

کیا تمہیں لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں؟

ڈیبل کچھ جھینپ کر مسکرایا۔ کیرو لین کے لیے اس کے چہرے کی سرخی بڑی
انوکھی چیز تھی۔ اس نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
کیا تم مجھ سے دوستی کرو گے؟

اس بار ڈیٹیل نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

میں بہت اچھی دوست ثابت ہو سکتی ہوں۔ کیرولین نے اسے یقین دلایا۔
ڈیٹیل کچھ الجھن میں گرفتار ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس رد عمل کا اظہار کرے۔ وہ پہلی لڑکی تھی جس نے اس طرح پاس آتے ہی اسے سیدھی دوستی کی آفر کی تھی۔

کیا دوستی ہو سکتی ہے؟ وہ ایک بار پھر پوچھ رہی تھی۔

ہاں۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔ اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔ کیرولین کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔ اس نے اپنا دیاں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ڈیٹیل نے کچھ جھجکتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔

دونوں کے درمیان گفتگو باقاعدہ طور پر شروع ہو گئی تھی۔ زیادہ تر کیرولین ہی بات کرتی رہی اور اس نے ڈیٹیل سے بہت ساری باتیں پوچھی تھیں۔ اس کی پسندنا پسند کے بارے میں، اس کی فیملی کے بارے میں اس کے متوقع کیریئر کے بارے میں، ڈیٹیل اس کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ کیرولین نے اسے اپنے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس نے ڈیٹیل کے بارے میں لڑکیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بھی اسے آگاہ کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سنتا رہا۔ ہائی اسکول میں کسی لڑکی کے ساتھ ہونے والا یہ اس کا پہلا تفصیلی رابطہ تھا۔

کیرولین بہت دلچسپ لڑکی تھی۔ اس نے سفر کے دوران ڈیٹیل کو بہت سے دلچسپ قصے بھی سنائے۔ ڈیٹیل کے لیے ماں کے علاوہ کسی دوسری لڑکی سے ملنے اور اس طرح گفتگو کرنے سے پہلا موقع تھا اور یہ تبدیلی اسے بہت نئی اور اچھی لگ رہی تھی۔

اسٹڈی ٹور کے دوران ہی دونوں کے درمیان اس حد تک دوستی ہو چکی تھی کہ وہ دونوں اپنے فون نمبر اور ایڈریس ایک دوسرے کو دے چکے تھے اور ان کی دوستی صرف ان ہی تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ اسٹڈی ٹور کے دوران ہی سب کی نظروں میں آ چکی تھی۔ ڈیٹیل پہلی بار کسی لڑکی سے اتنی دیر تک گفتگو کرتا رہا تھا اور وہ بھی مسکراتے ہوئے اور کیرو لین پورے ٹور کے ساتھ اس کے ساتھ ہی لگی رہی تھی۔ کلاس کی لڑکیوں کے لیے یہ جیسے ایک شاک تھا۔

دوسرے دن جب ڈیٹیل اسکول آیا تھا تو پہلے کی طرح آتے ہی کلاس میں چلے جانے کے بجائے ہ کیرو لین کے ساتھ اسکول کے گراؤنڈ میں پھرتا رہا تھا اس کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا تھا۔



رات کو بسل ڈنر تیار کر رہی تھی جب فون کی گھنٹی بجی تھی۔ فون اٹھائے پر ایک لڑکی نے اپنا تعارف ڈیٹیل کی دوست کے حوالے سے کر دیا اور ڈیٹیل کو بلوانے کے لیے کہا۔ سبل کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ ڈیٹیل نے اسے اپنے کسی دوست کے بارے میں نہیں بتایا تھا اور پھر گرل فرینڈ؟ وہ بے حد حیران ہوئی۔ وہ ڈیٹیل کے کمرے کی طرف گئی۔ دروازہ کھٹکھٹا کر وہ اندر داخل ہوئی۔ ڈیٹیل اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے مڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔

تمہارا فون ہے۔ سبل نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

میرا فون؟ وہ کچھ حیران ہوا۔

ہاں تمہاری دوست ہے کیرو لین۔

ڈیپیل کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ یک دم اس نے ماں کے چہرے سے نظر ہٹا لی۔

میں ابھی آتا ہوں۔ اس نے مدھم آواز میں کہا۔ سبل کے کچھ کہے بغیر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

وہ کچھ دیر کے بعد لونگ روم میں داخل ہوا اور فون پر آہستہ آہستہ آواز میں باتیں کرنے لگا۔ سبل نے کچن سے اسے دیکھا تھا۔ چند منٹ بعد بات کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا اور واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس دن سبل نے اس سے کیرولین کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔

اگلے دن صبح اسے اسکول لے جاتے ہوئے اس نے ڈیپیل سے پوچھا۔ تم نے دوست بنالیے؟

ڈیپیل نے ڈرائیونگ کرتی ہوئی ماں کو دیکھا۔ زیادہ نہیں بس ایک۔

سبل نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ کیرولین؟

وہ بھی جواباً اِثباتی انداز میں مسکریا۔

کیسی لڑکی ہے؟

بہت اچھی ہے۔ وہ جھینپتے ہوئے بولا۔

اس کی فیملی کیسی ہے؟

اس کے فاردر وکیل ہیں۔ میں سوشل ورکر ہیں۔ ایک چھوٹا بھائی ہے وہ بھی

ہمارے ہی اسکول میں ہے۔ ڈیپیل نے ماں کو تفصیلات بتائیں۔

تمہاری دوستی کیسے ہوئی؟ سبل نے سرسری انداز میں پوچھا۔

ڈیپیل نے ماں کو ساری تفصیلات بتا دیں۔ وہ خاموشی سے سوچتی رہی۔

مجھ سے ملو او اے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسے اسکول کے گیٹ پر

ڈراپ کرتے ہوئے سبل نے کہا۔

کیا میں اسے گھر آنے کی دعوت دوں؟

ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم اسے چائے کی دعوت دو۔

اس دن ڈیپیل نے کیرولین کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ اس نے بغیر

کسی اعتراض کے اس کی دعوت قبول کر لی۔

وہ اگلی شام کو ڈیپیل کے گھر آئی اور دروازہ کھولتے ہی ڈیپیل کا چہرہ سرخ ہو

گیا تھا۔ وہ ایک ٹاپ لیس ڈریس پہنے ہوئے تھی۔ ڈیپیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس

سے کس طرح پیش آئے۔ کیرولین نے ہیلو کہتے ہی بڑی بے تکلفی کے ساتھ اس سے

گلے ملتے ہوئے اس کے ایک گال کو چوم لیا۔ ڈیپیل کچھ بوکھلا گیا تھا۔ اسے اندر لے

جاتے ہوئے وہ اسے گھر آنے کی دعوت دینے پر پچھتا رہا تھا۔ سبل نے پہلی ہی نظر میں

اس لڑکی کو ناپسند کیا تھا مگر اس نے اپنے چہرے سے یہ ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی۔ اسے

حیرانی ہوئی تھی کہ ڈیپیل کو اس میں کیا بات اچھی لگی جو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کیرولین کو چائے سرو کرتے ہوئے سبل اس سے کرید کرید کر سوال پوچھتی

رہی جبکہ ڈیپیل بالکل بکھا ہوا تھا۔ چائے پینے کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر کیرولین واپس چلی

گئی۔ ڈیپیل دروازہ بند کر کے اندر آیا تو وہ بہت شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ سبل خاموشی سے

برتن سمیٹ رہی تھی۔ وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد سبل بھی اس کے

پاس آ کر بیٹھ گئی۔

تمہیں اس میں کیا چیز اچھی لگی ڈیٹیل؟ اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

وہ فرینڈ لی تھی مگر میں نہیں جانتا تھا وہ اتنی بولڈ ہے۔ سبل کچھ دیر خاموشی سے دیکھتی رہی پھر وہاں سے اٹھ گئی۔

اگلے دن ڈیٹیل اسکول می پہلے کی طرح ریڑر تھا۔ کیرو لین اس کے اس رویے پر حیران تھی اور وہ بار بار اس سے اس کی وجہ پوچھتی رہی مگر وہ خاموشی سے اس کے سوالوں کو نظر انداز کرتا رہا۔ اگلے چند دن اس کی ناراضی برقرار رہی تھی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ کیرو لین کے ساتھ اس کے تعلقات بحال ہو گئے تھے۔ دونوں میں ایک بار پھر پہلے جیسے بے تکلفی ہو گئی۔

☆-----☆-----☆

ان ہی دنوں ایک شام کیرو لین نے اسے نائب کلب میں آنے کی دعوت دی۔ اس نے کچھ تامل کیا مگر کیرو لین کی ضد پر وہ رضامند ہو گیا۔

مجھے اپنی مدر سے اجازت لینا ہوگی۔ اس نے کیرو لین سے کہا۔

ٹھیک ہے تم اپنی مدر کو بتا دو میں شام کو تمہارا انتظار کروں گی۔ کیرو لین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اس دن اسکول سے واپس آتے ہوئے ڈیٹیل نے سبل کی کیرو لین کی دعوت کے بارے میں بتایا۔ وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

تم ڈیٹ پر جانا چاہتے ہو؟ اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ وہ کچھ جھینپ گیا۔

سبل گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے گھر کی طرف جانے کے بجائے ایک قریبی

پارک میں آگئی۔ ڈیٹیل حیران ہوا تھا۔

ہمیں آج کچھ باتوں کا فیصلہ کرنا ہے ڈیٹیل۔ گھر کے بجائے یہاں ہم یہ کام بہتر طریقے سے کر سکیں گے۔ وہ اسے لے کر پارک کے قریب موجود ایک فاسٹ فوڈ پر آگئی۔ برگر کھاتے ہوئے اس نے ڈیٹیل سے بات شروع کی۔

میں جانتی ہوں۔ اب تم بڑے ہو رہے ہو۔ شاید لڑکیوں سے دوستی بھی کرنا چاہتے ہو ان کے ساتھ ڈیٹ پر جانا چاہتے ہو۔ یہ بڑی فطری سی بات ہے مگر ڈینی کیا تم نہیں سمجھتے کہ ڈیٹس پر جانے کے لیے ابھی تم بہت چھوٹے ہو۔ ابھی تم سولہ سال کے نہیں ہوئے۔ اتنی جلدی کسی لڑکی کے ساتھ ڈیٹ یا جسمانی طور پر انوالو ہونا تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ تم سمجھ رہے ہو کہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟ وہ سب کا چہرہ دیکھتا رہا۔

آج کرو لین تمہیں مائیب کلب میں انوائٹ کر رہی ہے کل اور کسی کام کے لیے انوائٹ کرے گی۔ تم انکار کیسے کرو گے؟ وہ اب کافی کے سپ لے رہی تھی۔ ابھی تم نے زندگی کا سفر شروع نہیں کیا۔ ابھی تو صرف پہلا قدم اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو۔ پہلا قدم ہموار زمین پر رکھنا چاہیے پتھریلی یا غیر ہموار زمین پر نہیں۔

میں یہ نہیں چاہتی کہ تم لڑکیوں سے دوستی مت کرو۔ تم لڑکیوں سے دوستی کرو مگر اپنے لیے کچھ حدود کا تعین کر لو کہ عمر کے کس حصے تک تمہیں کس لڑکی سے کیسے تعلقات رکھنے ہیں اور جب تم بڑے ہو جاؤ۔ اپنا کیریئر اسٹیبلش کر لو تو ٹھیک ہے پھر تم اس معاملے میں بھی اپنے لیے فیصلہ کر سکتے ہو۔ مگر ابھی نہیں۔ وہ بے حد سنجیدگی سے ماں کی بات سن رہا تھا۔

کیرویلین جیسی بہت سی لڑکیاں تمہاری طرف بڑھیں گی۔ کیا تم ہر ایک کے ساتھ اس طرح ڈیٹ پر جایا کرو گے۔ تمہیں یاد ہے نا۔ یہاں آ کر تم نے اسی چیز کے بارے میں سب سے پہلے شکایت کی تھی۔ بل نے اسے کچھ یاد دلاتے ہوئے کہا۔ تمہاری انفرادیت یہ ہے ڈیٹیل کہ تم ان سرگرمیوں میں انوالو نہیں ہوئے، اسی لیے تم سب کو مختلف اور منفرد لگتے ہو۔ لڑکیوں کو بھی اسی وجہ سے تم میں کشش محسوس ہوتی ہے۔ اور جب تم بھی ان ہی سرگرمیوں کو اپنالو گے تو تمہاری کشش ختم ہو جائے گی پھر تم بھی ہجوم کا حصہ بن جاؤ گے۔ تمہارے اسکول میں بہت سے ڈیٹیل ہوں گے تم بھی انہی میں سے ایک بن جاؤ گے۔ مجھے تمہیں بس اتنا ہی سمجھانا تھا۔ اگر پھر بھی تم کیرویلین کے ساتھ ڈیٹ پر جانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بل نے بات ختم کر دی تھی۔

آپ کو میرا اس طرح جانا پسند نہیں ہے؟ ڈیٹیل نے ساری بات سن کر بڑے پرسکون انداز میں سر اٹھا کر پوچھا۔

نہیں مجھے اس عمری تمہارا اس طرح لڑکیوں کے ساتھ جانا پسند نہیں ہے۔ بل نے صاف کوئی سے کہا۔

تو ٹھیک ہے میں نہیں جاؤں گا اور یہ میں اس لیے نہیں کروں گا کہ میری انفرادیت یا کشش ختم ہو جائے گی یہ صرف اس لیے کروں گا کیونکہ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتیں اور میں آپ کو خواہشات کا احترام کرنا چاہتا ہوں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہمیشہ سے کرنا آ رہا ہوں۔ اس نے سنجیدگی سے جیسے بات ختم کر دی۔

بل کی آنکھوں میں ایک چمک نمودار ہوئی تھی۔ اسے بے اختیار ڈیٹیل پر

فخر اہوا۔

اس شام اس نے کیرولین کو فون پر انکار کرتے ہوئے بتا دیا تھا کہ وہ آئندہ بھی اس کے ساتھ کہیں نہیں جاسکتا۔ وہ بگڑ گئی تھی اور اس نے فون پٹخ دیا۔ اگلے دن اسکول میں بھی کیرولین کا موڈ بے حد خراب تھا۔ ڈینیئل نے اس سے معذرت کی مگر وہ بے حد غصے میں تھی۔

میں تمہارے ساتھ یہاں مل سکتا ہوں مگر باہر کہیں نہیں جاسکتا نہ مائٹ کلب نہ سینما کی کہیں اور۔ اس نے صاف صاف کہا تھا۔ مگر کیوں؟

مجھے یہ پسند نہیں ہے۔

وہ شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر پاؤں پختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

دوسرے دن ڈینیئل نے اسے اپنے ایک دوسرے کلاس فیلو کے ساتھ پھرتے دیکھا تھا۔ اسے شک لگا تھا۔ اس نے اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے اس کا متبادل تلاش کر لیا تھا۔ اس کا ڈپریشن چند دنوں کے بعد اس وقت کچھ اور بڑھ گیا تھا جب اسکول کے گراؤنڈ میں اس نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کے لیے یہ سب کچھ نہیں تھے۔ وہ اسکول میں ایسے سبب دیکھنے کا عادی تھا مگر اس بار اس کے لیے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ جس لڑکی کے لیے اس کے دل میں کچھ پسندیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے وہ بھی اسی سبب کے ایک کردار کے روپ میں تھی۔ اس ہلکی سی ٹھوکر نے اسے کچھ اور محتاط

کر دیا تھا۔

اگلے کچھ سالوں میں اس کی کچھ لڑکیوں سے دوستی ہوئی مگر یہ دوستی بھی اسی طرح ختم ہوئی اس کے ذہن پر ماں کے خیالات و نظریات کی چھاپ بہت گہری ہو گئی



جس سال اس نے ہارورڈ میں ایڈمیشن لیا تا اس سال اس کے مذہب کا معاملہ ایک بار پھر ڈسکس کیا گیا۔

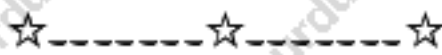
اب تم اتنے بڑے ہو چکے ہو ڈیٹیل کہ اپنے لیے ایک باقاعدہ مذہب کا انتخاب کر سکو۔ تمہیں اب کسی ایک مذہب کے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہیے۔ اس شام سبل نے پیٹرک کے سامنے اس سے کہا تھا۔

ہاں میں جانتا ہوں می۔ لیکن میرے لیے ابھی بھی کچھ طے کرنا مشکل ہے۔ می اسٹڈیز میں اتنا مصروف ہو چکا ہوں کہ اب تو بہت عرصے سے عبادت کے لیے آپ میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں جاسکا۔ ابھی مجھے کچھ وقت دیں تا کہ میں غور کر سکوں کہ مجھے اپنے لیے کسی مذہب کا انتخاب کرنا ہے۔ ڈیٹیل نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

تم اب اس قابل ہو چکے ہو کہ اس بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو۔ آخر اور وقت کیوں چاہتے ہو؟ سبل نے اعتراض کیا۔

میں ابھی بھی کنفیوژن کا شکار ہوں اور کوئی فیصلہ بھی کنفیوژن کی حالت میں نہیں کرنا چاہتا۔ اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

میں چاہتا ہوں میں تعلیم مکمل کر لوں اگر تعلیم مکمل کرنے کے دوران میں اپنے معاملے میں کسی فیصلے پر پہنچ گیا تو میں آپ کو بتا دوں گا ورنہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد یقیناً اس بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور طے کر لوں گا۔ س نے بل اور پیٹرک کو یقین دلایا تھا۔ یہ معاملہ ایک بار پھر ملتوی ہو گیا۔



ہاروڈ ایم بی اے کرنے کے دوران اس کے ساتھ کچھ ایشیائی لڑکیاں بھی زیر تعلیم تھیں جن میں کچھ مسلمان بھی تھیں۔ لاشعوری طور پر اسے ان لڑکیوں میں بہت دلچسپی محسوس ہوتی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ جس ماحول میں اس نے اپنا سارا بچپن گزارا تھا اس ماحول کے اپنی شخصیت پر اثرات ہونے کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر خود کو ان لڑکیوں سے زیادہ قریب محسوس کرتا تھا۔

ہاروڈ میں ہی پہلی بار س نے باقاعدہ طور پر اپنے لیے ایک پائزر کی تلاش شروع کی تھی۔ یہی تلاش اسے کیتھی کے پاس لے گئی تھی۔ دونوں کے درمیان بہت جلد اچھی دوستی ہو گئی پھر یہ دوستی آہستہ آہستہ رومان میں تبدیل ہونے لگی تھی جب ایک چھوٹے سے واقعے نے اس کی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی۔

وہ ایک رات کیتھی کے ساتھ فلم دیکھنے گیا تھا۔ وہ ٹکٹ منڈو سے اپنے اور کیتھی کے لیے ٹکٹ لے رہا تھا۔ کیتھی پیچھے ہی کھڑی رہی تھی۔ اسے ٹکٹ لینے میں چند منٹ لگے۔ جب ٹکٹ لینے کے بعد وہ پیچھے مڑا تو اسے کیتھی نظر نہیں آئی۔ وہ متلاشی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ ٹکٹ لینے کے لیے وہاں موجود قطار سے کچھ فاصلے پر کیتھی ایک شخص کے گلے میں بانہیں ڈالے بڑی بے تکلفی سے مصروف گفتگو تھی۔ وہ شخص بھی

اس کی کمر کے گرد بازو پھیلائے ہوئے تھا۔ ڈیٹیل کچھ لمحے اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ کیتھی کچھ منٹ اس شخص کے ساتھ مصروف گفتگوری پھر ان دنوں نے بڑی بے تکلفی سے ایک دوسرے کو چوما اور کیتھی واپس اس کی طرف آ گئی۔ ڈیٹیل کو اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی مگر ڈیٹیل سر و نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس کے پاس آ گئی۔

یہ شخص کون تھا؟ اس نے چھوٹے ہی اس سے پوچھا۔

اوہ رچرڈ میر ابوائے فرینڈ تھا۔

ڈیٹیل کو اپنا خون گرم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ تم نے مجھے کبھی یہ نہیں بتا کہ تمہارا

کوئی ابوائے فرینڈ تھا۔

تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔ کیتھی نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ آؤ

اندر چلیں۔ اس نے قدم بڑھایا۔

ڈیٹیل وہیں کھڑا رہا۔ نہیں ہم فلم دیکھنے نہیں جائیں گے۔ ہم باہر چل کر کچھ

باتیں کریں گے۔ سرد آواز میں کہتے ہوئے اس نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

تمہیں یکدم کیا ہو گیا ہے ڈیٹیل؟ وہ کچھ حیران ہوتی ہوئی اس کے پیچھے

آئی۔

تم نے مجھے اس شخص کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟ اس نے باہر آتے

ہی تیز آواز میں اس سے کہا۔

میں نے ضرورت محسوس نہیں کی اور پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ویسے بھی

اب وہ میرا ابوائے فرینڈ نہیں ہے۔

مگر وہ تمہارا بوائے فرینڈ تھا۔ وہ چلا یا۔

چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیتھی کا لہجہ یکدم سرد ہو گیا۔ کون میرا بوائے فرینڈ تھا اور کون نہیں اس سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مجھے تمہاری سابقہ گرل فرینڈ ز سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔
میری کبھی کوئی گرل فرینڈ نہیں رہی۔

کیتھی نے اس کی بات پر ایک طنزیہ ہنسنے لگایا۔ واقعی۔۔۔۔۔ کو تم بدھ رہے ہو تم؟ وہ خون کے کھونٹ پی کر رہ گیا۔

میں تمہارے بارے میں بات کر رہا ہوں۔

میرے بہت سے بوائے فرینڈ ز رہے ہیں۔ میں تمہیں کس کس کا بتاؤں اور کیوں بتاؤں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔

وہ اسے کچھ لمحے دیکھتا رہا پھر اس نے ہاتھ می پکڑے ہوئے دونوں ٹکٹ اس کے منہ پر مارے۔ پھر میرے ساتھ فلم دیکھنے کے بجائے اسی شخص کو ساتھ لے جاؤ۔ وہ مڑنے لگا تو کیتھی نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو اپنی طرف کھینچا۔ تم ایک چھوٹے ذہن کے گھٹیا آدمی ہو۔

اپنا منہ بند رکھو۔ وہ غرایا۔

میں اپنا منہ بند نہیں رکھوں گی تمہیں ہر بات پر اعتراض ہے۔ میرے کپڑوں پر میری باتوں پر میرے بوائے فرینڈ ز پر۔

میں ایسی کسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا جس کے بوائے فرینڈ ز ہوں۔
تو پھر یہاں کھڑے کیوں ہو جاؤ میرے بجائے کسی جاہل پر دے میں چھپی

ہوئی کسی مسلم عورت سے شادی کرو جو ساری عمر تمہاری انگلی پکڑ کر چلے اور تمہارے علاوہ کسی دوسرے مرد کا منہ دیکھنے کی جرأت نہ کرے۔

اس کا لہجہ بے حد زہریلا تھا۔ ڈیٹیل کو خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ایسا بندہ نہیں تھا جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھڑک اٹھے مگر اس وقت وہ خود بھی اپنے جذبات کو نہیں سمجھ پارہا تھا۔ اس نے کیتھی سے کچھ کہنے کے بجائے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور تیزی کے ساتھ پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے پیچھے اس نے کیتھی کو پلاتے ہوئے کچھ گالیاں بکتے سنا تھا۔ وہ اس پر توجہ دینے کے بجائے کھولتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

اگلے کئی ہفتے کیتھی کے جملے اس کے ذہن میں گونجتے رہے تھے۔ ایک بار پھر وہ وہیں پہنچ گیا تھا۔ جہاں سے چلا تھا۔ دوبارہ اس نے کسی مغربی لڑکی سے تعلقات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ ایم بی اے کے آخری سال میں وہ دانستہ طور پر ایک انڈین لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

☆-----☆-----☆

وجیتا اسکا لرشپ پر وہاں آئی تھی اور یونیورسٹی کے ایک فنکشن میں بی بیل سے اس کی ملاقات ہوئی۔ دونوں کو ایک دوسرے میں دلچسپی محسوس ہوئی۔ ڈیٹیل اب کسی مشرقی لڑکی کے ساتھ ہی شادی کرنا چاہتا تھا اور وجیتا میں اسے وہ خوبیاں نظر آئی تھیں جو وہ اپنی بیوی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ چند ہی ملاقاتوں کے بعد وہ وجیتا کو بل سے ملوانے لے آیا تھا اور وجیتا بل کو بھی پسند آئی۔ وہ جان چکی تھی کہ بیبل کس مقصد کے لیے وجیتا کو اس سے ملوانے لایا تھا اور اسے اس کے انتخاب پر

کوئی اعتراض نہیں تھا۔

وجیتا اب اکثر اس کے گھر آنے لگی تھی۔ ڈیپیل نے اسے بھی باقاعدہ طور پر پوز نہیں کیا تھا لیکن وجیتا اپنے لیے اس کی پسندیدگی سے آگاہ تھی۔ جن دنوں وہ اسے پوز کرنے کا سوچ رہا تھا ان ہی دنوں پھر اسے ایک پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ یونیورسٹی میں سالانہ کھیلوں کا انعقاد کیا جا رہا تھا اور وجیتا نے سوئمنگ کے مقابلوں میں حصہ لیا تھا۔ وہ پریکٹس کے لیے یونیورسٹی کے سوئمنگ پول پر جایا کرتی تھی اور یہ بات شروع میں ڈیپیل کے علم میں نہیں آئی۔ مقابلے سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے وجیتا نے بڑے فخر یہ انداز میں اسے اس بات سے آگاہ کیا تھا اور ڈیپیل ایک بار پھر شاکد رہ گیا تھا۔

تم یہ کیسے کر سکتی ہو؟

کیا مطلب۔۔۔ کیوں نہیں کر سکتی؟ وجیتا اس بات پر حیران ہوئی۔ اتنے لوگوں کے سامنے سوئمنگ کا سٹیوم میں۔ نہیں وجیتا۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ وہ کچھ برہم ہو گیا تھا کیونکہ اسے وجیتا سے ایسی کسی حرکت کی توقع نہیں تھی۔ اس میں ناپسند کرنے والی کیا بات ہے۔ یہ ایک کھیل ہے اور میں کھیل میں حصہ لے رہی ہوں اور پھر میں اس میں حصہ لینے والی واحد لڑکی نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک کھیل ہے لیکن پھر بھی یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ تم اتنے لوگوں کے سامنے اس طرح جاؤ۔

ڈیپیل تمہارے ساتھ پرالیم کیا ہے؟ وہ کچھ حیرانی سے ہنسی۔ آخر اس سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔

وجیتا۔ میں پسند نہیں کرتا کہ جس لڑکی سے میں شادی کا خواہشمند ہوں وہ اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث ہو۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہی، تم بعض باتوں میں بہت تنگ نظر ہو۔

ہاں ٹھیک ہے تم ایسا کہہ سکتی ہو مگر مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ میری اپنی ویلیوز ہیں اور میں انہیں چھوڑ نہیں سکتا۔

تم اپنی ویلیوز مت چھوڑو مگر انہیں دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش مت کرو۔ بیسویں صدی میں تم عورت کے بارے میں اتنے قدامت پرستانہ نظریات رکھتے ہوئے کہ مجھے خوف آنے لگتا ہے۔ بعض دفعہ تم مجھے ایک مسلم مرد کی طرح کڑ اور تنگ نظر لگتے ہو۔

ڈیوئیل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی برہمی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ تمہیں مجھ پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارا سوئمنگ کے کسی مقابلے میں حصہ لینا پسند نہیں ہے۔ اس لیے تم حصہ مت لو۔ اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟

تب پھر میں دوبارہ تم سے کبھی ملنا نہیں چاہوں گا۔

وجیتا یکدم اشتعال میں آ گئی۔ تمہیں پتا ہے ڈیوئیل۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟

تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم ابنا رمل ہو۔ تمہاری سوچ بیسویں صدی میں بھی بارہویں صدی کے مرد کی طرح ہے۔ مجھے حیرانی ہو رہی ہے کہ تم امریکہ میں کیا کر رہے ہو۔ تمہیں تو ان ممالک میں سے کسی ملک کے گھٹن زدہ ماحول میں ہونا چاہیے تھا جہاں تم نے اپنا بچپن گزارا۔ تمہارے ذہن پر اپنی ماں اور ان ممالک کے کلچر کی اتنی گہری چھاپ ہے

کہ تم اپنے لیے بھی مسائل کھڑے کر رہے اور دوسروں کے لیے بھی۔ بہتر ہے کہ تم اپنی سوکالڈ ویلیوز میں تبدیلی لاؤ یا پھر امریکا میں ایک بیوی کی تلاش چھوڑ دو۔ ہم عورتیں نہیں ہیں جن کی گردنوں پر پیر رکھ کر تم انہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے سے روک دو۔

ہر عورت تمہاری ماں کی طرح بے وقوف نہیں ہوتی جو اپنی اولاد کو ویلیوز کے انجیکشن دے دے کر اسے زندگی میں کچھ کرنے کے قابل بنی نہیں چھوڑتی۔ جو شخص ایک عورت کو اتنی آزادی نہیں دے سکتا کہ وہ اپنی مرضی کا لباس پہن سکے وہ اسے گھر کے اندر رکھ کر کون سی زندگی دے گا۔ مجبوری اور بے بسی کی تمہیں مجھ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم مجھ سے دوبارہ نہیں ملو گے۔ میں خود دوبارہ تم سے ملنا نہیں چاہتی

وہ اسے وہیں چھوڑ کر غصے کی حالت میں اٹھ کر چلی گئی۔

☆-----☆-----☆

ڈیٹیل۔ تم بہت جذباتی ہو جاتے ہو۔ اس رات ڈیٹیل نے گھر واپس آ کر سب کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار سبل نے لڑکی کی غلطیاں گنوانے کے بجائے اس کے رویے پر اعتراض کیا تھا۔ وہ حیرانی سے ماں کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ اس کا سوئمنگ کے مقابلے میں حصہ لینا کوئی ایسی معیوب بات تو نہیں تھی۔

ممی یہ آپ کہہ رہی ہیں؟

ہاں یہ میں کہہ رہی ہوں، کم از کم دوسری لڑکیوں سے بہتر ہے۔ س کے بوائے فرینڈ نہیں ہیں۔ کچھ مشرقی روایات کا احترام بھی کرتی ہے مگر تم چاہتے ہو کہ

یہاں اس معاشرے میں تمہیں کوئی ایسی لڑکی مل جائے جو بالکل ہی خامیوں سے پاک ہو تو یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہیں تھوڑا بہت سمجھوتا کرنا ہی پڑے گا۔ سبل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

میں سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ کم از کم اس معاملے میں نہیں۔ میرا دماغ جس چیز کو قبول نہیں کرنا میں اس چیز کے ساتھ سمجھوتا کیسے کر سکتا ہوں۔
تم اس معاملے میں بہت زیادہ انتہا پسند ہو گئے ہو۔

مئی آپ جانتی ہیں میں غلط نہیں ہوں۔ جس طرح آپ نے میری پرورش کی ہے جن ویلیوز کے ساتھ مجھے پروان چڑھایا وہ اب اگر میں چاہوں بھی تو اپنے ذہن سے نہیں جھٹک نہیں سکتا۔

جس طرح کی لڑکی تم اس مغربی معاشرے میں رہ کر بیوی کے طور پر پانا چاہتے ہو وہ تمہیں نہیں مل سکتی۔ سبل نے صاف کوئی سے کہا۔
تو ٹھیک ہے کسی ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی گزارنے کے بجائے جس کا عمل میری ویلیوز سے میچ نہ کرنا ہو، میں تنہا زندگی گزارنا پسند کروں گا۔ سبل حیرانی سے اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

ڈیپیل تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟

ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ میں اب یہ میچ میکینگ کرتے کرتے تنگ آ گیا ہوں۔ لڑکیاں ٹھیک کہتی ہیں کہ میں بہت قدامت پرست اور متعصب ہوں مگر ان میں ان دونوں چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں ساری عمر ایسا ہی رہوں گا۔ میں کسی ایسی عورت کو اپنی زندگی میں لانے کے لیے تیار نہیں جس کا جسم ایک پبلک پرائیویٹ بن چکا

ہو جس کے بوائے فرینڈز ہوں۔ جو سوئمنگ کا سٹیوم پہن کر لوگوں سے داد وصول کرے۔ جو میرے سامنے کسی دوسرے مرد کے ساتھ بے تکلفی کے مظاہرے کرے۔ اب اس کے لیے کوئی مجھے قدامت پرست کہے یا متعصب یا تنگ نظر، مجھے پرانی نہیں ہے۔ ایسی عورت کو گھر میں رکھ کر کڑھنے سے بہتر ہے کہ بندہ آزاد رہے۔ اتنی انتہا پسندی انسان کو کہیں نہیں لے جاتی۔

میں انتہا پسند نہیں ہوں می۔ کیا دنیا میں ایسی عورتیں نہیں پائی جاتیں۔ آپ بھی تو ہیں مجھے آپ جیسی عورت کی تلاش ہے۔ آپ بھی تو مغربی ہیں، ماڈرن ہیں، پر بھی لکھی ہیں، مگر پھر بھی آپ کے پاس وہ ویلیوز ہیں جو ایک عورت کو عورت بناتی ہیں، پھر ہم لوگ مسلم مالک میں رہے ہیں۔ وہاں بھی تو عورتیں ہیں، ساری عورتیں نہ سہی مگر اکثریت تو انہیں ویلیوز کی مالک ہے جن کی میں بات کر رہا ہوں۔ پھر آپ کو یہ کیوں لگ رہا ہے کہ کسی ایسی چیز کا مطالبہ کر رہا ہوں جو دنیا میں سے ہی نہیں۔ وہ پہلی بار ماں سے بحث کر رہا تھا۔

ڈیبل میری بات اور تھی۔ میرے ماں باپ کیتھولک تھے آزاد خیال نہیں تھے خاص ماحول میں میری پرورش ہوئی۔ اس لیے مجھے کبھی بھی عورت کو اتنی آزادی اور بے باکی پسند نہیں آئی۔ خوش قسمتی سے تمہارے والد سے شادی ہوئی اور وہ بھی ان ہی خیالات کے مالک تھے اس لیے میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوا لیکن اگر پیٹرک بہت زیادہ آزاد خیال ہوتے تو پھر مجھے بھی ویسے ہی ہونا پڑتا۔ پھر زندگی زیادہ تر وہاں گزری جہاں بہت زیادہ بے باکی لوگوں کی نظروں میں خامی ہوتی ہے خوبی نہیں۔ اس لیے تم میری مثال نہ دو۔ جہاں تک مسلم عورتوں کا تعلق ہے تو وہ اور ماحول سے تعلق رکھتی ہیں

ان پر بہت سی پابندیاں ہوتی ہیں۔ کچھ معاشرتی، کچھ خاندانی اور کچھ مذہبی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ نہیں کر پاتیں۔ یا یہ سمجھ لو کہ ان کی راویات انہیں اجازت نہیں دیتیں۔ ہمارے اور ان کے مذہب اور فطرت میں بہت فرق ہوتا ہے اس لیے تم ان کی مثال بھی مت دو۔ تم اس معاشرے کی بات کرو جہاں تم رہ رہے ہو جہاں کی عورت سے تمہیں شادی کرنی ہے۔ سبل نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

مجھے یہ معاشرہ پسند نہیں ہے اور یہ بات آپ اچھی طرح جانتی ہیں اور نہ ہی مجھے اس معاشرے کی کسی نمائندہ عورت سے شادی کرنی ہے۔

پھر کیا کرو گے تم؟

کچھ بھی نہیں۔ جس طرح زندگی گزار رہا ہوں، گزرتا رہوں گا۔

شادی کے بغیر؟

ہاں شادی کے بغیر۔

بہت مشکل ہوگا تمہارے لیے۔

شادی کر کے میرے لیے زیادہ مشکل ہو جائے گی۔

سبل نے پہلی بار اسے طرح ضد کرتے دیکھا تھا۔

اور وہ اپنی ضد پر قائم رہا تھا۔ سبل اور پیٹرک کی کوششوں کے باوجود اس

نے وجہیت سے تعلقات بحال کیے تھے نہ ہی کسی اور لڑکی سے روابط بڑھانے کی کوشش

کی۔ ایم بی اے کرنے کے بعد اسے ایک ملائی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی تھی۔ اور وہ

لندن چلا گیا۔ ایک سال لندن رہنے کے بعد اس کی پوسٹنگ پاکستان میں ہوئی تھی اور

وہ بخوشی یہاں آ گیا۔ نو عمری کے زمانے میں وہ ماں باپ کے ساتھ ہندوستان میں رہ

چکا تھا اور اس زمانے میں وہ پاکستان کے بارے میں بھی تھوڑی بہت واقفیت رکھنے لگا تھا۔ پھر امریکا میں دو ان تعلیم بھی اس کے کچھ کلاس فیلوز پاکستان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اسے پاکستان کے بارے میں کافی معلومات تھیں اور وہ ڈنن طور پر کسی کشمکش کا شکار بھی نہیں تھا۔



پاکستان آکر اس کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا۔ کچھ عرصہ اسے نئی جگہ آ کر ایڈجسٹمنٹ کے مسائل پیش آئے مگر ایک سال کے اندر اندر وہ مکمل طور پر ایڈجسٹ ہو گیا تھا۔ نہ صرف وہ وہاں ایڈجسٹ ہو گیا بلکہ وہاں کی زندگی کو انجوائے بھی کرنے لگا تھا۔

دو سال اس نے کمپنی کے کراچی آفس میں کام کیا۔ پھر وہاں سے وہ لاہور آ گیا۔ ایک بار پھر وہ نئے سے سے اردو زبان پر سترس حاصل کرنے لگا تھا۔ یہاں آ کر اس کا حلقہ احباب محدود ہی رہا تھا۔ لاہور آفس میں اپنے ساتھ کام کرنے والی ایک جرمن لڑکی سے اس کی تھوڑی بہت دوستی تھی اور اکثر ویک اینڈ پر وہ اس کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے چلا جتا۔ چھٹیوں میں وہ واپس امریکہ۔ چلا جاتا اور اپنے ماں باپ کے ساتھ وقت گزارتا۔

پیٹرک کو معدے کا کینسر ہو گیا تھا اور ایک تک وہ شدید بیمار رہا۔ اس بیماری کے دوران ہی اس نے اپنی جاب سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ کچھ عرصے تک سبل اور وہ امریکہ میں ہی رہے۔ لیکن پھر پیٹرک واپس جرمنی چلا گیا کیونکہ وہ وہاں اپنی فیملی کے

پاس رہنا چاہتا تھا۔ ان دونوں کے بے حد اصرار کے باوجود ڈیپیل شادی سے ہمیشہ کتراتا ہی رہا تھا۔ وہ ہر بار انہیں کوئی نہ کوئی عذر کر کے ٹالتا رہا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے پاکستان میں رہتے ہوئے آٹھ سال ہو گئے۔

زندگی کی ایک سیٹ روٹیں تھی۔ وہ شام تک آفس میں ہوتا۔ اس کے بعد کہیں نہ کہیں گھومنے نکل جاتا۔ کبھی کسی پارٹی یا ڈنر پر چلا جاتا اور کبھی فلم دیکھنے کے لیے۔ رات دس گیارہ بجے وہ گھر آتا۔ خبریں سنتا کوئی کتاب پڑھتا اور سو جاتا۔ اس کے لیے زندگی جیسے بالکل مکمل تھی۔ جس میں نہ کسی چیز کی کمی تھی نہ کسی چیز کی ضرورت مگر بعض دفعہ زندگی میں کوئی تبدیلی آتی ہوتی ہے کوئی ایسی تبدیلی جو انسان کی پوری زندگی کا رخ بدل دیتی ہے اور ایک ایسی تبدیلی اس کی زندگی میں بھی آنے والی تھی۔

وہ ہر روز لنچ آفس میں کرنے کے بجائے ایک قریبی فاسٹ فوڈ چین پر چلا جاتا تھا۔ اس دن بھی وہ اپنی روٹین کے مطابق اسی فاسٹ فوڈ چین پر گیا تھا۔ کاؤنٹر پر جا کر اس نے اپنا مطلوبہ برگر مانگا تھا اور پھر کاؤنٹر پر کہیاں ٹکا کر دوسری نظر سے آرڈر بھگتاتی ہوئی لڑکیوں اور لڑکوں کی سرگرمیاں دیکھتا رہا جو کاؤنٹر کے دوسری طرف بہت مصروف نظر آ رہے تھے۔ اور تب ہی اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی تھی۔ وہ لڑکی خوبصورت تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے کاؤنٹر پر کھڑے ایک دوسرے جوڑے کا آرڈر نوٹ کر رہی تھی اور پھر وہ کاؤنٹر کے پیچھے موجود دروازے میں غائب ہو گئی تھی۔ ڈیپیل کی نظریں اس دروازے پر جمی رہیں۔ وہ لاشعوری طور پر جیسے اسی لڑکی کا منتظر تھا۔ وہ چند منٹوں کے بعد دوبارہ نمودار ہوئی۔ وہ ایک بار پھر اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔ وہ کاؤنٹر کے پار کھڑے کسی دوسرے آدمی سے کھج کہہ رہی تھی۔ ڈیپیل کوشش کے باوجود

اس کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹا نہیں پایا۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ اس کا آرڈر وہ سر و کرے۔ شاید وہ قبولیت کی گھڑی تھی۔ کیونکہ وہ لڑکی دوبارہ غائب ہو گئی تھی اور اس بارہ جب واپس آئی تو ڈیٹیل کی طرف ہی آئی تھی۔ ڈیٹیل کا دل بے اختیار دھڑکا تھا۔ ہاتھوں میں پکڑی ہوئی ٹرے لا کر اس نے ڈیٹیل کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی اور مسکرائی، ڈیٹیل نے کچھ کہے بغیر ٹرے اٹھالی۔

کاؤنٹر سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی میز پر بیٹھ کر اس نے ایک بار پھر نظریں اس لڑکی پر جما دی تھیں۔ بہت عرصے کے بعد اس دن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کی آنکھیں پینٹ کرے۔ لمبی پلکوں والی، سیاہ، سادہ، شفاف مگر اس آنکھیں۔ بھیگی ہوئی پلکیں اور بھاری پپوٹے اور اس پر وہ مسکراہٹ جس کے ساتھ وہ آرڈر لے اور سر و کر رہی تھی۔ اسکی ماں بہت اچھی پینٹنگ کرتی تھی اور ڈیٹیل میں بھی فطری طور پر یہ صلاحیت تھی کہ وہ چیزوں کو اچھی اسکیج کر لیا کرتا تھا۔ اس دن بھی وہ فوری طور پر اس لڑکی کی طرف متوجہ کرنے والی چیزیں اس کی آنکھیں ہی تھیں اور اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ وہیں بیٹھ کر ان آنکھوں کو پینٹ کرے۔ اس نے اپنی خواہش پوری کی تھی۔ پینٹنگ تو ممکن نہیں تھی مگر تیز رفتاری سے لنچ ختم کرتے ہوئے اس نے اپنے والٹ سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اس وزیٹنگ کارڈ کے پیچھے قلم سے اس نے اس لڑکی کی آنکھوں کی اسکیجنگ کی تھی۔

لنچ کر کے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا مگر اس دن وہاں سے واپس آنے کے بعد بھی اس کی آنکھوں میں اس کا چہرہ گردش کرتا رہا تھا۔ اتنی اداسی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ مالی مجبوری؟ وہ سوچتا رہا۔ رات کو بھی وہ

دیر تک اس وزینگ کارڈ کو دیکھتا رہا۔ سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسکیج کو اچھی طرح سے نہیں بنلایا۔

اگلے دن دوپہر کو وہ ایک بار پھر وہیں تھا۔ اس نے دانستہ کوشش کی تھی کہ کل پہلی بار نظر آنے والی لڑکی کو ہی اپنا آرڈر نوٹ کروائے۔ اسے حیرانی ہوئی تھی اس لڑکی کی آنکھیں آج بھی اسی طرح بھیگی ہوئی تھیں مگر وہ آج بھی مسکرا رہی تھی۔ ڈیبل نے اپنا لچ لے کر کل والی ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد جب سے کاغذ اور پنسل نکال کر اس کی آنکھوں کی اسکیجنگ شروع کر دی تھی۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک اس سرگرمی میں مصروف رہا اور پھر کچھ مضمّن ہو کر اس نے ہاتھ روک دیا۔ ایک بار پھر اس لڑکی پر نظریں جمائے ہوئے اس نے اپنا لچ کیا تھا اور پھر اٹھ کر چلا گیا۔

پھر جیسے وہ یہ ایک روٹین بن گئی تھی۔ وہ روز دوپہر کو وہاں آتا۔ لچ کرتا اور لچ کے دو ان مختلف انداز میں اس کی آنکھوں کی اسکیجنگ کرتا رہتا۔ اسے اس لڑکی سے ایک عجیب سا فاس ہو گیا تھا۔ پھر اسے چانک ایک ہفتے کے لیے کراچی جانا پڑ گیا اور یہ سات دن اس کی زندگی کے سب سے مشکل اور تکلیف دہ دن تھے۔ اسے اب احساس ہوا کہ وہ اس روٹین کا کتنا عادی ہو چکا تھا۔ وہ رات کو وہ سارے چھوٹے بڑے اسکیجنگز نکال کر بیٹھ جاتا جو اس نے مختلف اوقات میں بنائے تھے اور پھر جیسے اس کی بے تابی اور بے چینی اور اضافہ ہو جاتا۔

سات دن کے بعد لاہور ایئر پورٹ پر اترتے ہی وہ آفس یا گھر جانے کے بجائے سیدھا اسی فاسٹ فوڈ چپ پر گیا تھا اور وہاں جا کر اسے جیسے مایوسی ہوئی تھی۔ وہ اسے کاؤنٹر کے پیچھے نظر نہیں آئی۔ وہ مایوس ہو کر وہاں سے پلٹ لیا تھا۔

اگلے دن دوپہر کو وہ بڑی بے تابی کے عالم میں وہاں گیا تھا اور دروازے

سے داخل ہوتے ہی اس نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ وہیں موجود تھی۔ خوشی کی ایک عجیب سی لہر اس کے پورے سراپے میں دوڑ گئی تھی۔ اس دن کاؤنٹر پر اسے اپنا آرڈر نوٹ کرواتے کرواتے اس نے کہا۔ کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟ اس لڑکی کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ سر اٹھاتے وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ میں دراصل یہاں روز آتا ہوں۔ آپ ہی مجھے اٹینڈ کرتی ہیں اسل یے میں نے سوچا کہ نام معلوم ہونا چاہیے۔ میرا نام ڈینیئل ایڈگر ہے۔

اس نے شائستہ لہجے میں وضاحت کی۔ ڈینیئل کو اس کی آنکھوں میں عجیب سی الجھن نظر آئی۔

روز یہاں آتے ہیں؟ سوالیہ لہجے میں کہا گیا یہ جملہ ڈینیئل کو حیران کر گیا تھا۔ وہ اس فاسٹ فوڈ چین میں تو بہت عرصے سے آ رہا تھا مگر جب سے یہ لڑکی وہاں آئی تھی وہ باقاعدگی سے وہاں ایک ماہ سے جا رہا تھا اور لڑکی اس سے کہہ رہی تھی۔

روز یہاں آتے ہیں؟ اس کا خیال تھا وہ بھی اب تک اس کے چہرے سے شناسا ہو گئی ہوگی۔

ہاں میں روز یہاں آتا ہوں آپ ہی روز اٹینڈ کرتی ہیں مجھے۔ اسی وقت۔۔۔ کیا آپ کو یاد نہیں ہے؟

نہیں مجھے یاد نہیں ہے۔ وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ لڑکی کاؤنٹر کے پیچھے موجود دروازے سے غائب ہو چکی تھی۔ اسے کبھی اتنی خفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

میں اتنا برا تو نہیں کہ میرا چہرہ یا دنہ رہ سکے۔ کیا یہ لڑکی جان بوجھ کر جھوٹ بول رہی ہے یا واقعی وہ میرے چہرے سے شناسا نہیں ہے۔ وہ خود بھی الجھ گیا۔

وہ دس منٹ کے بعد دوبارہ نمودار ہوئی اور ٹرے لے کر اس کی طرف آئی۔

ڈیٹیل نے پوچھا۔

میں نے آپ کا نام پوچھا تھا؟ وہ کچھ دیر بے تاثر آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی اور پھر اپنا نام بتا کر واپس مڑ گئی۔

امید۔۔۔ ڈیٹیل نے اس کا نام زیر لب دہرایا۔ پاکستان میں رہتے ہوئے وہ اردو پر اتنا عبور تو حاصل کر چکا تھا کہ اس کے نام کا مطلب جان لیتا۔
اگلے دن وہ ایک بار پھر وہیں تھا اور اس بار کاؤنٹر پر جاتے ہی اس نے اس لڑکی کو یاد دہانی کروائی۔

میں وہی ہوں جس نے کل آپ کا نام پوچھا تھا۔ اس بار پہلی بار لڑکی کی آنکھوں میں شناسائی دیکھی تھی اور پھر وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے واپس چلی گئی تھی۔
اگلے چند ہفتے بھی اس طرح گزرے تھے۔ ہر بار جب بھی وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا، وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو جاتی اور ڈیٹیل کو مایوسی سے واپس آنا پڑتا تھا۔ پھر اس کی شفٹ بدل گئی تھی۔ وہ سہ پہر سے رات گئے تک وہاں ہوتی اور ڈیٹیل کے لیے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ اب وہ آفس سے فارغ ہو کر وہاں آ جاتا اور اس وقت تک وہیں موجود رہتا جب تک وہ نظر آتی رہتی۔ جب وہ کاؤنٹر کے پیچھے غائب ہوتی تو وہ بھی اٹھ جاتا اور لڑکی جیسے اس کی زندگی کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ جس کے لیے وہاں آنا اور بیٹھے رہنا اسے برا نہیں لگتا تھا۔

تین ماہ تک اس کی یہ روٹین جاری رہی پھر ایک دن ہمیشہ کی طرح کاؤنٹر کے پیچھے مقررہ وقت پر اس کے غائب ہونے پر وہاں سے چلے آنے کے بجائے وہ

باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس وقت اس ریسٹورنٹ کی گاڑی میں وہاں کام کرنے والے سوار ہو رہے تھے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد اس نے اندر سے اسی لڑکی کو برآمد ہوتے دیکھا تھا وہ اب شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ ڈیٹیل کے چہرے پر ایک طمانیت بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اس رات پہلی بار اس نے اس لڑکی کا تعاقب کیا تھا۔ وہ ورکنگ ویمن کے ایک ہاسٹل کے سامنے اتری اور اندر چلی گئی اور ڈیٹیل وہاں سے واپس آ گیا۔ پھر ڈیٹیل کی روٹین میں جیسے یہ چیز بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ روز اسی طرح ہاسٹل تک اس کا تعاقب کرتا اور پھر اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر واپس آ جاتا۔ ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ لڑکی مقررہ وقت سے چند گھنٹے پہلے ہی باہر نکل جاتی۔ اسٹاپ سے وین پر بیٹھتی پھر ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر اسٹاپ پر اتر جاتی اور وہاں سے ہاسٹل تک کا فاصلہ پیدل خاموشی اور اپنے گرد و پیش سے بے نیاز ہو کر طے کرتی۔ شاید وہ اپنے گرد و پیش سے بے نیاز ہوتی تو سیاہ رنگ کی وہ گاڑی بہت جلد اس کی نظروں میں آ جاتی جو اس وقت اس سے کچھ پیچھے بہت دھیمی رفتار سے چل رہی تھی۔ وہ ہاسٹل میں داخل ہوتی۔ ڈیٹیل چند لمحے وہاں کھڑا ہو کر ہاسٹل کے بند گیٹ کو دیکھتا رہتا اور پھر واپس آ جاتا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ وہ کس لیے وہاں جاتا ہے۔ کس وجہ سے وہاں بیٹھا رہتا تھا اور پھر کیوں اس کا ہاسٹل تک تعاقب کرتا تھا۔ وہ سب کچھ کرتے ہوئے بے اختیار ہوتا تھا۔ یوں جیسے کوئی دوسری چیز اس وقت اس پر حاوی ہو جاتی تھی۔ ہر رات واپس گھر آ کر وہ بڑی بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں بیٹھا رہتا تھا۔ شاید یہ سب کچھ بہت عرصے تک اس طرح چلتا رہتا اگر ایک دن وہ لڑکی وہاں

سے غائب نہ ہو جاتی اور پھر مسلسل ایک ہفتہ غائب نہ رہتی۔ پہلے دن اس کی عدم موجودگی پر وہ بے چین رہا تھا مگر دوسرے دن بھی اسے وہاں نہ دیکھ کر اس کا دل ڈوب گیا تھا۔ کاؤنٹر پر موجود ایک دوسری لڑکی سے اس نے اس کے بارے میں پوچھا۔

امید۔۔۔۔۔ ہاں وہ دو دن کی چھٹی پر ہے۔

اسے تھوڑا سا سکون محسوس ہوا اس کا مطلب تھا کہ اگلے دن وہ ایک بار پھر وہیں موجود ہوگی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اگلے دن وہ پھر وہاں نہیں تھی۔ پتا نہیں وہ آج کیوں نہیں آئی۔ اس کی چھٹی تو صرف دو دن کی تھی۔ اسی لڑکی نے کندھے اچکاتے ہوئے اس کے استفسار پر جواب دیا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر بے جان قدموں سے باہر آگیا۔ اس رات بارہ بجے تک بغیر کسی مقصد کے سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

اگلے دن وہ ایک بار پھر ہاں گیا تھا اور وہ پھر وہاں نہیں تھی۔

کیا آپ کو اس سے کوئی کام ہے؟ کاؤنٹر پر موجود اس لڑکی نے بڑے غور سے ڈیپیل کو دیکھا۔

وہ گڑبڑ آگیا۔ نہیں کام نہیں ہے۔ وہ رکائیں باہر گاڑی میں بیٹھ کر اس کے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

آخر یہ لڑکی غائب کہاں ہوگی ہے کیوں واپس نہیں آ رہی؟ وہ بے اختیار بڑبڑا رہا تھا پھر جیسے ایک خیال آنے پر وہ سیدھا ہو گیا اور گاڑی لے کر اس کے ہاسٹل چلا گیا۔ جہاں وہ رہتی تھی۔ گیٹ پر اتر کر اس نے چوکیدار سے اردو میں گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ چوکیدار ایک غیر ملکی کی زبان سے اتنی روانی سے نکلنے والی اردو سن کر حیران تھا اور

حیرانی کے ساتھ مرعو بیت بھی اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

کون امید۔ آپ پورا نام بتائیں۔ یہاں تو بہت سی لڑکیاں رہتی ہیں؟

چوکیدار نے اس کے سوال پر جواب دیا۔

پورا نام میں تو نہیں جانتا۔ اس نے کچھ بے چارگی سے کہا۔

اچھا میں اندر سے پوچھ آتا ہوں۔

چوکیدار نے کمال فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ وہ اندر جاتے ہوئے

چوکیدار کو دیکھنے لگا جو چند قدم اٹھانے کے بعد یک دم واپس اس کی طرف آیا۔

آپ ان کے کیا لگتے ہیں؟ ڈیبل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے

میں۔۔۔ میں ان کے ریسٹورنٹ کی طرف سے آیا ہوں۔ وہ دو دن کی

چھٹی پر گئیں تھیں اور ابھی تک نہیں آئیں۔ میں اسی لیے آیا ہوں۔

اس کے ذہن میں جو پہلا بہانا آیا تھا اس نے وہی چوکیدار کے سامنے پیش

کر دیا۔

چوکیدار کی آنکھوں میں یکدم ایک چمک اُٹھی۔

آپ امید عالم باجی کا تو نہیں پوچھ رہے جو ہوکل میں کام کرتی ہیں۔

ڈیبل نے کچھ نزوس انداز میں سر ہلایا۔

وہ اپنے شہر گئی ہوئی ہیں۔

کہاں؟

راولپنڈی۔

واپس کب آئیں گی۔۔

یہ تو نہیں پتا۔

کیا اندر سے پتا چل سکتا ہے؟

میں کوشش کرنا ہوں۔ چونکہ ارباق رفتاری سے اندر چلا گیا۔

وہ وہیں باہر ٹہکتا رہا، چند منٹوں کے بعد اسکی واپسی ہوئی۔

وہ دو دن کے لیے گئی تھی مگر ابھی تک نہیں آئیں۔ اس نے آتے ہی اطلاع

دی۔ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔

ان کا کوئی کانیکٹ نمبر نہیں مل سکتا؟

اس طرح تو ہم کسی کو بھی کسی لڑکی کا نمبر یا پتا نہیں دیتے جب تک وہ لڑکی خود

اجازت نہ دے۔ وہ کچھ کہے بغیر پلٹ آیا۔

اس رات وہ کوشش کے باوجود سو نہیں سکا۔ سب کچھ اسے یک دم بے کار

لگنے لگا تھا۔ اگر وہ لڑکی نہ آئی تو؟ اگر میں دوبارہ کبھی اس سے مل نہ سکا تو؟ یہ سوال اس

کے ذہن میں آتے اور وہ بیڈ پر لیٹے لیٹے بے اختیار بے چین ہو کر اٹھ جاتا۔ کمرے

میں بلا مقصد چکر لگاتے لگاتے اس کی ٹانگیں تھک جاتیں اور وہ پھر سر پکڑ کر بیٹھ جاتا۔

اگلے دن پہلی بار آفس میں وہ کوئی کام بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکا۔

ڈکٹیشن دیتے ہوئے وہ بار بار بھول جاتا کہ اسے آگے کیا کہنا تھا اور وہ کس چیز کے

بارے میں ڈکٹیشن دے رہا تھا۔ اس کی سیکریٹری حیرانی سے اسے دیکھتی رہتی۔ تین بار

اس نے چپڑ اسی سے غلط فائل منگوائی۔ تینوں بار اس نے فائل واپس بھی غلط جگہ بھجوائی

۔ اپنی ڈاک میں آئے ہوئے فیکس پڑھتے ہوئے وہ کسی کے بھی مفہوم کو نہیں سمجھ پارہا

تھا۔ تنگ آ کر اس نے ڈاک چھوڑ دی تھی۔ کمپنی کے آڈیٹرز کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں وہ ایک معمولی سی بات پر بھڑک اٹھا تھا، کسی نے اس سے پہلے ڈیٹیل ایڈگر کو غصے میں دیکھا نہ اس طرح بلند آواز میں بولتے دیکھا تھا۔ اس سے بھی زیادہ ہکا بکا وہ تب ہوئے تھے جب بلند آواز سے بولتے ہوئے وہ میٹنگ سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔ بہت دیر تک میٹنگ روم میں خاموشی چھائی رہی۔

ڈیٹیل بہت اپ سیٹ ہے، کس وجہ سے؟ شاید آفس میں کام کے پریشر سے یا پھر اپنی کسی ذاتی وجہ سے۔ لیکن میرا خیال ہے چند دنوں کے لیے اسے آرام ملنا چاہیے۔ آپ اس کو تین دن کی چھٹی دے دیں۔ زوئل چیف جون بلیوارڈ نے HR مینجر کو ہدایت کی تھی۔

کمپنگ ختم ہونے کے بعد سعودار تفضی اس کے آفس میں آیا تھا۔ وہ ڈیٹیل کا کوئیگ تھا مگر کوئیگ ہونے کے ساتھ ساتھ دنوں میں بہت اُسی دوستی بھی تھی۔ تم کچھ پریشان ہو؟ اس نے آتے ہی ڈیٹیل سے پوچھا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی انکا نہیں کر سکا۔ صرف سر جھکائے بیٹھا رہا۔

چیف نے کہا ہے کہ میں تم سے پوچھوں، تمہیں کیا پر اہلم ہے۔ انہوں نے تمہیں تین دن کی چھٹی بھی دی ہے تاکہ تم پر سکون ہو سکو۔ وہ بات کرتے کرتے اس کی ٹیبل کے سامنے موجود کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

کیا پریشانی ہے ڈیٹیل؟ اس نے بڑے نرم لہجے میں ڈیٹیل سے پوچھا۔ اس نے جواباً یو الونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے سعود سے اپنے مسئلے کو ڈسکس کرنا چاہیے یا نہیں اور اگر اس نے سعود سے

اپنے مسئلے کو ڈسکس کیا تو اس کا رد عمل کیا ہوگا۔ وہ اس لڑکی کے لیے اس کے جذبات کو کس طرح لے گا۔

چند گہرے سانس لینے کے بعد اس نے بالآخر آنکھیں کھولیں اور آہستہ آواز میں اس نے سعود کو لڑکی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ سعود خاموشی اور سنجیدگی سے اس کی ساری باتیں سنتا رہا۔

آج میں تین بار اپنے آفس میں اسے دیکھا ہے۔ وہ بے چارگی سے اسے بتا رہا تھا۔ میں واش بیسن میں ہاتھ دھو رہا تھا اور ہاتھ دھونے کے بعد میں نے سر اٹھا کر سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھا تو مجھے اپنے بجائے وہاں بھی اسی کا چہرہ نظر آیا تھا۔ صبح آفس آتے ہوئے ایک کراسنگ پر گاڑی روکتے ہوئے بھی مجھے یوں ہی لگا جیسے وہ کراسنگ سے گزر رہی ہے۔ مجھے اپنی ذہنی کیفیت سے خوف آنے لگا ہے۔ سعود کچھ بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ اب خاموش ہو چکا تھا۔ کمرے میں چند منٹ خاموشی ہی رہی تھی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر سعود ہی نے اس خاموشی کو توڑا۔

تو تمہیں اس لڑکی سے محبت ہوگئی ہے۔ ڈیوئیل نے چونک کر اسے دیکھا۔ محبت؟ مگر مجھے کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی اور نہ ہی میں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی ہے۔

مگر اس بار تمہیں محبت ہی ہوئی ہے اور تم اب اس کی ضرورت اور اہمیت بھی محسوس کر رہے ہو۔ پہلے کبھی محبت نہ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آئندہ بھی کبھی نہیں ہوگی۔

ڈیبل کچھ حیرانی سے اس کے لفظوں پر غور کر رہا۔ کیا واقعی مجھے اس لڑکی سے محبت ہوگئی ہے؟ اس نے سوچا۔ اور اگر ایسا ہو گیا ہے تو یہ کتنی حیرانی کی بات ہے کیا مجھے کبھی کسی سے محبت ہو سکتی ہے اور وہ بھی کسی لڑکی سے اس طرح اچانک۔۔۔۔۔ کچھ بھی جانے بغیر؟ سے ایک خوشگوار احساس ہوا تھا۔

اب وہ لڑکی غائب ہوگئی ہے اور تم پریشان ہو۔ اسے ڈھونڈ رہے ہو اور وہ مل نہیں رہی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ لڑکی مل بھی گئی تو تم کیا کرو گے۔ کیا صرف تم اس لیے اسے ڈھونڈنا چاہتے ہو کہ ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے بگڑ کر کھا سکو۔ ڈیبل نے کچھ چونک کر سعود کو دیکھا جو بات کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ یا تم اس سے محبت کا اظہار کرنا چاہتے اور شادی کی خواہش کا اظہار کرو گے؟ ہاں میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے بے اختیار کہا تھا۔

سعود ایک بار پھر سنجیدہ ہو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس لڑکی کا مذہب کیا ہے۔ لیکن اگر وہ مسلمان ہے تو مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس سے شادی کرنے کے لیے تمہیں مسلمان ہونا پڑے گا۔ اب تم سوچو کیا تم یہ کر سکتے ہو اگر تم اسلام قبول کر بھی لو تب بھی یہ یقینی نہیں ہے کہ اس سے تمہاری شادی ضرور ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے اس کی شادی ہو چکی ہو یا ہونے والی ہو یا منگنی ہو کی ہو۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا تو بھی وہ تمہیں ناپسند کر سکتی ہے۔ یا اس کی فیملی تمہیں ناپسند کر سکتی ہے۔ ہمارے یہاں خاندان برادر یوں کا سسٹم بہت مضبوط ہے۔ ہمارے ہاں تو بعض دفعہ خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے۔ کہاں یہ کہ ایک غیر ملکی سے شادی کر دی جائے اور غیر ملکی بھی وہ جو نو مسلم ہو۔ اب ایسی صورت حال میں تمہاری اس محبت کا کیا حشر ہو سکتا

ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ ہم لوگ آزاد خیال ہونے کی کوشش کر رہے ہیں مگر بعض معاملات میں ہم ہمیشہ قد امت پرست ہی رہتے ہیں۔ خاص طور پر تب جب کسی معاملے میں مذہب بھی انوالو ہو جائے اور یہ بھی ایسا ہی ایک معاملہ ہے۔ اب تم ان سب باتوں پر آج رات اچھی طرح سوچو اور دیکھو کہ کیا تم اتنی پریشانیاں برداشت کر سکتے ہو۔ اس معاملے میں تمہارا ہر قدم ایک جوا ہوگا اور جوا بہر حال جوا ہوتا ہے۔ اس میں ہارنے اور جیتنے کے امکانات برابر ہوتے ہیں۔ ہار کی صورت میں تم خود پر کس طرح قابو پاؤ گے تمہیں اس بارے میں بھی سوچنا ہے۔ یہ ساری باتیں سوچنے کے بعد یہ طے کر لینا کہ اس محبت کو قائم رکھنا چاہتے ہو یا پھر سارا معاملہ ختم کر دینا چاہتے ہو۔ اگر سب کچھ سونے کے بعد بھی تم اس لڑکی سے شادی کے خواہشمند ہوئے تو ٹھیک ہے۔ پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس لڑکی کو تلاش کر دوں گا کیونکہ یہ ایسی بھی ناممکن بات نہیں ہے۔

سعود اپنی بات ختم کر کے وہاں سے اٹھ گیا تھا مگر ڈیٹیل کے ذہن میں ابھی بھی اس کی باتیں کونج رہی تھیں۔

اس شام وہ ایک بار پھر کسی موہوم آس کے تحت وہاں گیا تھا۔ وہ وہاں نہیں تھی اسے اپنے اندر آنسوؤں کا ایک غبار سا اٹھتا محسوس ہوا تھا۔

اس رات اپنے کمرے میں بیٹھ کر سعود کی باتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ کوئی مسلم عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کر سکتی، تمہیں ایسا کرنے کے لیے سب سے پہلے اسلام قبول کرنا پڑے گا۔ مذہب کا سوال ایک بار پھر اس کے سامنے سر اٹھا کر کھڑا ہو گیا مگر اس بار یہودی یا عیسائی نہیں بلکہ ایک تیسرے مذہب کا پیروکار

ہونے کے بارے میں اسے سوچنا پڑ رہا تھا اور اس بار وہ اس معاملے کو ہمیشہ کی طرح اپنے سر سے جھٹک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کی زندگی کا ایک اہم معاملہ اس سے منسلک ہو گیا تھا۔

کیا میں اسلام قبول کر سکتا ہوں؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور اس سول نے اس کے ذہن میں بہت سی پرانی یادیں تازہ کر دی تھیں۔

☆-----☆-----☆

اسلام اس کے لیے کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں تھی۔ اس مذہب سے اس کا پہلا تعارف بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ وہ مراکش میں پیدا ہوا تھا۔ ایک مسلم ملک میں۔ پھر جن جن ملکوں میں گیا۔ وہ بھی اسلامی تھے۔ اذان کی آواز پر اپنے کلاس فیلوز کی پیروی کرتے ہوئے وہ بھی خاموش ہو جایا کرتا تھا اور یہ عادت پندرہ سالوں میں بہت پختہ ہو گئی تھی۔ امریکہ میں ایک لمبے قیام کے بعد پاکستان آنے پر ایک بار پھر بے اختیار اذان کی آواز پر اسے اپنا بچپن یاد آ جاتا تھا ایک بار پھر سے وہ اسی طرح استرمانا خاموش ہو جایا کرتا تھا جیسے بچپن میں اسکول میں ہوتا تھا۔ ایسی بہت سی دوسری یادیں اس کے بچپن کا حصہ تھیں جو کسی نہ کسی طرح اس کی عادت میں بھی شامل تھیں مگر اس وقت وہ یہ سب کچھ سوچے سمجھے بغیر کیا کرتا تھا۔

اسلام کے بارے میں پہلی بار اس نے تب سوچا تھا جب چھ سال کی عمر میں وہ اپنے والدین کے ساتھ ایک سال کے لیے لندن آیا تھا۔ یہیں پہلی بار اس نے اپنی ماں کے ساتھ چرچ میں ایک پادری کا وعظ سنا تھا جس میں وہ لبنان اور دنیا کے کچھ دوسرے علاقوں میں عیسائی کے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے کیے جانے والے مظالم

کا ذکر کر رہا تھا۔ وہ ان مظالم کی کچھ اس طرح منظر کشی کر رہا تھا کہ چرچ کی بچوں پر بیٹھی ہوئی کچھ عورتوں کی آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر سسکیاں آ گئی تھیں۔ ان میں سبل بھی شامل تھی۔ ڈیپیل نے تب حیرانی سے ماں کو دیکھا تھا اور خود بھی اداس ہو گیا تھا۔ مسلمان ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس دن چرچ سے باہر آتے ہوئے اپنی ماں کی انگلی پکڑے ہوئے اس نے اپنی ماں سے پوچھا۔

یہ ان کا کلچر ہے۔۔۔۔۔۔ وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کی ماں نے کہا تھا وہ غور سے ماں کے جملے کو سوچتا رہا۔

مگر اس طرح لوگوں کو مارنا بہت برا ہوتا ہے ہمارا؟ اس نے ماں سے پوچھا۔ ہاں برا ہوتا ہے مگر مسلمانوں کو ان کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ اور بھی بہت سے برے کام کرتے ہیں۔ میں تمہیں گھر چل کر بتاؤں گی۔ اس کی ماں نے اسے کہا تھا۔ اس دن گھر جا کر سبل نے ایک کتاب کھولی تھی ڈیپیل کو اسپین پر مسلمانوں کے قبضے اور مظالم کی تفصیلی داستان سنائی تھی۔ اگلے ایک ہفتے میں وہ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کی زیادتیوں کے قصے بھی سن چکا تھا۔

ایک ہفتے بعد اس کے اسکول میں ایشیا کے مسلم ممالک میں عیسائی مشنریز اور مقامی عیسائی کمیونٹی کے لیے فنڈز اکٹھے کیے گئے تھے۔

آپ لوگ ایک چاکلیٹ کی قیمت ہمیں دے سکتے ہیں ایک دن ایک چاکلیٹ نہ کھا کر آپ بہت سے ایسے بچوں کی مدد کر سکتے ہیں جن کے پاس چاکلیٹ تو کیا کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

ڈیپیل نے اسکول میں آنے والے اس فادر کی باتیں تین دوسرے بچوں کی

طرح غور سے سنی تھیں اور پھر دوسرے بچوں کے ساتھ اپنی اس دن کی پاکٹ منی اپنے پاس رکھنے کے بجائے چیریٹی باکس میں ڈال دی۔ گھر آ کر اس نے اپنی ماں کو اپنا یہ کارنامہ بتایا تھا۔ سبل بے تحاشہ خوش ہوئی۔

ان بچوں کے پاس کھانے کے لیے کچھ گیوں نہیں ہے؟ اس نے رات کو بیٹھے بیٹھے سبل سے پوچھا تھا۔

کیونکہ یہ لوگ مسلم ممالک میں رہ رہے ہیں۔ مسلم اپنے علاوہ تمام دوسرے مذاہب کے لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ وہاں کی مقامی عیسائی آبادی سے برا سلوک کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں وہ لگ کم تعداد میں ہیں اس لیے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے انہیں کوئی خوف نہیں ہے۔ یہ فنڈز اکٹھے ہونے کے بعد ان ملکوں میں بھیجا جائے گا، وہاں ان بچوں کے لیے اسکول بنائے جائیں گے۔ ہاسٹل بنائے جائیں گے۔ ان کے کھانے اور رہنے پر خرچ کیے جائیں گے۔

سبل نے اس تفصیل سے بتایا تھا جو ایک بات سبل نے اسے اس وقت نہیں بتائی اور جو اس واقعہ کے پندرہ سال بعد ایک آرٹیکل کے ذریعے اس کے علم میں آئی وہ یہ تھی کہ یہ فنڈ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے غریب مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے کے لیے ان کی بھاری مالی ادا کے لیے بھی استعمال کیے جاتے تھے۔

چھ سال کی عمر میں دوسرے بچوں کی مدد کرنے کے لیے اس نے باقاعدگی سے اپنی پاکٹ منی اسکول میں موجود چیریٹی باکس میں ڈالنا شروع کر دیا اور جس دن وہ ماں کے ساتھ چرچ جاتا اس دن وہ چرچ میں چیریٹی باکس میں روپے ڈالنا نہ بھولتا

Muslims are wicked brutal and treacherous

(مسلمان مکار، وحشی اور دھوکے باز ہیں) یہودیوں کی ایک عبادت گاہ میں 1967 کی عرب اسرائیل جنگ کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے ایک یہودی مذہبی رہنما کا یہ وہ جملہ تھا جو اگلے کئی دن اس کے ذہن سے چپکا رہا۔ وہ پیٹرک کے ساتھ ہفتہ وار عبادت کے لیے گیا تھا اور وہاں بھی ریباٹی مسلمانوں کے مظالم کے بارے میں بتاتے ہوئے یہودیوں سے فنڈز کی درخواست کر رہا تھا۔ ڈینیئل نے اپنے باپ کو ایک چیک کاٹ کر ریباٹی کی طرف بڑھا دیا۔ ریباٹی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا تھا۔

یہی بچے اسرائیل اور یہودیوں کا مستقبل ہوں گے۔ ریباٹی نے اسے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔ ڈینیئل نے کچھ جھینپتے ہوئے اپنے باپ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اس وقت فخر اور چمک تھی پھر یہ بھی ایک روٹین بن گئی تھی وہ جب بھی باپ کے ساتھ جاتا اور اپنی پاکٹ منی یہودیوں کے لیے وقف کر آتا۔ جب ماں کے ساتھ جاتا تو اپنی پاکٹ منی عیسائیوں کے لیے دے آتا۔

شاید مسلمانوں کے خلاف اس کی یہ برین واشنگ ناپسندیدگی سے نفرت میں بدل جاتی اگر دوبارہ اپنے والدین کے ساتھ مصر نہ چلا جاتا اور پھر اگلے بہت سے سال وہاں گزارتا جہاں اس کے ٹیچرز اور کلاس فیلوز کی بڑی تعداد مسلمان تھی اور وہ اتنے ہی مہربان اور محبت کرنے والے تھے جتنے اس کے دوسرے ٹیچرز اور کلاس فیلوز تھے۔ انہیں کمپنی کی طرف سے جو گھر دیا گیا تھا۔ وہ ایک مسلمان بیوہ کی ملکیت تھا جو خود اسی گھر کی انیکسی میں رہتی تھی۔ مگر اپنی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس

نے اپنے گھر کو کرائے پر دے دیا تھا۔ حامدہ اسد الزہیر نامی یہ عورت ترکی سے تعلق رکھتی تھی جو اپنے شوہر سے شادی کے بعد وہاں آئی تھی اور سبل کے اس سے اچھے تعلقات تھے۔ وہ بے اولاد تھی اور ڈیپیل سے بہت محبت کرتی تھی۔ اگر کبھی ڈیپیل کو گھر پر چھوڑنے کی ضرورت پیش آتی تو سبل حامدہ کے پاس ہی چھوڑا کرتی تھی اور حامدہ اس کی بہت اچھی طرح سے دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔ ڈیپیل اسے ہمیشہ سر سے پاؤں تک ایک سفید چادر میں لپیٹا دیکھا کرتا تھا اور وہ زیادہ تر قرآن کی تلاوت کرتی رہتی تھی۔ جب سبل ڈیپیل کو اس کے پاس چھوڑ جاتی تب بھی اس سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اور اسے کسی سرگرمی میں لگا کر وہ خود ایک بار پھر قرآن کی تلاوت کرنے لگتی تھی۔ اور یہی ڈیپیل اور اس عورت کے درمیان ایک مخصوص بے تکلفی پیدا ہونے لگی۔ وہ شروع میں کچھ جھجکتا رہا مگر پھر آہستہ آہستہ اس عورت سے مسلمانوں کے بارے میں اپنے ذہن میں بٹھائے گئے تمام خدشات کا اظہار کرنا رہا۔ حامدہ اسد الزہیر اس کی بعض باتوں پر مسکراتی اور بعض باتوں پر تہقہ لگا کر ہنس دیتی۔ پھر تلاوت کرتے کرتے وہ کسی آیت کا انگلیش میں ترجمہ سناتی۔

”ہمارا خدا اور پیغمبر ﷺ اس طرح کی باتیں کہتے ہیں اور ہم اس طرح کی باتوں پر عمل کرتے ہیں“ وہ ہر بار یہی کہتی تھیں کہ تم نے ان زیادتیوں کے بارے میں سنا ہے جو مسلمانوں نے دوسروں پر کی ہیں مگر جو مسلمانوں پر کی گئی ہیں وہ تم نہیں جانتے۔ فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اسے تفصیل سے بتانے لگتی۔ ترکی میں اتحادیوں نے جو سارے عیسائی ملک تھے کیا کیا۔ وہ پہلی جنگ عظیم کی تفصیل بتانے لگی۔ برصغیر میں مسلمانوں کے ساتھ برٹش نے کیا کیا۔

بھی اسے یہ بات پہلے کی طرح بری نہیں لگتی تھی اسے وہ لڑکیاں اپنی ہی ماں کی ایک
 extention لگتی تھیں۔ اسکی اپنی ماں بھی اسکرٹ یا ٹراؤزر پہننے کے باوجود اپنے
 جسم کو بہت اچھے طریقے سے ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ اس نے اپنے دوستوں کی ماؤں کو
 بھی اس طرح دوسروں کی مدد کرتے دیکھا تھا جس طرح خود اس کی ماں کرتی تھی۔
 پندرہ سال کی عمر میں واپس امریکہ جاتے ہوئے وہ خود بھی ان اسلامی
 روایات کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ اس کے لیے امریکہ میں نظر آنے والی آزادی ایک
 شک کی طرح تھی۔ پردے میں چھپی رہنے والی عورتوں سے بے لباس رہنے والی
 عورتوں کا موازنہ کرتے ہوئے وہ شدید کشمکش کا شکار تھا، کون بہتر تھیں؟ کون بدتر
 تھیں؟ اس کے ذہن میں ایک باحیا اور باپردہ مسلم عورت کا تصور کچھ اتنی سختی سے نقش ہ
 گیا کہ مسلم ممالک میں خاص طور پر مصر اور اردن میں نظر آنے والی بے پردہ یا بے
 باک قسم کی عورتوں کو یا تو وہ مسلم نہیں سمجھتا تھا یا پھر یہ سوچتا تھا کہ ان کا تعلق کسی اچھے
 خاندان سے نہیں۔

اسلام کے بارے میں ایک نئی بحث کا سامنا اسے تب کرنا پڑا جب سترہ
 سال کی عمر میں اس کے اسکول میں آنے والی ایک مسلم لڑکی کو صرف اسکارف پہننے کی
 وجہ سے اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کے لیے یہ بات ایک جھٹکے کی طرح تھی۔
 صرف اسکارف لینے پر اسکول آنے سے روک دینا؟ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس
 ایٹو پر اپنے رد عمل کا اظہار کس طرح کرے۔ وہ خود مسلمان ممالک میں لڑکیوں کو
 اسکارف لیے اسکول میں آتے دیکھ چکا تھا اور اس کے لیے یہ ایک معمولی بات تھی مگر
 اب یہ معمولی بات نہیں رہی تھی۔ اس لڑکی کے والدین نے لڑکی کا اسکارف اتروانے

کے بجائے عدالت میں مقدمہ درج کر دیا تھا اور اخبارات دھڑا دھڑا اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔

چند ماہ کے اندر کیس کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ عدالت نے اسکول کی انتظامیہ کا فیصلہ برقرار رکھا تھا۔ وہ لڑکی اسی وقت اسکول آ سکتی تھی جب وہ اسکارف کے بغیر آتی اور وہ لڑکی اسکول نہیں آتی۔ اس نے کسی دوسرے اسکول میں ایڈمیشن لے لیا جہاں وہ اسکارف کے ساتھ جا سکتی تھی۔ اخبارات نے اسکول کی انتظامیہ اور عدالت پر داد و تحسین کے ڈنگرے برسا دیے تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کی طرف سے مذہبی تعصب پھیلانے کی کوشش کو ناکام کر دیا تھا۔

اگر جج یہودی، ملک عیسائی ہو اور اپیل کرنے والا مسلمان ہو تو پھر ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔

اس نے اگلے دن کیفے ٹیریا میں اپنے ایک پاکستانی کلاس فیلو کے منہ سے طنز یہ انداز میں یہ بات سنی تھی۔

اس اسکول میں ایک لڑکی ٹاپ لیس پہن کر آ جائے گی کوئی مذہبی تعصب نہیں پھیلے گا مگر ایک مسلمان لڑکی سر ڈھانپ کر آئے گی تو قیامت آ جائے گی ہمارے دین کی امتیازی صفت حیا ہے اور ہماری عورتوں کے اسکارف میں انہیں یہ صفت نظر آنے لگتی ہے۔ اسکارف ختم کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے دین پر غالب آ گئے۔ یہ ہماری شناخت سے خوف کھاتے ہیں چاہے وہ ہماری عورتوں کے لباس میں نظر آئے یا مردوں کی واڑھیوں میں۔

ڈیپیل چپ چاپ اس کی باتیں سنتا رہا تھا۔ اس کے اپنے دل میں ایک

خلش تھی۔ صرف لباس کی بنیاد پر کسی کو اس طرح اسکول سے نکال دینا کیا آزادی، مساوات اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ وہ اگلے کئی دن سوچتا رہا پھر رنٹہ رنٹہ یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی۔

یونیورسٹی میں ایم ی اے کے دوران ایک بار جب سبل اور پیٹرک نے اس سے اپنے مذہب بے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے کے لیے کہا تو کھانے کی میز پر اس نے کچھ مذاق کے انداز میں ان سے کہا۔

آپ دونوں فکر مت کریں۔ مرتے وقت میں اس طرح لا مذہب نہیں ہوں گا کہ آپ کو میری آخری رسومات میں دشواری ہو کہ کس عقیدے کے مطابق میری آخری رسومات ادا کی جائیں۔ یہودی نہیں تو عیسائی ہو جاؤں گا، عیسائی بھی نہیں تو بدھسٹ یا پھر چلیں مسلم ہو جاؤں گا۔

وہ ٹرائفل پر نظر میں جمائے کہہ رہا تھا۔ ڈائنگ ٹیبل پر اچانک خاموشی چھا گئی۔ ڈیبل نے کچھ حیران ہو کر ٹرائفل کھاتے کھاتے سر اٹھا کر ماں باپ کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں بے حس و حرکت کسی شاک کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔ کیا ہوا؟ وہ ٹرائفل کھاتے کھاتے رک گیا۔

تم نے مسلمان ہونے کے بارے میں سوچا بھی کیسے؟ سبل نے سرد آواز میں کہا تھا۔

میں نے سوچا نہیں صرف مذاق کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اس نے وضاحت کی۔

اتنی اہمیت کیسے دے دی تم نے اس مذاق کے طور پر بھی اسے قبول کرنے کا

اس کے ماں باپ میں مذہبی تعصب نہیں ہے۔ آخر اسلام سے یہ لوگ خوفزدہ کیوں ہیں؟ وہ سوچتا رہا۔ مجھے مطالعہ کرنا چاہیے اسلام کے بارے میں بھی مجھے کچھ بنیادی معلومات ضرور رکھنی چاہیے۔ اس نے اس رات طے کیا تھا اور یہی تجسس تھا جس نے اسے اسلام کا مطالعہ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ چھ ماہ اسلام کی تاریخ اور قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے کے بعد اس کا ذہن مذہب کے انتخاب کے بارے میں کچھ اور کش مکش کا شکار ہو گیا تھا۔ بہر حال یہ تو طے ہے کہ میں جب بھی اپنے لیے ایک مذہب کا انتخاب کروں گا تو پھر صرف عیسائیت یا یہودیت نہیں میں اسلام کے بارے میں بھی غور کروں گا۔ ان چھ ماہ کے بعد یہ اس کا فیصلہ تھا۔

کیتھی کے ساتھ دوستی کے اختتام پر ہونے والے جھگڑے میں اس کے کہے گئے الفاظ نے اسے ایک بار پھر اس مذہب کی طرف متوجہ کیا تھا۔

میرے بجائے کسی جاہل پر دے میں چھپی ہوئی مسلم عورت سے شادی کرو جو ساری عمر تمہاری انگلی پکڑ کر چلتی رہے اور تمہارے علاوہ کسی دوسرے مرد کا منہ دیکھنے کی جرات نہ کرے۔

وہ کیتھی کے کہے گئے جملے پر کئی دن مشتعل ہو کر سوچتا رہا کہ مسلم عورت واقعی کیتھی جیسی عورتوں سے بہتر ہوتی ہے، کم از کم وہ پاک باز تو ہوتی ہے اس میں وفادار اور حیا تو ہوتی ہے۔ وہ اپنی نمائش کروانے کا شوق نہیں رکھتی۔ جو مذہب اپنے پیروکاروں میں یہ خوبیاں پیدا کرے وہ اس مذہب سے بہتر ہے جو اپنے پیروکاروں میں یہ خصوصیت پیدا نہ کر سکے۔ کیتھی نے اسے مسلم عورت سے شادی کا طعنہ اس لیے دیا تھا کیونکہ مغرب میں مسلم عورت ایک پسماندہ، ان پڑھ، مجبور اور لاچار مخلوق کے طور پر پیش

کی جاتی تھی اور اسی مخلوق کسی بھی اچھے مرد کے قابل نہیں سمجھتی جاتی۔ مگر ڈیپیل کو یہ بات طنز لگنے کے بجائے ایک نئی راہ دکھانے لگی تھی۔ وہ راہ جو اسے مشرقی عورتوں کی طرف متوجہ کر گئی۔

پھر وجیتا کے منہ سے کہے گئے الفاظ اسے ایک بار پھر بے چین کر گئے تھے۔ بعض دفعہ تم مجھے ایک مسلم مرد کی طرح تنگ نظر اور کٹر لگتے ہو۔ اسے اس وقت اس تبصرے پر غصہ آیا تھا اگر میں اپنی بیوی کا کسی دوسرے کے سامنے براہمنہ ہونا پسند نہیں کرتا تو اس میں تنگ نظری اور کٹر ہونا کہاں سے آ جاتا ہے۔ جو چیز قیمتی ہو اور اس کی قدر کی جائے تو اسے کوئی بھی گلی میں نہیں رکھتا۔ اگر مسلمان مرد بھی اپنی عورت کے بارے میں ایسے خیالات رکھتا ہے تو ٹھیک کرتا ہے۔ کیا اسی باتوں کی وجہ سے مغرب نے مسلمانوں پر تنگ نظری، تعصب اور کٹر پن کے ٹھپے لگائے ہوئے ہیں۔ اس رات وہ بھی بہت دیر تک یہی سب سوچنے پر مجبور تھا۔

جب ملنے کے بعد وہ پاکستان آ گیا تھا مگر یہاں بھی جس سوسائٹی میں وہ مو کو کرنا تھا زیادہ تر لڑکیاں ایسی ہی تھیں۔ وہ پارٹیز میں ایوننگ گاؤنز میں ملبوس لڑکیوں کو ہاتھ میں شراب کے گلاس لیے مردوں کے ساتھ بے تکلفی کے مظاہرے کرتے دیکھتا اور حیران ہوتا، کیا واقعی اب مسلم ممالک میں بھی ویسی عورتیں نہیں ملتیں یہی Stuff ملتا ہے جو کسی بھی ترغیب کے سامنے نہیں آ سکتا چاہے وہ ترغیب دولت کی صورت میں ہو، شہرت کی صورت میں ہو اسٹینڈس کی صورت میں ہو یا پھر کسی مرد کی صورت میں ہو۔ وہ مایوسی سے سوچتا اور شادی سے کچھ اور متنفر ہو جاتا۔

اگر ایسی ہی کسی عورت کو زندگی کا ساتھی بنانا تھا تو اپنے معاشرے کی عورت

کیوں نہیں پھر یہاں شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کچھ بے دلی سے سوچتا۔
آہستہ آہستہ وہ اپنے کام میں اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ اس نے پارٹیز میں لڑکیوں کو اس
نظر سے دیکھنا ہی ختم کر دیا۔ وہ ہر ایک سے ساتھ رہی علیک سلیک کرنا اور رابطہ ختم کر دیتا
۔ اس کی یہ روئین لاہور آنے کے بعد بھی ایسے ہی رہی تھی۔

☆-----☆-----☆

اور اب ہو ایک ایسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا سوائے نام کے۔ اگر یہ لڑکی بھی ان ہی لڑکیوں جیسی ہوئی جنہیں میں آج تک مسٹر دکر تارہا ہوں تو پھر میں کیا اسے بھی چھوڑ دوں گا؟

اس نے خود سے پوچھا تھا اور جواب دینے کی ہمت اپنے اندر نہیں پائی۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس کے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھوں گا اور اپنے حال کو ویسا بنایا جاسکتا ہے جیسا میں چاہتا ہوں۔ جب میں اسے زندگی میں سب کچھ دوں گا تو کیا وہ میرے لیے پارسائی اختیار نہیں کر سکے گی۔ اس نے سوچا۔ وہ کر لے گی کیونکہ وہ شرفی عورت ہے اور شاید مسلمان بھی۔

پچھلے پینتیس سالوں سے جس مسئلے کو وہ ناتارہا تھا، اب وہ اس کے سامنے اس طرح آ گیا تھا کہ وہ آنکھیں چرا کے آگے نہیں جاسکتا تھا۔

کیا میں ایک مسلمان عورت سے شادی کے لیے اسلام قبول کر سکتا ہوں؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا تھا اس کے اندر خاموشی کا ایک طویل وقفہ تھا۔ ہاں میں کر سکتا ہوں۔ بالآخر جواب آیا تھا۔

اگر وہ لڑکی مجھے مل جائے تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ فیصلہ بہت آسان ہو گیا تھا۔ اگلے دن ایک بار پھر فاسٹ نوڈ چین پر گیا تھا۔ وہ آج بھی نہیں تھی۔ رات کو وہ سعود کے پاس پہنچ گیا۔

ٹھیک ہے، تم نے فیصلہ کر لیا کہ تم اس لڑکی کے لیے مذہب تبدیل کر لو گے۔ اچھا فرض کرو، کچھ عرصہ کے بعد تم دونوں کی شادی ہو جاتی ہے اور تم اسے طلاق دے دیتے ہو پھر تم کیا کرو گے؟ کیا اسلام چھوڑ دو گے؟ اس کے پاس ڈیپیل ک لیے ایک اور مشکل سوال تھا۔

شادی ناکام ہونے سے مذہب کی تبدیلی کا کیا تعلق ہے؟

بہت گہرا تعلق ہے تم مذہب سے متاثر ہو کر اسلام قبول نہیں کر رہے۔ صرف ایک عورت سے شادی کی خاطر ایسا کر رہے ہو ظاہر ہے اگر وہ عورت تمہارے پاس نہ رہی تو پھر تمہارے مسلمان رہنے کا بھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہت معذرت کے ساتھ کہوں گا لیکن سچ یہی ہے کہ تم جیسا شخص جس کی زندگی میں کبھی مذہب رہ ہی نہیں اس کے لیے کسی مذہب میں داخل ہونے سے زیادہ آسان کام نکلتا ہے۔

وہ سعود کا چہرہ دیکھتا رہا۔ میرے ذہن میں اس بارے میں کوئی الجھن نہیں ہے، ٹھیک ہے، میں ایک عورت کے لیے اسلام قبول کر رہا ہوں اور میرا خیال ہے یہ مذہب مجھے ایک بہتر انسان بنائے گا لیکن ایک عورت کو چھوڑنے پر میں یہ مذہب چھوڑنے کا کوئی خیال نہیں رکھتا۔ شادی ایک معاشرتی معاملہ ہے مگر مذہب کا تعلق عقائد سے ہوتا ہے۔

پھر تم یہ بات تسلیم کرو کہ بعض معاشرتی معاملات ہمارے عقائد پر اثر انداز

ہوتے ہیں۔

کم از کم میں اپنے معاشرتی معاملات کو عقائد پر اثر انداز ہونے نہیں دوں گا۔ میں اس معاملے میں تم سے بحث نہیں کروں گا ٹھیک ہے ایک فیصلہ اگر تم نے کیا ہے تو میں یہی چاہوں گا کہ خدا تمہیں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔ سعود نے بحث ختم کرتے ہوئے کہا۔

اگلی شام وہ سعود کے ساتھ وہاں گیا تھا اور ہال میں داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر ایک چمک نمودار ہوئی تھی اس نے بے اختیار سعود کا بازو پکڑ لیا۔

وہ واپس آ گئی ہے۔ سعود نے کچھ حیرت کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے، چند لمحوں میں ہی اس کے چہرے کی اداسی اور بے چینی ختم ہو گئی تھی۔ سعود نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا وہاں بہت سی لڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔ ڈیپیل اسے اپنے ساتھ لیے ایک لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے سر اٹھا کر ڈیپیل کو اپنی طرف آتے دیکھا اور مسکرائی۔ ڈیپیل نے آرڈرنوٹ کروانے کے بجائے بے تابانی سے اس سے پوچھا۔

آپ ایک ہفتہ سے کہاں تھیں؟ اس لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ غائب ہو گئی ہے۔ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں وہ ڈیپیل اور سعود کا چہرہ دیکھتی رہی۔ سعود نے بروقت مداخلت کی اور آرڈرنوٹ کروانا شروع کر دیا۔ وہ ہاں سے چلی گئی تھی۔

ڈیپیل خود پر قابو رکھو تمہاری اس کے ساتھ اتنی جان پہچان نہیں ہے کہ تم اس کے یہاں نہ ہونے کے بارے میں اس طرح پوچھنے لگو۔

سعود نے اسے کچھ سرزنش کی۔ دس منٹ کے بعد وہ دوبارہ رے کے ساتھ

نمودار ہوئی۔ اس بار لڑکی نے ڈیٹیل کی طرف دیکھنے کی کوشش کی تھی نہ وہ مسکرائی تھی۔ خاموشی کے ساتھ اس نے آرڈر سر و کیا اور پیچھے ہٹ گئی۔ وہ دونوں اپنی ٹرے اٹھا کر ایک قریبی ٹیبل پر پہنچ گئے۔

تو یہ امید عالم ہے؟

ہاں۔۔۔ ڈیٹیل نے دور کاؤنٹر پر اس پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔
ٹھیک ہے میں اس کے بارے میں اتنا پتا کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم اسے شادی کا پروپوزل دو۔ کم از کم اس کا رد عمل تو معلوم ہو سکے گا۔
سعود نے اسے مشورہ دیا تھا۔

شادی کا پروپوزل؟ ٹھیک ہے میں اسے آج پروپوز کر دوں گا۔

وہ بھی اسے عی دیکھ رہا تھا۔ سعود کو ڈیٹیل کی بے اختیار ری پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ بہت سنجیدہ اور ریزورسٹم کا آدمی تھا۔ کسی لڑکی کے بارے میں اس طرح کا والہانہ انداز سعود کے لیے نیا تھا۔ اس وقت سعود کو یوں لگ رہا تھا جیسے ڈیٹیل پوری طرح سحر زدہ ہے۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی بات کرتے ہوئے اس لڑکی سے نظریں نہیں ہٹائی تھی یوں جیسے اسے خوف ہو کہ وہ دوبارہ گم ہو جائے گی۔

سعود آدھ گھنٹہ اور بیٹھا تھا پھر اٹھ کر چلا گیا تھا جبکہ ڈیٹیل وہیں بیٹھا رہا تھا۔ ات کو اس وقت سے پہلے جب وہ چلی جایا کرتی تھی وہ اٹھ کر اس کی طرف آیا تھا۔ اس بار اس لڑکی نے کچھ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

امید کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟

اس نے لڑکی کو پتھر کے بت کی طرح ساکت ہوتے دیکھا۔ چند لمحے وہ

سافس رو کے اسی طرح کھڑی رہی پھر وہ تیزی سے کاؤنٹر کے پیچھے دروازے سے غائب ہو گئی۔ ڈبیل کچھ دیر اس کا انتظار کرتا رہا مگر وہ دوبارہ نمودار نہیں ہوئی۔ وہ کچھ بے چین اور مایوس ہو کر باہر اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ معمول کے مطابق باہر ریسٹورنٹ کی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ ڈبیل نے ہمیشہ کی طرح گاڑی کا تعاقب ہاسٹل کیا۔ پھر واپس گھر آ گیا۔ گھر آنے کے بعد اس نے فون پر سعود کو اس کے رد عمل کے بارے میں بتایا۔

اچھا ٹھیک ہے اب میں اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔ سعود نے اسے تسلی دے کر فون بند کر دیا۔ اگلے دن وہ اپنے معمول کے مطابق آفس سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ وہیں گیا تھا اور یہ دیکھ کر بے چین ہو گیا کہ وہ ایک بار پھر کاؤنٹر پر نظر نہیں آ رہی تھی۔

امید عالم انہوں نے کل جاب چھوڑ دی۔ اس کے پیروں تلے سے جیسے کسی نے زمین کھینچ لی تھی پتا نہیں کیوں اسے یہ محسوس ہوا تھا کہ اس نے اسی وجہ سے جاب چھوڑی تھی۔ وہ چند لمحے کچھ کہے بغیر کاؤنٹر پر کھڑا رہا پھر باہر نکل آیا اور باہر نکلتے ہی وہ سیدھا اس ہاسٹل گیا تھا جہاں وہ رہتی تھی۔ چونکہ اس سے اس نے امید کے بارے میں پوچھا اور چونکہ اس نے قدرے سرد لہجے میں اس سے کہا۔ وہ کل ہاسٹل چھوڑ کر جا چکی ہیں۔

کہاں چلی گئیں؟ اس کی جیسے جان پر بن آئی تھی۔ یہ ہمیں نہیں پتا۔ چونکہ اس نے سر دھری سے جواب دیتے ہوئے گیٹ بند کر

لیا۔ وہ پتا نہیں کتنی دیر سن ذہن کے ساتھ گیٹ کے باہر کھڑا رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ اسے کس طرح اور کہاں ڈھونڈے پھر پتا نہیں کس خیال کے تحت اس نے ایک بار پھر گیٹ بجایا۔ چونک کر باہر نکلا۔

کیا امید عالم مسلمان ہیں۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف پلٹ آیا۔

وہ نہیں جانتا وہ کون سے علاقے کی کون سی مسجد تھی اسے صرف یہ یاد تھا کہ کئی گھنٹے سڑک پر بے مقصد گاڑی چلانے کے بعد اس نے ایک بہت بڑی مسجد دیکھی اور اس نے وہاں گاڑی روک دی۔ مسجد کے اندر جا کر اس نے امام سے ملاقات کی تھی اور اپنے آنے کا مقصد بتایا، امام مسجد بہت دیر حیرانی سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے مسجد میں اس وقت موجود چند لوگوں کو ڈیپیل ایڈگر کے آنے کی وجہ بتائی تھی۔ ڈیپیل نے ان سب کے چہرے پر بھی اتنی ہی حیرانی دیکھی۔ وہ بڑے صبر سے ان سب کو کچھ فاصلے پر ایک دوسرے سے باتیں کرنا دیکھتا رہا چند منٹوں بعد وہ بالآخر اس کی طرف آئے اور گرم جوشی کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا۔

ایک گھنٹے کے بعد ڈیپیل ایڈگر ایمان علی کی صورت میں اس مسجد کے ہال میں کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ انہیں کی پیروی میں نماز ادا کر رہا تھا۔ دعا مانگتے ہوئے امام کی دعا ختم ہو جانے کے بعد اس نے ایک دعا اور مانگی تھی اور اس کے بعد آمین کہا تھا۔

وہاں سے واپس گھر آ کر اس نے سعودی ترضی کو فون کر کے سب کچھ بتا دیا تھا۔ ڈیپیل نے ایمان علی میں جو کام کرنا چاہتا تھا۔ وہ کر چکا ہوں۔ جلد کیا ہے یا دیر سے اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے بتا دو کہ امید کو ڈھونڈنے

کے سلسلے میں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔ اس کے علاوہ میں ایسے کسی عالم سے بھی ملنا چاہتا ہوں جو مجھے کچھ رہنمائی فراہم کر سکے۔

سعود کو اس کے لہجے میں موجود سکون اور اطمینان نے حیران کیا۔
اگلے دن دونوں کی ملاقات ایمان کے آفس میں ہوئی تھی۔ سعود نے اسے
گلے لگا کر مبارکباد دی۔

میں ابھی کسی پر اپنی مذہب کی تبدیلی کا انکشاف نہیں چاہتا۔ توقع رکھتا ہوں
کہ تم اس بات کا خیال رکھو گے۔ اس نے بات کا آغاز کرتے ہوئے سعود کو ہدایت
دی۔ ٹھیک ہے تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں
تک امید کا تعلق ہے تو کل تک تمہیں اس کے بارے میں پتا چل جائے گا۔ آج شام کو
میرے ساتھ چلنا، میں تمہیں ایک اسکالر سے ملواؤں گا۔ سعود نے اٹھنے سے پہلے کہا
تھا۔

شام کو وہ سعود کے ساتھ اسکالر کے پاس گیا تھا جس کا سعود نے ذکر کیا تھا۔
ایک نسبتاً غیر معروف علاقے میں ایک چھوٹے سے مگر بہت عمدگی سے بنے ہوئے گھر
میں وہ ایک دراز قامت، سانولی رنگ کے باریش آدمی سے ملا تھا۔ جس نے مصافحہ
کرنے کے بعد اس کو گلے لگایا تھا۔ وہ اسے اندر اپنے ڈرائنگ روم میں لے گیا تھا
جہاں کی سب سے نمایاں اور خاص بات وہاں کی سادگی اور کتابوں کی تعداد تھی۔ ان
کے اندر بیٹھتے ہی ایک ملازم ایک ٹرے میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے آیا تھا۔

ایمان اپنی نظریں اپنے سامنے بیٹھے ہوئے اس شخص پر جمائے رہا جس کا
نام ڈاکٹر خورشید اصغر تھا جبکہ وہ شخص بڑے پرسکون انداز میں ہلکی سی مسکراہٹ کے

ساتھ ملازم کو میز پر چیزیں سجاتے دیکھ کر ہدایات کر رہا تھا۔ ملازم کے جانے کے بعد چائے پیتے ہوئے اسی پرسکون انداز میں اس نے ایمان علی کو مخاطب کیا۔

مجھے شرمندگی ہے کہ آپ کے سامنے بہت زیادہ چیزیں پیش نہیں کر سکا۔ اس کی بات پر ایمان کچھ شرمندہ ہو گیا۔

آپ نے پہلے بہت تکلف کیا ہے، اتنے اہتمام کی ضرورت نہیں تھی چائے کا ایک کپ ہی کافی ہوتا۔

ایمان چائے پیتے پیتے رک گیا۔ اس کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کچھ ابھی ہوئی نظروں سے اس نے ساتھ بیٹھے سعود کو دیکھا جو بڑی بے نیازی سے چائے پینے میں مصروف تھا۔

سعود صاحب سے پتا چلا کہ آپ ایک عورت کے لیے ڈیپیل ایڈگر سے ایمان علی بن گئے ہیں۔ ہمیں اس عورت کو دیکھنے کا اشتیاق ہے جس کے لیے آپ ایمان علی بن گئے۔ سچ پوچھیے تو بہت کم عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے کوئی ایمان علی بننے کی خواہش کرے۔ ایمان علی اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کس رستے کا انتخاب کر لیا ہے؟ اس نے ایک دم ایمان علی سے پوچھا۔

نہیں۔ اس شخص کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آ گئی۔

میں اتنا جانتا ہوں کہ اپنے سامنے موجود تین رستوں میں سے میں نے سب سے بہتر رستے کا انتخاب کیا ہے اب وہ راستہ کہاں جائے گا یہی جاننے میں آپ

کے پاس آیا ہوں۔

یہ آزمائش کا راستہ ہے۔۔۔۔۔ آزمائش جانتے ہیں آپ؟ ایمان نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ہاں آپ کو اس لیے علم نہیں ہوگا کیونکہ آپ ساری زندگی مذہب کے دائرہ سے باہر رہے ہیں۔ مگر ابھی کچھ عرصہ کے بعد آپ کا سامنا آزمائش سے بھی ہوگا۔ اسی وقت یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ دین کے لیے آپ میں کتنی استقامت ہے۔ آپ ہر روز اسی وقت میرے پاس آ جایا کریں۔ میں کوشش کروں گا کہ دین کے بارے میں آپ کی واقفیت بڑھا سکوں۔ دین سے عشق تو اللہ بڑھائے گا۔

انہوں نے بڑے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

وہ تقریباً دو گھنٹے ان کے پاس بیٹھا رہا۔ انہوں نے اسے بہت سی بنیادی اور ضروری باتوں سے آگاہ کیا تھا۔ جانے سے پہلے انہوں نے اسے کچھ کتابیں مطالعہ کے لیے دیں۔ وہ ان کے پاس سے واپس آتے ہوئے بہت مطمئن تھا۔ رات کو سونے سے پہلے اسے اپنی پچھلی رات کو نماز کے دوران کی جانے والی دعایا دہائی تھی۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز کی طلب ہی مذہب کی طرف لے آتی ہے مجھے ایک عورت کی طلب اس طرف لے آئی ہے اور اب جب میرے پاس ایمان ہے تو میں اسی ایمان کا سہارا لے کر تم سے دعا کرتا ہوں کہ مسلمان کی حیثیت سے میری پہلی دعا قبول فرماؤ۔ اگر میری محبت میں اخلاص ہے تو وہ لڑکی مجھے مل جائے۔ میں زندگی میں پہلی بار تم سے کچھ مانگ رہا ہوں اس سے پہلے مجھے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی مگر اب اس طرح ایک مسلمان کے طور پر تمہارے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے مجھے یہ یقین ہے کہ میں ٹھکرایا نہیں جاؤں گا۔ میری دعا قبول کی جائے گی۔ مجھے اس چیز سے نوازا دیا

جائے گا جس کی مجھے خواہش ہے۔

ایمان علی نے آنکھیں بند کر کے اپنے الفاظ یاد کیے تھے اور پھر آنکھیں کھول دیں۔ ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے مل جائے گی کم از کم اب ضرور مل جائے گی۔ اس نے دوسری بار سونے کے لیے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا۔

☆-----☆-----☆

وہ اسی ہاسٹل میں ہے۔ اس کا باپ آرمی میں میجر تھا۔ وہ دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ اس کا گھر راولپنڈی میں ہے۔ ابھی وہ شادی شدہ نہیں ہے۔ ظ سعود ارتضیٰ نے اگلے روز شام کو اسے امید عالم کے بارے میں ہماری تفصیلات فراہم کر دی تھیں۔ اس کے پاس امید کا راولپنڈی والے گھر کا ایڈریس اور فون نمبر بھی تھا۔

مگر چوکیدار نے تو کہا تھا کہ وہ وہاں نہیں ہے۔ وہ سعود کی اطلاع پر کچھ حیران ہوا۔

ہاں چوکیدار نے جھوٹ بولا ہوگا۔ ہو سکتا ہے۔ جھوٹ بولنے کے لیے اسے امید نے ہی کہا ہو۔

پھر اب-----اب کیا کرنا چاہیے۔

میں کسی ذریعے سے اس کی فیملی سے رابطہ قائم کر کے تمہارا پر پوزل بھجوانے کی کوشش کرنا ہوں۔

تم یہ کام کس طرح کرو گے؟

یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔۔۔ سعود نے اس سے کہا۔



وہ نہیں جانتا تھا کہ سعود امید کے گھر والوں سے رابطہ کے لیے کس طرح کی کوششیں کر رہا ہے۔ اس نے یہ معاملہ مکمل طور پر اسی پر چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ ہر روز رات کو ڈاکٹر خورشید کے پاس چلا جایا کرتا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں بہت بڑے بڑے اسکالرز سے ملتا رہا تھا۔ ہاروڈ میں تعلیم کے دوران بھی اپنے کچھ پروفیسرز سے وہ بہت زیادہ متاثر تھا۔ مگر تیسری دنیا کے ایک چھوٹے سے ملک میں رہنے والا یہ اسکالر اس کے لیے حیران کن تھا۔ وہ جامعہ الاذہر سے تعلیم یافتہ تھے اور اردو اور انگلش کیا ساتھ ساتھ عربی بھی بہت روانی سے بولتے تھے مگر سب سے بڑا شاک اسے اس وقت لگا تھا جب ایک دن ان سے بات کرتے کرتے اس نے روانی میں ایک جملہ جرمن زبان میں کہا اور اس جملے کا جواب انہوں نے اتنی ہی شستہ جرمن میں دیا تھا۔

جرمن؟ وہ حیرانی سے ان کا منہ دیکھنے لگا۔

آپ کی طرح میں بھی کچھ زبانیں بول لیتا ہوں۔ ان کا اطمینان برقرار تھا۔ اس دن بے بعد وہ اکثر ان سے جرمن میں ہی گفتگو کرتا تھا، اسی انسان کے علم کی حد کیا ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے وہ یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ ڈاکٹر خورشید کے پاس ہر چیز کے بارے میں معلومات تھیں اور صرف معلومات ہی نہیں تھیں یقین دلانے کے لیے ریفرنس اور قائل کرنے کے لیے دلائل بھی تھے۔ انہیں صرف اسلام کے بارے میں سیر حاصل معلومات نہیں تھیں بلکہ دنیا کے ہر چھوٹے بڑے مذہب کے بارے میں معلومات تھیں۔ اس کے ذہن میں اسلام کے بارے میں جتنی ابھنیں تھیں

وہ ایک ماہر weaver کی طرح ہر گرہ کھولتے جاتے تھے۔ بعض دفعہ وہ ان کی باتوں پر لا جواب ہو جاتا تھا اور جب وہ ان کی تعریف کرتا تو وہ کہتے۔

کوئی دلیل لا جواب نہیں کر سکتی جب تک دلیل میں طاقت نہ ہو۔ میرا دین دلیل کا دین ہے۔ منطق ادا دین ہے۔ سڑک پر بیٹھا ہوا ایک ان پڑھ مسلمان بھی اگر دین کا علم اور شعور رکھتا ہو تو وہ بھی کسی کو اسی طرح لا جواب کر دے گا۔ کیونکہ جس ذریعے سے ہم دلیل لیتے ہیں وہ قرآن ہے، خدا ہے، پیغمبر ہے، اسلام ہے پھر دلیل لا جواب کیوں نہیں کرے گی جب سارے ذرائع آسمانی ہوں تو ہم انسان جو زمین کی مخلوق ہیں وہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

وہ ان کی باتوں پر جتنا غور کرتا اتنا ہی اس کا ذہن صاف ہوتا جاتا۔
دو قسم کی زمین ہوتی ہے۔ ایک وہ جو بنجر ہوتی ہے، کسی بھی موسم کی بارش وہاں کتنا ہی پانی کیوں نہ برسا دے اس زمین کو بنجر ہی رہتا ہے، وہاں ہریالی نہیں ہو سکتی۔ دوسری زمین زرخیز ہوتی ہے۔ پانی کا ہلکا سا چھینٹا بھی وہاں ہریالی لے آئے گا مگر ضرورت صرف ہریالی کی تو نہیں ہوتی۔ اس ہریالی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو ورنہ ہریالی میں تو زہریلی جڑی بوٹیاں اور کانٹے دار جھاڑیاں بھی شامل ہوتی ہیں توجہ اور احتیاط کی جائے تو زرخیز زمین پر یہ دونوں چیزیں بہت افراط میں آ جاتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ صرف پانی نہ دیا جائے، زمین کی زرخیزی کو اچھے طریقے سے استعمال بھی کیا جائے آپ کو بھی اللہ نے ایسا ہی زرخیز دماغ دیا اور روح دی ہے اب آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنے آپ کو اسی نقصان دہ جڑی بوٹیوں اور کانٹے دار جھاڑیوں سے بچائیں۔ اس ہریالی کی حفاظت کریں جو آپ کی زندگی کو

ایک نئی سمت دے رہی ہے اور آپ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے آپ کر لیں گے۔

وہ اتنے یقین سے کہتے کہ اسے حیرانی ہونے لگتی اس ایمان اس اعتماد اور اس یقین پر جو انہیں اس پر تھا۔ وہ ان کے پاس آنے والا واحد نو مسلم غیر ملکی نہیں تھا۔ انہوں نے اسے دوسرے بہت سے نو مسلموں سے بھی ملوایا تھا جو اس کی طرح اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے پاس رہنمائی کے لیے آیا کرتے تھے۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہی ہے۔ مذہب کا نہ ہونا اور مذہب کا ہونا دو مختلف تجربات ہیں اور مذہب کے ہونے کا تجربہ نہ ہونے کے تجربے سے زیادہ بامعنی پر لطف اور بامقصد تھا۔

میں نے کبھی زندگی میں مذہب کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، خدا پر یقین ضرور رکھتا تھا اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ سارے مذاہب اللہ ہی کی طرف سے ہیں مگر خود میں کبھی بھی کسی مذہب سے اتنا متاثر یا سحر زدہ نہیں ہوا کہ مذہب قبول کر لیتا اور دراصل اس سے میری زندگی میں کوئی خاص فرق بھی نہیں پڑا۔ میں بہت اچھی زندگی گزار رہا تھا مجھے کبھی کسی کامیابی کے حصول کے لیے مذہب کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑی نہ ہی اللہ کو پکارنا پڑا، آپ خود سوچیں اس صورت اور ان حالات میں مذہب ایک ضرورت تو نہیں رہتی بس ایک اختیاری چیز بن جاتی ہے۔ جس کے ہونے یا نہ ہونے سے زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

وہ اچھے ہوئے انداز میں ان سے کہتا اور وہ پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی بات سنتے رہتے۔

آپ کی خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو ہمیشہ ہی صراطِ مستقیم پر رکھا مگر کسی آزمائش میں نہیں ڈالا اس لیے آپ نے یہ سوچ لیا کہ مذہب کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ صرف تمام مذاہب کا احترام کرنے اور اللہ کے وجود کو مان لینے سے کام چل جائے گا۔ آپ کو آزمائش میں نہیں ڈالات اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو آزمائش میں کبھی بھی نہیں ڈالا جائے گا۔ مذہب کی اہمیت کا اصل اندازہ تو اسی وقت ہوتا ہے جب آپ آزمائش میں ہوں۔ آزمائش بالکل دلدل کی طرح ہوتی ہے اس میں سے انسان صرف اپنے بل بوتے پر نہیں نکل سکتا۔ کوئی رسی چاہیے ہوتی ہے کسی ہاتھ کا درکار ہوتا ہے اور اس وقت وہ رسی اور ہاتھ مذہب ہوتا ہے۔ رسی اور ہاتھ نہیں ہوگا تو آپ دلدل کے اندر جتنے ہاتھ پاؤں مارے گئے اتنا ہی جلدی اس کے اندر ڈوب جائیں گے۔ پانی میں ڈوبنے والا شخص زندہ نہیں تو مرنے کے بعد باہر آ جاتا ہے مگر دلدل جس شخص کو نگٹنے میں کامیاب ہو جاتی ہے اسے دوبارہ ظاہر نہیں کرتی لیکن یہ شخص کسی دلدل سے نہیں ڈرتا۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ شور مچائے گا چلائے گا تو ہاتھ اور رسی بالآخر آ جائیں گے۔ اب سوچیے اپنی خوش قسمتی پر کہ آپ ان لوگوں کو قطار میں شامل ہو گئے ہیں جو دلدل میں گرنے پر ہاتھ اور رسی کو پکار سکتے ہیں اور ان کے آنے کی توقع بھی کریں گے۔ ہر بار ان کے گھر سے آتے ہوئے وہ بہت خوش ہوتا۔

☆-----☆-----☆

سعود نے اپنی فیملی کے ذریعے ایمان کا پر وزل امید کے گھر بھجو لیا تھا ان لوگوں نے چند دن سوچنے کے لیے لیے اور اس کے بعد انہوں نے انکار کر دیا۔ سعود نے چند بار اور کوشش کی مگر اس کا نتیجہ بھی یہی رہا تھا۔ اس نے ایمان کو اس کے بارے میں بتا دیا وہ

مضطرب ہو گیا۔

کیا تم کچھ اور نہیں کر سکتے؟ اس نے ایک بار پھر سعود سے پوچھا۔

میں کچھ اور لوگوں کے ذریعے ان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ سعود کچھ زیادہ پر امید نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایمان علی کی بے چینی اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ روز ڈاکٹر خورشید کے پاس جا رہا تھا اور اسکی انسروگی زیادہ دیر ان سے چھپی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے اس سے وجہ پوچھی تھی اور ان کے اصرار پر اس نے انہیں سب کچھ بتا دیا اس کی ساری باتیں سن کو وہ مسکرائے۔

امید عالم سے کتنی محبت ہے آپ کو؟

وہ ان کے سوال پر کچھ جھینپ گیا، یہ میں نہیں جانتا مگر۔

ڈاکٹر خورشید نے اس کی بات کاٹ دی۔ مگر محبت ضرور کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کا ادھورہ فقرہ مکمل کر دیا۔ وہ خاموش رہا۔

آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے ان کے حصول کے لیے دعا کرتے ہوئے اللہ سے کہا تھا کہ اگر آپ کی محبت میں اخلاص ہے تو وہ آپ کو مل جائے اب آپ دعا کریں اگر اس عورت سے شادی آپ کے لیے بہتر ہے تو وہ آپ کو ملے ورنہ صرف محبت کے حصول کی دعا نہ کریں اور پھر آپ مطمئن ہو جائیں۔ اللہ آپ کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ بنا دے گا۔

مگر میں تو امید کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایمان کے بغیر نہیں رہا جا سکتا اور آپ کے پاس ایمان ہے۔ ان کا جواب اتنا ہی بے ساختہ تھا۔

آپ سمجھ نہیں پا رہے۔ میں وہ میرے لیے میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میں

آپ سے اپنی بات کیسے کہوں۔ وہ الجھ گیا تھا۔

تو مت کہیے اگر بات کہنے کے لیے لفظ نہ مل رہے ہوں تو اپنی اس بات یا جذبے پر ایک بار پھر سے غور ضرور کرنا چاہیے۔

وہ ان کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ میری زندگی کا حصہ بن چکی ہے اس کے بغیر میں اپنی زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔

انسان صرف خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باقی ہر چیز کے بغیر رہا جا سکتا ہے چاہے بہت تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی۔

وہ قائل نہیں ہوا تھا مگر سر جھکا کر خاموش رہا۔

جب تک انسان کو پانی نہیں ملتا اسے یونہی لگتا ہے کہ وہ پیاس سے مر جائے گا مگر پانی کا کھونٹ بھرتے ہی دوسری چیزوں کے بارے میں سوچنے لگتا ہے پھر اسے یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ پیاس سے مر سکتا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر ڈاکٹر خورشید کو دیکھا۔ مگر لوگ پیاس سے مر بھی جاتے ہیں۔

نہیں، پیاس سے نہیں مرتے، مرتے تو وہ اپنے وقت پہ ہیں اور اسی طرح جس طرح خدا چاہتا ہے مگر دنیا میں اتنی چیزیں ہماری پیاس بن جاتی ہیں پھر ہمیں زندہ رہتے ہوئے بھی بار بار موت کے تجربے سے گزرنا پڑتا ہے۔

تو کیا میں اس سے محبت نہ کروں؟

آپ محبت ضرور کریں مگر محبت کے حصول کی اتنی خواہش نہ کریں۔ آپ کے مقدر میں جو چیز ہوگی وہ آپ کو مل جائے گی مگر کسی چیز کو خواہش بن کر کائی بن کر اپنے وجود پر پھیلنے مت دیں ورنہ یہ سب سے پہلے ایمان کو نکلے گی۔ آپ نے اس

عورت کے حصول کے لیے دعا کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ اب صبر کر لیں اور معاملات اللہ پر چھوڑ دیں۔ پریشان ہونے، راتوں کو جاگنے اور سرابوں کے پیچھے بھاگنے سے کسی چیز کو مقدر نہیں بنایا جاسکتا۔

اس رات وہ ان کی باتوں پر غور کرتا رہا تھا۔

مگر امید کے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ سونے سے پہلے اسے نے جیسے تھک ہار کر سو چاہا تھا۔

ایک ماہ اسی طرح گزر گیا تھا۔ سعود ہر روز اس سے یہی کہتا تھا کہ وہ کوشش کر رہا ہے۔ وہ اپنی اداسی انسردگی سے نجات نہیں پا رہا تھا۔ ڈاکٹر خورشید کے پاس جا کر اسے کچھ سکون مل جاتا۔ گھر واپس آنے کے بعد اس کے بارے میں سوچتا رہتا۔

اس دن بھی وہ ڈاکٹر خورشید کے پاس گیا ہوا تھا ان سے باتیں کرتے کرتے آدھا گھنٹہ گزر گیا پھر انہوں نے اپنی رسٹ وچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

آج آپ کو کسی سے ملوانا چاہتا ہوں۔ اس بات کا مجھے یقین ہے کہ آنے والے سے مل کر آپ بہت خوش ہوں گے۔

ان کے چہرے پر ایک عجیب سے مسکراہٹ تھی۔ اگلے دس منٹ کے بعد گیٹ پر کال بیل ہوئی اور پھر ملازم جس لڑکی کو لے کر کمرے میں داخل ہوا اسے دیکھ کر وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا تھا۔

امید نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی اور پھر ڈاکٹر خورشید کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس کا استقبال کر رہے تھے۔ ایمان کو اپنے دل کی بھرکن باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ اب دوسرے صوفہ پر بیٹھ چکی تھی۔

تعارف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر خورشید کمرے سے جا چکے تھے۔
وہ دونوں اب کمرے میں اکیلے تھے۔ بات کا آغاز امید نے کیا۔
آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ اس کے سول اور انداز میں
برہمی تھی۔

کیونکہ مجھے آپ سے محبت ہے۔
یہ ایک بہت ہی بے ہودہ اور فضول جواب ہے۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔
نہ آپ میرے ملک سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی آپ میرے مذہب سے
تعلق رکھتے ہیں۔

اس نے بات کرتے ہوئے خود ہی اپنے جملے میں تصحیح کی۔ صرف ایک لڑکی
سے شادی کے لیے مذہب تبدیل کرنا کسی بھی شخص کو بہت ناقابل اعتبار بنا دیتا ہے اور
ایسے شخص سے شادی بہت مشکل کام ہے۔

میں نے مذہب تبدیل نہیں کیا مذہب اختیار کیا ہے۔ اس سے پہلے میں کسی
بھی مذہب کا پیروکار نہیں تھا۔

جو بھی ہے لیکن میں مسلمان ہوں اور ایک شخص سے شادی کر لینا جسے اسلام
قبول کیے چارون ہوئے ہوں، بہت مشکل کام ہے۔ میں زندگی میں رسک نہیں لیا کرتی
اور پھر ایک ایسے شخص کے لیے جسے میں جانتی نہیں ہوں جس کا کوئی اتنا پتا نہیں ہے اس
کے ساتھ شادی کیسے ہو سکتی ہے۔

وہ بڑے صبر سے اس کی باقی سنتا رہا۔
اور شاید انسان ساری باتوں کو انور کر دے مگر مذہب، مذہب کو کیسے نظر انداز

آپ بتادیں۔

وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، بہت کم عمری میں میری مٹگنی ہو گئی تھی، مجھے اپنے مٹگیتر سے بہت تھی۔ ہماری مٹگنی نو سال رہی پھر۔۔۔۔۔ پھر میرے مٹگیتر نے مجھ سے شادی سے انکار کر دیا۔ اس کے گلے میں کوئی چیز پھنس گئی تھی۔ ایمان نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

کیوں؟

کیونکہ میں۔۔۔۔۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ یہ بتانا ضروری نہیں آپ کچھ بھی سمجھ لیں۔۔۔۔۔ کچھ بھی سوچ لیں مگر بہر حال اس نے مجھ سے شادی نہیں کی۔

ٹھیک ہے میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ آپ کی شادی مجھ سے ہوئی تھی۔ اس لیے آپ کے مٹگیتر سے نہیں ہو سکی۔

اس نے امید کے چہرے پر جھنجھلاہٹ دیکھتی تھی۔ کمرے میں ایک بار پھڑ طویل خاموشی چھا گئی تھی اور اس خاموشی کو اس بارڈاکٹر خورشید نے توڑا تھا۔ وہ کمرے میں آ گئے تھے۔

توھر کیا طے کیا تم لوگوں نے؟ انہوں نے بہت مارل انداز میں اس طرح کہا جیسے وہ دونوں اسی مقصد کے لیے یہاں اکٹھے کیے گئے ہوں۔ امید نے کچھ نہیں کہا تھا۔ ایمان بھی خاموش رہا۔

امید آپ نے ایمان علی سے بات کر لی؟ انہوں نے نرم آواز میں اس سے پوچھا۔

ہاں۔۔۔۔۔ میری کچھ شرائط ہیں۔ اس بارڈاکٹر خورشید نے ایمان کو دیکھا تھا۔

میں نے ابھی انہیں اپنی شرائط سے آگاہ نہیں کیا۔

مگر میں بغیر جانے ہی ان کی ساری شرائط ماننے پر تیار ہوں۔ ایمان نے کہا تھا۔

آپ پہلے شرائط سن لیں اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں۔ امید کا لہجہ ترش تھا۔
یہ اسلام قبول کر چکے ہیں تو ایک سال تک یہ اسلام کے بارے میں سب کچھ جانیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔ ایک سال تک اگر یہ مسلمان رہے اور ایک اچھے مسلمان کی طرح سارے فرائض پورے کرتے رہے تو پھر مجھے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایک سال کے دوران یہ مجھ سے کوئی رابطہ نہ رکھیں، وہ سرائٹھا کر ایمان کو دیکھ رہی تھی۔

تو ایمان۔ آپ ان شرائط کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ڈاکٹر خورشید نے اس سے پوچھا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں جسے کوئی اعتراض نہیں ہے ساری شرائط قبول ہیں۔ وہ بے حد پرسکون نظر آ رہا تھا۔

مگر کیا میں یہ سمجھ لوں کہ ان شرائط کو پورا کرنے کے بعد آپ مجھ سے شادی کر لیں گی؟ اس بار اس نے امید سے پوچھا۔

ہاں۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کھڑی ہو گئی۔

ڈاکٹر خورشید اسے باہر تک چھوڑنے گئے۔ ایمان کو یقین نہیں آیا تھا کہ وہی اس کے پاس آئی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کس حد تک خوش تھا مگر وہ یہ ضرور

جاننا تھا کہ اس کا ملال اور نرسر دگی ختم ہو چکی تھی۔

یہ تو صرف ایک سال کی بات ہے، میں تمہارے لیے ساری زندگی انتظار کر سکتا ہوں۔

اس کے جانے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے زیر لب کہا تھا۔
ڈاکٹر خورشید واپس کمرے میں آ گئے، ان کے چہرے پر بہت سی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

تو ایمان علی۔ کیا ایک سال انتظار کر پائیں گے؟
ہاں کر لوں گا۔ اس کی آواز بے حد مستحکم تھی۔

وہ چاہتی ہے کہ آپ میں دین کے لیے استقامت اور ثابت قدمی پیدا ہو جائے۔

انہوں نے بیٹھے ہوئے جیسے وضاحت کی۔

نہیں۔۔۔ ایمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ چاہتی ہے، میں اسے بھول جاؤں۔ اس کا خیال ہے کہ ایک سال میں اس سے رابطہ رکھوں گا، نہ اسے دیکھوں گا تو پھر اس کے بارے میں سوچنا بھی ختم کر دوں گا مگر اسے میری محبت کا اندازہ نہیں ہے۔

وہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر خورشید اسے گہری نظروں سے دیکھتے رہے۔

☆-----☆-----☆

ایک سال کیسے گزرا تھا، اسے اندازہ نہیں ہوا مگر ایک سال کے دوران اس

نے ڈاکٹر خورشید کی بتائی ہوئی ہر بات پر عمل کیا، کبھی کبھار پارٹیز میں پینے والی شراب اس نے چھوڑ دی، اپنی سیکرٹیری کے ساتھ میل جول ختم کر دیا۔ وہ ہر رات ڈاکٹر خورشید کے پاس آتا اور انہیں اپنے پورے دن کی روداد سنا تا، زندگی میں چھوٹے موٹے مسائل کو وہ کبھی خاطر میں نہیں لایا تھا مگر اب ان ہی مسائل کو وہ نئے سرے سے دیکھنے لگا تھا۔ اس کے اندر پہلے سے زیادہ برداشت آگئی تھی۔ اس کی اخلاقی اقدار میں بہت سی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ اسے آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا تھا کہ وہ نادانستہ طور پر دنیا کی سب سے بڑی نعمت کو پا بیٹھا تھا۔ مسلمان ہونا اور ایمان حاصل کرنا ہر انسان کے مقدر می نہیں ہوتا اسے اس عورت پر اور پیار آتا جس کے حصول کی خواہش نے اسے مسلمان ہونے پر مجبور کیا تھا اور مسلمان بننے کے بعد وہ جیسے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ اپنے والدین کو اس نے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ مگر انہیں اس نے یہ ضرور بتا دیا تھا کہ وہ کچھ عرصے کے بعد پاکستان میں ہی ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرنے والا ہے۔

مسلمان لڑکی سے شادی؟ کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے؟ اس کے باپ کو جیسے ایک دم ایک خوف نے ستایا تھا۔

نہیں، میں ایسے ہی رہوں گا جیسے اب ہوں اور وہ اپنے مذہب پر قائم رہے گی۔ اس معاملے میں ہم نے سمجھوتا کر لیا ہے۔

اس نے ماں اپ کو مطمئن کرنے کے لیے جھوٹ بول دیا۔ ان دونوں کے ذہن میں اس لڑکی کے حوالے سے کچھ خدشات ابھرے، مگر ایمان نے انہیں اس بارے میں بھی تسلیاں اور دلا سے دے کر مطمئن کر دیا۔

جس شام وہ ڈاکٹر خورشید کے گھر اس سے ملنے آئی تھی، اس تاریخ سے پورے ایک سال بعد اس نے ایک کارڈ راولپنڈی امید کے گھر بھجوا دیا تھا۔ اس شام ڈاکٹر خورشید نے امید کے بھائی سے بات کی تھی۔

دو دن کے بعد وہ لاہور آئی تھی، ایک بار پھر ڈاکٹر خورشید کے گھر دنوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ پورے ایک سال کے بعد بھی اسے دیکھنے کے بعد اسے یوں لگا تھا جیسے ایمان نے اسے کل ہی دیکھا ہو، وہ اس کے ذہن اس کے تصور سے کبھی نہیں ہٹی تھی۔

ایک سال گزر گیا۔ میں اب مسلمان ہوں۔ ثابت ہوا کہ میرا ایمان کوئی فریب نہیں اور میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں۔ ایک سال کے دوران میں نے وہ سب کچھ کیا ہے جو ایک مسلمان کرتا ہے نماز بھی پڑھی ہے، روزے بھی رکھے ہیں، کوئی حرام چیز نہیں کھائی، شراب بھی نہیں پی، اپنی گرل فرینڈ کو بھی چھوڑ چکا ہوں، قرآن پاک بھی پڑھ چکا ہوں دین کے بارے میں آپ مجھے کسی بات سے بے خبر نہیں پائیں گی۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اب آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔ اس نے امید سے کہا۔

تین دن کے بعد راولپنڈی میں ایک سادہ تقریب میں ان کا نکاح ہو گیا تھا ایمان علی کی طرف سے شادی میں صرف سعودی تھی اور ڈاکٹر خورشید نے گواہوں کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ امید کی طرف سے بھی شادی میں صرف اس کے اپنے گھر کے لوگ تھے۔

وہ آج بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس دن وہ کتنا خوش تھا، شادی کی رات اس نے امید کو بتایا تھا کہ کس طرح پہلی بار اسے دیکھ کر اس کی محبت میں گرفتار ہو

گیا تھا، کس طرح وہ اس کے لیے کئی ماہ تک وہاں جانا رہا تھا۔ اس نے اسے وہ سارے ایکسچر بھی دکھائے جو وہ اس پورے عرصہ میں بناتا رہا تھا۔ وہ جواباً کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی تھی اور پھر ایمان نے اس کی آنکھوں میں آنسو ابھرتے دیکھے پھر اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ اس کے بار بار پوچھنے کے باوجود اس نے آنسوؤں کی پہچان نہیں بتائی تھی وہ دلبرداشتہ ہو گیا تھا۔

کیا تم مجھ سے شادی کر کے بہت مایوس ہو؟

مجھے نہیں پتا۔۔۔۔۔ بس مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا۔۔۔۔۔ مجھے سارے لفظ جھوٹ لگتے ہیں۔ اس نے سر اٹھا کر بچتے آنسوؤں کے ساتھ کہا تھا اور وہ بہت دیر کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔

☆-----☆-----☆

ایک ہفتہ کے بعد وہ اسے اپنے والدین سے ملوانے جرمنی لے گیا تھا۔ جانے سے ایک دن پہلے اس نے امید کو بتایا تھا۔

میرے والدین ابھی یہ نہیں جانتے کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ میں انہیں کچھ عرصہ کے بعد بتا دوں گا مگر ابھی تم بھی ان پر یہ ظاہر مت کرنا۔ اسے حیرت ہوئی تھی جب امید نے خلاف توقع کسی رد عمل کا اظہار کیے بغیر سر ہلا دیا تھا۔ وہ پرسکون ہو گیا۔ شادی کے اس پہلے ہفتے میں امید کا رویہ اتنا برا نہیں تھا جتنا وہ سوچ رہا تھا۔ وہ اس کا خیال رکھتی تھی اس کے ساتھ باتیں بھی کرتی تھی، اس کی باتوں پر ہنستی بھی تھی۔ مگر بعض دفعہ بات کرتے کرتے یک دم وہ جیسے کسی ٹرانس میں چلی جاتی تھی اور ایک بار اس کیفیت میں آنے کے بعد وہ بہت دیر خاموش رہتی تھی اس وقت کوئی چیز اس کی خاموشی توڑ نہیں پاتی تھی۔ مگر ایمان زیادہ فکر مند نہیں تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ میری باتوں پر اعتماد بھی کرے گی اور مجھ سے محبت بھی۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر سوچتا تھا۔

اور جرمنی آ کر اس کا یہ خیال پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہو گیا تھا، وہاں دو ہفتوں کے قیام کے دوران وہ نہ صرف سبل اور پیٹرک کو مطمئن و مسرور کرنے میں کامیاب رہی بلکہ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی میں کچھ اور اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ ایمان نے ان دو ہفتوں کے دوران اسے اپنی ساری زندگی کی داستان سنا دی تھی۔ ایمان کے والدین نے شادی کی ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا جس میں ایمان نے اسے اپنے تمام فیملیز ممبرز سے بلوایا تھا۔

واپس آنے سے صرف دو دن پہلے ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا تھا اور وہ ایک بار پھر اپنے اسی خول میں بند ہو گئی، ایمان اسے اپنے ساتھ کچھ شاپنگ کروانے کے لیے مارکیٹ لے کر گیا۔ ایک شاپنگ مال کے اندر ایک شاپ میں وہ کچھ سوئیٹرز دیکھنے میں مصروف تھی جبکہ وہ اپنے لیے کچھ سوئیٹرز خریدنے کے بعد کاؤنٹر پر کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ادائیگی کر رہا تھا جب اس کی نظر دکان کے باہر سے گزرتے اپنے ایک کزن پر پڑی تھی، وہ بے اختیار دکان سے باہر نکل گیا۔ اس کا کزن کافی آگے جا چکا تھا۔ بھیڑ میں اس تک پہنچنے میں اسے کافی دیر لگی۔

چند منٹ وہ اس کے ساتھ باتوں میں مصروف رہا پھر اسے اپنی پاکستان واپسی کے بارے میں بتا کر وہ واپس اسی شاپ میں آ گیا تھا ساسا نے نظر دوڑانے پر اسے امید کہیں نظر نہیں آئی، وہ کاؤنٹر کی طرف آ گیا سوئیٹرز کے پیکٹ کاؤنٹر پر رکھتے

ہوئے میلز گرل نے اسے بتایا کہ امید کی تلاش میں چند منٹ پہلے وہاں سے چلی گئی تھی

وہ یک دم پریشان ہو گیا، شاپ سے باہر آنے پر اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ چند منٹ وہیں کھڑا پریشان ہوتا رہا وہ واپس نہیں آئی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہیں کھڑا رہے یا اسے ڈھونڈنے کے لیے کہیں چلا جائے۔ پھر وہ پلٹ کر واپس انڈریلز گرل کے پاس گیا اور اسے یہ ہدایت کر کے کہ اگر وہ واپس آئے تو اسے وہیں بٹھالیا جائے وہ خود مال میں اسے ڈھونڈنے لگا تھا۔

وقت جتنی تیزی سے گزر رہا تھا اس کے اضطراب میں اتنا ہی اضافہ ہو رہا تھا اب اسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ اسے وہاں چھوڑ کر گیا ہی کیوں؟ سے جرمن زبان آتی تھی نہ ہی وہ راستوں سے اچھی طرح واقف تھی کہ ٹکی لے کر واپس جاسکتی اور پتا نہیں اسے گھر کا ایڈریس بھی پتا ہو گیا نہیں وہ کچھ پریشان ہوا۔۔۔

تب ہی مال کے پبلک ایڈریس سسٹم پر ایک اعلان ہونے لگا تو وہ تقریباً بھاگتا ہوا انتظامیہ کے آفس کی طرف گیا تھا۔ وہ وہاں پہنچ چکی تھی اور اب پبلک ایڈریس سسٹم پرس کا نام پکارا جا رہا تھا۔ آفس میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی امید کو دیکھ لیا تھا اور اس کا رد عمل اس کے لیے شاکنگ تھا وہ جتنی بے اختیار سے اس کی طرف گیا تھا اس نے تقریباً اتنے ہی زور سے اسے دھکیل دیا تھا۔

تم میرے پاس مت آؤ، میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ اس لی یہاں لے کر آئے تھے تاکہ تاکہ مجھے اس طرح چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔ وہ یکدم چلانے لگی۔ وہ اس کی باتوں پر ہکا بکا رہ گیا تھا۔

میں جانتی تھی، تم مجھے اسی طرح چھوڑو گے۔ تم میرے لیے کبھی مخلص نہیں ہو

گے، تم مجھے دھوکا دو گے۔۔۔ میں نے تم سے شاید ی کر کے بہت بڑی غلطی کی۔ وہ

بات کرتے کرتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ کمرے میں موجود انتظامیہ کے تینوں لوگ ان کے درمیان اردو زبان میں ہونے والی اس گفتگو کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ان کی نظروں میں تماشا نہیں بننا چاہتا تھا۔

امیداً وہاں ہر چل کر بات کرتے ہیں۔

اس کے قریب جا کر اس نے مدھم آواز میں اسے بازو سے پکڑ کر کہا مگر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑ لیا اور اس پر غر آنے لگی۔

مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانا۔ اب میں پاکستان جانا چاہتی ہوں۔ وہ ایک بار پھر کرسی پر بیٹھی رو رہی تھی۔

دو گھنٹے تک وہ وہاں اس کے پاس بیٹھا معذرتیں کرتا رہا تھا اور جب اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تو وہ چلا اٹھا تھا۔

میں تمہارا منگیترا نہیں ہوں کہ تمہیں چھوڑ جاؤں گا۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔ امید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اٹھ کھڑی

ہوئی شاپنگ مال سے باہر آتے ہوئے وہ تقریباً روہانسا ہو گیا تھا اسکے ساتھ چلتے ہوئے اس نے شاپ سے باہر جانے کی وجہ سے بتائی مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

اور جرمنی میں ان کے آخری دو دن اسی طرح گزرے تھے۔ گھر آنے کے بعد اس کی معذرتوں کے جواب میں وہ بالکل خاموشی ہی رہی تھی اور ایمان علی کا کچھتاوا اور ندامت اور بڑھ گئی۔

پاکستان آنے کے بعد وہ ایک ہفتہ کے لیے سیدھی راولپنڈی چلی گئی تھی

جبکہ وہ لاہور آگیا تھا اور لاہور آتے ہی وہ سیدھا ڈاکٹر خورشید کے پاس گیا۔

بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے، تم محبت اور مہربانی سے پیش آتے رہو گے تو وہ

ٹھیک ہو جائے گی۔ مسلمان پر ویسے بھی فرض ہے کہ وہ بیوی سے نرمی سے پیش آئے۔

اس کی پریشانی جان کو انہوں نے اسے نصیحت کی۔

تمہاری خواہش تھی، تمہیں وہ عورت مل جائے جس سے تم محبت کرتے ہو

اب وہ عورت تمہارے پاس ہے تو تم اس کے ذرا سے غصے سے پریشان ہو رہے ہو۔

وہ ان کی بات پر مسکرانے لگا۔

تھوڑا سا غصہ نہیں ہے، اس میں بہت زیادہ غصہ ہے۔ وہ اس کی بات پر ہنس

پڑے۔

جب اسے تم سے محبت ہو جائے گی تو یہ سارا غصہ ختم ہو جائے گا۔ ابھی تو تم

دونوں کو ساتھ زندگی گزارتے بہت عرصہ نہیں ہوا۔

وہ ان کے پاس سے واپس آنے کے بعد بہت پرسکون تھا۔ ایک ہفتہ کے

بعد وہ راولپنڈی سے اسے لینے گیا تھا اور وہ اس سے بہت مارل طریقے سے ملتی تھی یوں

جیسے ان کے درمیان کبھی کوئی جھگڑا ہوا ہی نہیں تھا۔ ایمان نے شکراوا کیا تھا۔

ان کی زندگی بہت مارل انداز میں گزر رہی تھی۔ امید کا رویہ عام طور پر ایسا

نہیں ہوتا تھا جس پر اسے اعتراض ہوتا مگر بعض اوقات جب وہ اپنے مخصوص ٹرانس

میں چلی جاتی تو ایمان کو تکلیف ہوتی کیونکہ اس وقت وہ بہت تلخ اور اکھڑ ہو جاتی تھی۔

مگر ایسے لمحات میں بھی ایمان کو کبھی اس سے شادی پر پچھتاوا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس

سے شادی کر کے اسے اپنی زندگی میں ایک سکون، ایک ٹھہراؤ محسوس ہوا تھا۔ اس لیے

وہ اس کے ان موڈز کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا۔

ایسے ہی موڈ میں ایک دن امید نے بڑی تلخی کے ساتھ اس سے کہا۔

تمہیں پتا ہے، میں تم سے محبت نہیں کرتی۔ میں نے تم سے صرف شادی کی ہے۔ صرف زندگی گزار رہی ہوں تمہارے ساتھ۔۔۔۔۔ کیونکہ ایک گھر چاہیے ہوتا ہے وہ مجھے تم سے مل گیا۔

وہ اس کی کڑواہٹ کو سکون کے ساتھ برداشت کر گیا میں جانتا ہوں، تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

کیوں ضرورت نہیں ہے مجھے بتانا چاہیے کہ مجھے تم سے۔۔۔۔۔

ایمان نے اس کی بات کاٹ دی۔۔۔۔۔ محبت نہیں ہے۔۔۔ کوئی بات نہیں میں نے مطالبہ نہیں کیا کہ تم مجھ سے محبت کرو۔

وہ بالکل سادگت اسے دیکھتی رہی۔

تمہیں دراصل محبت مل گئی ہے ہاں، اس لیے تمہیں پروا نہیں ہے اگر نہ ملتی پھر تمہیں احساس ہوتا۔

مجھے محبت ہی تو نہیں ملی۔۔۔۔۔ اس نے عجیب سے انداز میں کہا، ایمان کا

چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ اپنے غصے پر کنٹرول کرتے ہوئے اس نے کہا۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

مت کرو۔۔۔۔۔ میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا۔ اس کے انداز میں کمال کی

لا تعلقی تھی۔

تم جانتی ہوئیں یہ نہیں کر سکتا میرے لیے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں تم سے محبت نہ کروں۔

وہ اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر ٹرانس میں چلی گئی۔ وہ ڈاکٹر خورشید کے پاس اب بھی باقاعدگی سے جایا کرنا تھا وہ اس کے لیے ایک عجیب سورس آف انسپریشن تھے ان کے درمیان بہت عجیب سا کمیونیکیشن تھا بعض دفعہ وہ اس کی انسردگی کو بغیر بتائے جان جاتے تھے اور پھر اسے ہلکا کر دیا کرتے تھے ان کے پاس سے آنے کے بعد وہ خاصا پرسکون رہتا تھا۔

مذہب میں اس کی روز بروز بڑھتی ہوئی دلچسپی کی وجہ بھی وہی تھے۔ وہ اکثر رات کو اسٹڈی میں عشاء کی نماز ادا کرنا اور پھر قرآن پاک پڑھتا۔ تمام نمازوں میں صرف یہی ایک نماز تھی جو وہ باقاعدگی سے ادا کیا کرتا تھا کبھی بات کرتے کرتے وہ بے اختیار قرآن پاک کی کسی آیت کا حوالہ دیتا اور اسے احساس ہوتا کہ امید اسے بہت عجیب سی نظروں سے دیکھتی تھی وہ مسکرا دیتا وہ جانتا تھا امید اس وقت اس کے بارے میں ٹھیک نہیں سوچ رہی وہ گی۔

☆-----☆-----☆

اس کی شادی کو چند ماہ گزرے تے جب اسے اپنی فیملی میں ہونے والے متوقع اضافہ کی اطلاع ملی، امید غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوش تھی اور زندگی میں آنے والی اس تبدیلی کے بعد اس نے امید کے رویے میں بھی حیرت انگیز تبدیلیاں دیکھیں وہ یک دم بہت پرسکون اور مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ ایمان علی سے اس کا رویہ بھی یکسر تبدیل

ہو گیا۔ وہ اس پر زیادہ توجہ دینے لگی، اس کے زیادہ تر کام خود کرتی تھی۔ اکثر وہ ایمان

سے بچے کے بارے میں گفتگو کرتی۔ اس کے لیے منصوبے بناتی۔ ایمان حیران ہو جاتا۔ اس میں آنے والی تبدیلیاں کچھ اتنی ہی غیر متوقع تھیں۔ ایمان نے اپنے والدین کو بھی اس بارے میں بتا دیا تھا اور سبل اکثر فون پر اس سے گفتگو کرتی رہتی ایمان کا خیال تھا، وہ اب تبدیل ہو گئی ہے۔ پہلے کی طرح اس کے منگیتر کی یاد اس کے ذہن سے فراموش ہو چکی ہے مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی۔

ایک رات وہ اسے ڈنر کرانے کے لیے ایک ہوٹل لے گیا تھا۔ وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھی۔ ڈنر کے بعد وہ امید کے ساتھ ہوٹل کے ہال سے نکل رہا تھا جب اس نے ساتھ چلتی امید کو یک دم ساکت ہوتے دیکھا۔ اس نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا اور اس کے چہرے کی زردی نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ وہ بالکل ساکت سامنے دیکھ رہی تھی۔ ایمان نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ ہوٹل کی اینٹرفس کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا ایک نوجوان جو اس کی توجہ کا مرکز تھا وہ دونوں دروازے تک آگئے اور پھر ایمان نے اس مرد کو بھی اسی طرح ٹھٹکتے دیکھا، پھر تیز رفتاری کے ساتھ وہ اپنے ساتھ موجود لڑکی کا بازو تھام کر اندر ہال میں چلا گیا۔

امید بے اختیار پلٹ کر اسے دیکھنے لگی ایمان نے بہت عرصے کے بعد اسے ایک بار پھر اسی ٹرانس میں دیکھا۔ وہ دونوں نظروں سے اوچھل ہو چکے تھے مگر وہ اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ ایمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ یکدم چونک گئی، چند لمحوں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے سرد آواز میں جیسے پوچھا۔

جہاں زیب؟

امید نے سر ہلا دیا۔ ایمان کو یک دم اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ یہ

عورت اس کی بیوی تھی۔ یہ عورت اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی اور یہ عورت اپنے سابقہ منگیتر کو دیکھ کر اب بھی اپنے ارد گرد کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتی تھی وہ مزید کچھ کہہ بغیر تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے آ گئی تھی۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ایمان بالکل خاموش رہا گھر جا کر اس نے اپنے کپڑے تبدیل کیے۔ ڈرینگ کے سامنے کھڑے ہو کر وہ اپنے بالوں میں برش کر رہا تھا جب اس نے امید کو اپنے پاس آ کر اپنے بازو پر ہاتھ رکھتے دیکھا۔

ایمان۔۔۔۔ میں دراصل۔۔۔۔ ایمان نے اپنے بازو سے اس کا ہاتھ ہٹا

دیا۔

مجھے کچھ کام کے لیے اسڈی میں جانا ہے۔ اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

امید میں ابھی فی الحال تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ اس لیے مجھ سے کچھ کہنے کی کوشش مت کرو۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا تھا۔

وہ وہاں رکے بغیر اسڈی میں آ گیا اس وقت وہ کچھ دلبرداشتہ تھا نماز پڑھنے کے بعد وہ کمپیوٹر پر اپنا کام کرنے لگا، مگر اس کا ذہن ابھی تک منتشر تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد اس نے اسڈی کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی، وہ اسے کے پاس دوسری کرسی پر بیٹھ گئی، ایمان کمپیوٹر پر اپنا کام کرتا رہا۔

ایمان تم ایک چھوٹی سی بات پر ناراض ہو رہے ہو۔

میں کسی بات پر ناراض نہیں ہوں۔

پھر تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟

کر رہا ہوں۔

اس طرح نہیں

مجھے کام ہے، مجھے وہ کرنے دو، وہ کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے ہوئے مانیٹر پر

ابھرنے والی عبارت کو دیکھتا رہا۔

میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتی ہوں۔

ضرورت نہیں ہے۔ وہ اب بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر بولا۔

تم کیوں کر رہے ہو اس طرح، وہ کچھ جھنجھلا گئی۔

میں کچھ نہیں کر رہا۔ صرف صبر کر رہا ہوں۔

کس چیز کے لیے صبر؟

تم جانتی ہو۔

میں ایکسکیوز کر رہی ہوں۔

اس کا کیا فائدہ جب تم یہ جانتی ہو کہ تم ایک غلط کام کر رہی ہو تو تم کیوں کر

رہی ہو؟ ایک ایسے شخص کے لیے جس نے نو سال تمہیں منگیتر رکھنے کے بعد بھی تم سے

شادی نہیں کی، اس کے لیے پریشان کیوں ہو؟ جو شخص تم سے محبت نہیں کرتا، اس کے

پیچھے کیوں بھاگتی ہو جس شخص نے تمہیں دھوکا دیا۔

اس نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا، میں نے اسے دھوکا دیا، اس نے مجھے نہیں

چھوڑا میں نے اسے چھوڑا۔ وہ اس کے الفاظ پر سکت رہ گیا۔

تم نے کیوں چھوڑا اسے؟ اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس

ہوئی۔

کیونکہ میں اس کی ڈیماڈ پوری نہیں کر سکتی تھی۔

کیا ڈیماڈ تھیں اس کی؟ اس نے امید کو نظریں چراتے دیکھا ایمان نے اپنا

سول دہرایا۔

زندگی میں کبھی کسی چیز نے اسے اس حد تک حیران کیا تھا نہ اس کا ذہن

ماؤف اس نے آہستہ آہستہ اسے سب کچھ بتا دیا تھا، کس طرح اس نے جہاں زیب

کے ساتھ جانے سے انکار کیا تھا، اس کے سارے احسانات، ساری مہربانیاں، ساری

محبت کے باوجود کس طرح وہ ذہنی ابتری کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ

اسے بتا رہی تھی اور وہ خالی ذہن کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ سامنے بیٹھی ہوئی یہ عورت

اپنی بہت سی کمزوریوں، بہت سی خامیوں کے باوجود صرف ایمان کے لیے صرف دین

کے لیے اپنے نفس کے سانپ کو کس طرح مار گئی تھی۔ وہ کسی ترغیب کے زعمے میں نہیں

آئی تھی۔ اسے بے اختیار ایک مسلمان عورت کا شوہر ہونے پر فخر ہوا، ایک ایسی عورت

جو محبت کو ایمان کے لیے چھوڑ سکتی تھی۔

تم نے جو کچھ کیا، ٹھیک کیا، تمہیں یہی کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں

ہونا چاہیے کہ اس نے تم پر احسان کیا ہے اور تم نے اس کا ایک مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ کسی

کی کوئی مہربانی، کوئی احسان اور کوئی محبت اگر بدلے میں گناہ مانگے تو اسے اسی طرح

چھوڑ دینا چاہیے جس طرح تم نے چھوڑا، تمہاری دوستوں نے تم سے غلط کہا کہ تم نے

سچی محبت کھودی۔ تم نے ایک ایسے خود غرض انسان سے چھٹکارا پایا جو تم کو جہنم میں لے

جانا اور تمہاری دوستیں تمہیں ایک ایسے کام پر اکسارہی تھیں جس پر اسلام حد نافذ کرتا

ہے جس کے کرنے والے کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ تم نے محبت اور ایمان میں سے ایمان کا انتخاب کیا ٹھیک کیا۔

اس نے امید کو دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

مگر وہ مجھے یاد کیوں آتا ہے۔ میں اسے بھول کیوں نہیں جاتی۔ وہ ایب بری طرح بلک رہی تھی۔

تم کوشش کرو گی تو سے بھول جاؤ گی۔

میں کوشش کرتی ہوں مگر میں نہیں جانتی مجھے کیا ہو جاتا ہے شاید میں مارل نہیں ہوں ایمان۔ میں چاہتی ہوں میں ماضی سے پیچھا چھڑا لوں۔ کم از کم اب تو۔۔۔ میں سب کچھ نئے سرے سے شروع کرنا چاہتی ہوں مگر ایسا نہیں ہو پاتا۔

وہ بالکل بے بس نظر آ رہی تھی وہ اسے تسلیاں دینے لگا۔

اس رات اسے سلپنگ پلو کی مدد سے سنانے کے بعد وہ خود اسٹڈی میں بیٹھا اس کے انکشاف کے بارے میں سوچتا رہا۔

☆-----☆-----☆

چند دنوں کے بعد ڈاکٹر خورشید نے اس سے کہا کہ وہ اب اپنے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں اپنے عزیز واقارب اور کمپنی کو بتا دے اور اپنے کاغذات می اپنا نام تبدیل کروالے۔ اس نے ان کی بات پر سر جھکا دیا۔ وہ خود بھی اب یہی چاہتا تھا اپنے بچے کی پیدائش سے پہلے وہ چاہتا تھا کہ سب اس کے نئے نام اور مذہب سے واقف ہو جائیں تاکہ بچے کے لیے کوئی مسئلہ نہ ہو۔

اس نے اپنی کمپنی کے ڈائریکٹر کو تحریری طور پر اپنے طور پر اپنے مذہب اور

نام کی تبدیلی سے آگاہ کر دیا اور یہ جیسے سب کے لیے ایک بڑے شاک کے طور پر سامنے آیا تھا اسے ملنے والی پرموشن روک لی گئی تھی اور اسے پہلے ہی اس بات کی توقع تھی۔ مذہب کی تبدیلی ایک ایسا عمل تھا جس سے اس کی کمپنی کی انتظامیہ کو یہ محسوس ہوا کہ اس کی وفاداریاں متاثر ہوں گی۔ ریجنل چیف نے اس سلسلے میں اس سے لمبی چوڑی بات کی اور کمپنی کی انتظامیہ کا موقف اس کے سامنے پیش کیا۔ وہ اگر اپنا موقف بیان نہ بھی کرتے تو بھی وہ اچھی طرح اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ یہ کمپنی امریکن یہودیوں کے سرمائے سے چل رہی تھی۔ کسی مسلمان کو وہ اتنے بڑے عہدے پر کبھی نہ لاتے۔ ڈاکٹر خورشید سے مشورہ کے بعد اس نے کمپنی میں سی عہدہ پر کام کرتے رہنے کے بجائے ریزائن کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کچھ ملاتی نیشنل کمپنیز میں اپلائی کرنا شروع کر دیا۔

امید کو اس نے اس بات سے آگاہ نہیں کیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ پریشان ہو اپنی کمپنی سے ریزائن کرنے کے بعد اس نے جرمنی جا کر اپنے ماں باپ کو بھی اپنے اس فیصلے سے آگاہ کرنا اور اس کے بعد امریکہ جا کر اسے کچھ کمپنیز میں انٹرویو دینے تھے۔ اس نے امید سے یہی کہا کہ وہ آفس کے کسی کام سے جرمنی جا رہا ہیں مگر ان ہی دنوں اتفاقاً اس کے ایک فیملی فرینڈ کی ڈیوٹی تھ ہو گئی بمبئی سے اس نے امریکہ کا ویزا مذہبی رسومات میں شرکت کا بتا کر لیا کیونکہ اس طرح اسے فوری طور پر ویزا مل گیا تھا اس سے پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ جرمنی میں قیام کے بعد وہیں سے ویزا لے کر امریکہ چلا جائے گا کیونکہ اس کے پاس جرمنی کی شہریت تھی۔

مگر پھر اپنے والدین سے بات کرنے کے بعد اس نے پہلے جرمنی ہی

جانے کا فیصلہ کیا تھا اس نے سوچا تھا کہ وہ وہاں سے اپنے والدین کے ساتھ امریکہ چلا جائے گا اور امریکہ جانے سے پہلے اسے اپنے والدین کو اپنے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں بھی بتانا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ ایئر پورٹ پر اسے سمانٹھال گئی۔ وہ اپنی جاب چھوڑ کر پاکستان سے واپس جا رہی تھی۔ فلامنٹ میں وہ اس کے ساتھ رہی۔

☆-----☆-----☆

ایمان کے والدین کے لیے اس کے مذہب کی تبدیلی ایک شاک تھا۔ یہودی یا عیسائی ہونے کی توقع رکھتے ہوئے وہ یہ کبھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے گا اور پھر مذہب کا انکشاف اس نے تقریباً پوری فیملی کے سامنے کر دیا تھا۔ پیٹرک کا خاص طور پر غم و غصے سے برا حال تھا۔ وہ اپنی فیملی کے سامنے بالکل بے وقعت ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک اعلیٰ نسب یہودی کا بیٹا مسلمان ہو جائے تو پھر اس کے پاس باقی کیا بچتا ہے۔ اس کی فیملی نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ ایمان علی کو اسلام چھوڑنے پر آمادہ کرے یا پھر ایمان سے قطع تعلق کر لے پیٹرک اور سبل نے ایمان کو بری طرح مجبور کیا تھا۔ ڈرا کر دھمکا کر جذباتی طور پر بلیک میل کر کے مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ پیٹرک کو اب احساس ہوا کہ اس نے انہیں اس طرح اچانک گھر کا تحفہ کیوں دیا یقیناً وہ یہی چاہتا تھا کہ جب وہ انہی اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں بتائے تو وہ کوئی اعتراض نہ کریں مگر یہ بات ان کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔

جب ان دونوں کے بہت سمجھانے پر بھی وہ اپنی بات پر جما رہا تو پھر انہوں نے اسے کہا کہ وہ اسلام چھوڑ دے یا پھر ہمیشہ کے لیے انہیں چھوڑ دے۔ ایمان علی

نے انہیں اپنی بات سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ دونوں بھی اس کی طرح اپنی بات

پر جے ہوئے تھے۔ اسے اپنی فیملی کا رد عمل دیکھ کر اپنے ماں باپ سے اسی بات کی توقع تھی۔ اپنے ماں باپ کے لیے گھر خریدتے ہوئے بھی وہ جانتا تھا کہ یہ تحفہ اس کی طرف سے اس کے والدین کے لیے آخری تحفہ ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے لیے والدین سے الگ ہونا بہت تکلیف دہ تھا اور صرف اس کے لیے ہی نہیں اس کے والدین کے لیے بھی اکلوتی اولاد سے اس عمر میں اس طرح مکمل طور پر الگ ہو جانا بہت مشکل تھا مگر اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا وہ خود کو پہلے سے اس کام کے لیے ذہنی طور پر آمادہ کر چکا تھا۔ مگر اس کے باوجود جرمنی سے امریکہ جاتے ہوئے اسے بہت زیادہ ڈپریشن تھا۔

امریکہ میں اس نے ان کمپنیز میں انٹرویو دیے جہاں وہ پچھلے کچھ عرصے سے اپلائی کر رہا تھا، چند دن انٹرویوز میں مصروف رہنے کے بعد ایک شام وہ پیدل قریبی مارکیٹ جانے کے لیے نکلا اسے یہ اندازہ نہیں ہو پایا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے، چند سیاہ فاموں نے ایک دم اسے رستے پر روک لیا۔ گن پوائنٹ پر انہوں نے اس کی تمام جیبیں خالی کروالیں۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی تو ان لوگوں نے اسے بری طرح پیٹا، ریوالور سے سر کے پچھلے حصے میں لگائی گئی ضربوں نے اسے ہوش و حواس سے محروم کر دیا۔ ایک ہفتہ کے بعد اسے جب ہوش آیا تو وہ ہسپتال میں تھا۔ اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے اس کی شناخت ہو سکتی اس لیے ڈاکٹرز اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے مگر ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ کئی دنوں تک رابطے کے لیے نمبر نہیں بتا سکا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ ذہنی طور پر مارٹل ہونا شروع ہوا اور تب اس نے

سوچا کہ امید کو اس حادثے کی اطلاع دینا بے کار ہوگا۔ وہ خواہ مخواہ پریشان ہوگی

ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونے کے بعد اس نے پاکستان فون کیا مگر اسے پتا چلا کہ امید راولپنڈی جا چکی ہے اس نے کچھ دن اور امریکا میں گزارے اور اسی دوران کمیونیز سے اسے جاب کی آفر ہو گئی، وہ مطمئن ہو کر واپس پاکستان آ گیا۔

راولپنڈی میں امید کے رویے نے اسے حیران کیا اور آہستہ آہستہ یہ حیرانی پریشانی میں تبدیل ہونے لگی تھی۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس کے باہر جا کر رابطہ ختم کر دینے پر وہ پریشان اور ناراض ہوگی مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اس طرح کے رویے کا مظاہرہ کرے گی وہ اسے بتانا چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ مگر وہ کچھ سننے پر تیار ہی نہیں تھی۔

لاہور آنے کے بعد بھی اس کا رویہ تبدیل نہیں ہوا وہ لاہور پہنچ کر اپنے کچھ کام بنانے گھر سے باہر چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو گیٹ پر بہت بار بارن دینے کے باوجود بھی گیٹ نہیں کھلا، وہ کچھ پریشان ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ خود اتر کر چوکیدار کو آواز دیتا گیٹ یک دم کھل گیا۔ چوکیدار کے بجائے امید نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کے استفسار پر اس نے کہا تھا وہ کسی ایمر جنسی کی وجہ سے چلا گیا ہے اس لیے گیٹ کھولنے کے لیے اسے آنا پڑا، گھر کے اندر جانے پر اس نے ملازم کو بھی وہاں نہیں پایا۔ امید نے اس سے کہا کہ وہ اسے بھیج چکی ہے۔ اسے امید کی حرکات کچھ عجیب لگی تھیں مگر اس نے زیادہ غور نہیں کیا۔ اندر بیڈ روم میں آ کر اس نے اپنے سارے کپڑے کمرے کے کارپٹ پر پھیلے ہوئے دیکھے اس کی رنجیدگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ اس نے کارپٹ پر سے تمام چیزیں اٹھائیں اور پھر انہیں ڈریسنگ روم میں رکھ دیا۔

وہ روز رات کوریو اور چیک کر کے رکھا کرتا تھا اس رات بھی۔ اس نے

اپنے معمول کے مطابق دراز سے ریو الور نکالنا چاہا مگر ریو الور وہاں نہیں تھا۔ باری باری اس نے اپنی تینوں دراز دیکھے مگر ریو الور کہیں نہیں تھا۔ اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے امید نے ریو الور کہیں اور رکھا ہوگا امید سے پوچھنے پر اس نے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس کے انکار پر ہکا بکا رہ گیا۔ اگر ریو الور امید نے نہیں اٹھایا تھا تو پھر ریو الور کہاں جاسکتا تھا۔ اس کی تشویش میں یکا یک اضافہ ہو گیا پھر اس نے یہ سوچ کر ہر جگہ ریو الور ڈھونڈنا شروع کیا کہ شاید وہ کہیں اور رکھ کر بھول گئی ہے۔ مگر تمام الماریاں دیکھنے کے بعد بھی اسے ریو الور نہیں ملا۔ اس کی پریشانی میں یہ سوچ کر اضافہ ہو رہا تھا کہ امید یہاں اس کی عدم موجودگی میں اکیلی تھی۔ اگر کچھ ہو جاتا اور اسے ریو الور کی ضرورت پڑتی تو پھر کیا ہوتا مگر امید بالکل پریشان نظر نہیں آ رہی تھی وہ بالکل بے فکری تھی۔

اس نے اسے اس کی لاپرواہی کا احساس دلانے کی کوشش کی اور جواباً وہ اس سے جھگڑنے لگی۔ وہ اس کی باتیں سن کر حیران رہ گیا۔ وہ اسے جھوٹا، فراڈ اور گناہگار کہہ رہی تھی۔ وہ بے حد دل برداشتہ ہو گیا۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں واپس پاکستان آیا تھا صرف اس لیے تاکہ اب اس کی شناخت مسلمان کے طور پر ہو اس کے بچے کو یا امید کو کسی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے مگر وہ اب بھی اس کے ماضی کے حوالے سے طنز کر رہی تھی۔ اس وقت اس کا ذہن بس یہیں تک گیا اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ سب اسے کسی اور حوالے سے کہہ رہی ہے۔ اس کی باتوں کے رد عمل میں وہ بھی خاموش نہیں رہ سکا شاید یہ جھگڑا طول پکڑتا مگر پھر وہ یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ جو جس حالت میں ہے اس میں ذہنی طور پر کسی تکلیف سے گزر رہا اس کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ نہ

چاہتے ہوئے بھی اس نے امید کو وضاحت پیش کی تھی۔

اس کی چھٹی حس یک دم اسے کسی خطرے سے آگاہ کرنے لگی تھی۔ ریوالور کا غائب ہونا، چوکیدار کا چلے جانا اور ملازم کا بھی وہاں نہ ہونا۔ یہ سب کچھ کوئی باقاعدہ پلاننگ بھی تو ہو سکتی تھی۔ اس نے فون کر کے ایک سیکورٹی ایجنسی سے گارڈ منگولیا اور پھر انٹرکام پر ملازم کو بلا کر اس سے ریوالور کے بارے میں پوچھا۔ ملازم ریوالور کے بارے میں بے خبر تھا۔ ایمان کی پریشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اس نے ملازم کو واپس بھیج دیا۔ گارڈ کے آنے کے بعد اس نے اندرونی دروازہ بند کرنے سے پہلے پورے گھر کو اچھی طرح چیک کیا کہیں بھی کوئی غیر معمولی چیز نہیں تھی۔

اچھی طرح دروازے لاک کرنے کے بعد اس نے کچن میں جا کر کچھ کھایا اور پھر اسٹڈی میں چلا گیا۔ کچھ دیر وہ پریشانی کے عالم میں وہاں بیٹھا رہا امید کا رویہ اس کے لیے بہت حوصلہ شکن تھا۔ اس نے اپنے ذہنی انتشار پر قابو پانے کے لیے قرآن پاک کا انگلش میں ترجمہ نکال کر پڑھنا شروع کر دیا۔ پندرہ بیس منٹ وہ اس کام میں مصروف رہا پھر وہ قرآن پاک واپس رکھنے کے لیے شیلف کی طرف آیا۔ قرآن پاک واپس رکھتے ہوئے اسے کونے میں پڑی ہوئی وہ کتابیں نظر آئیں جو باہر جانے سے کچھ دن پہلے ڈاکٹر خورشید نے اسے دی تھیں۔ اس نے ابھی تک ان کتابوں کو نہیں پڑھا تھا۔

قرآن پاک رکھنے کے بعد اس نے ان میں سے ایک کتاب مالی اور کتاب نکالتے ہی اسے جیسے کرنٹ لگا، کتاب کے پیچھے شیلف پر ریوالور نظر آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ریوالور کمرے سے اسٹڈی میں کیسے آ گیا۔ کتاب واپس رکھ کر اس نے ریوالور نکالا اور اس کا چیمبر چیک کیا۔ چیمبر میں پوری گولیاں تھیں جبکہ ریوالور کا

سیفٹی کیج ہٹا ہوا تھا۔ وہ ریوالتور لے کر اسٹڈی ٹیبل کی طرف آ گیا۔ کرسی پر بیٹھ کر اس نے ریوالتور میں سے ساری کولیاں نکال لیں۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ شاید امید کسی دن رات کو یہاں اسٹڈی میں کچھ وقت گزارنے آئی ہو اور اس وقت وہ ریوالتور بھی ساتھ لے آئی ہو۔ مگر ریوالتور کتابوں کے پیچھے کس لیے چھپایا گیا۔ کیا امید نے اسے اٹھا کر وہاں رکھ دیا یا پھر ملازم نے اٹھا کر۔۔۔ مگر کیوں؟ اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا۔

پھر وہ نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ نماز پڑھنے کے دوران ہی اسے احساس ہوا کہ کمرے میں کوئی داخل ہوا۔ اسے حیرت ہوئی اس کا خیال تھا کہ امید اب تک سوچکی ہوگی۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نے اس سے وہاں آنے کے بارے میں پوچھا، وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اب اس سے کون سی بات کرنا چاہتی تھی مگر اس نے امید سے انتظار کرنے کے لیے کہا۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ کھڑا ہو کر پلٹا اور ساکت ہو گیا، اسٹڈی ٹیبل پر موجود ریوالتور اب امید کے ہاتھوں میں تھا اور وہ اس کا نشانہ لیے کھڑی تھی۔ پھر اس نے اسے ٹریگر دباتے ہوئے دیکھا اور سب کچھ ایک جھماکے کے ساتھ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا ریوالتور وہاں کیوں آیا تھا کس لیے چھپایا گیا، چونکیرا کی عدم موجودگی اور ملازم کو بھیجا جانا۔۔۔

میرے خدا کیا یہ عورت جو میری بیوی اور میرے بچے کی ماں بننے والی ہے مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔۔۔ یہ عورت جس کے لیے میں سب کچھ چھوڑ آیا ہوں۔

اس نے تکلیف سے سوچا۔ وہ جانتا تھا ریوالتور خالی تھا مگر اس کا دل چاہا کہ

کاش وہ ریو الور خالی نہ کرنا۔ وہ اسے وہیں رہنے دیتا۔ سب کچھ آگ کی لپٹوں میں آگیا تھا۔ رشتہ اعتباراً اعتماد۔۔۔۔۔ اسے یاد آیا ڈکٹر خورشید نے کہا تھا۔

تم صحیح رستے پر قدم بڑھا چکے ہو۔۔۔ مسلمان ہو چکے ہو۔ اب تم آزمائشوں کے لیے تیار رہو پچھلے ایک ماہ سے وہ اسی ہی آزمائشوں سے گزر رہا تھا اور ہر بار وہ فخر سے سوچتا تھا کہ آزمائش نے اسے سرنگوں نہیں کیا مگر اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ آزمائشوں کے بھی درجے ہوتے ہیں وہ جن آزمائشوں سے گزر رہا تھا وہ ابتدائی نوعیت کی تھیں مگر اب اس کے سامنے جو آزمائشیں آن کھڑی ہوئی تھیں وہ اس کے لیے بہت سخت ثابت ہوں گی۔

اس نے امید کی آنکھوں میں پہلے کبھی اپنے لیے اتنی نفرت نہیں دیکھی اس نے اس کی زبان پر اپنے لیے اتنا زہر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس نے اسے خود پر ریو الور پھینکتے دیکھا وہ سوچ رہا تھا کہ یہ عورت مجھے اتنی تکلیف دے سکتی ہے جسے میں نے کبھی سخت ہاتھ بھی نہیں لگایا اس نے اس پر الزامات کی بارش کر دی تھی۔ وہ چلا رہی تھی وہ سنتا رہا شاید وہ اسی طرح سنتا رہتا اگر وہ اسے ایمان علی کے بجائے ڈینیئل ایڈگر نہ کہتی اسے اس وقت امید کی زبان سے اپنا پرانا نام ایک گالی کی طرح لگا وہ برداشت نہیں کر سکا صرف اس ایک نام کے لیے وہ پچھلے ایک ماہ سے کیا کیا برداشت کر رہا تھا اس نے اپنے ماں باپ چھوڑے۔ اس نے اپنا شاندار کیریئر چھوڑ دیا۔ ایک اچھا مسلمان ایسی چیزوں پر استقامت اور ثابت قدمی دکھاتا ہے میں یہی دکھاؤں گا پیدائشی مسلمان نہ سہی مگر میں مسلمان ہوں اور مجھے بھی تکلیف اور آزمائش میں صبر سے

کام لینا چاہیے وہ سوچتا رہا اور اب ایک بار پھر اسے اس کے پرانے نام سے پکارا جا رہا

تھا اس کے ایمان پر شک کیا جا رہا تھا۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا صرف ایک شخص کسی کی پوری شخصیت کو اس طرح مسخ کر سکتا ہے اس طرح توڑ پھوڑ سکتا ہے کہ وہ شخص دوبارہ زندگی میں کوئی رشتہ قائم کر کے بھی بے اعتمادی اور بے یقینی کا اس طرح شکار رہے کہ ہر لمبے اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے پیروں کے نیچے بھی زمین کھینچتا رہے اس نے سوچا تھا اگر اس کی زندگی میں جہاں زیب نہ آیا تو کیا یہ پھر بھی ایسی ہوتی۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ اس کا یقین چاہتا تھا مگر اس دن اسے احساس ہو رہا تھا کہ شاید یہ ممکن ہی نہیں ہے وہ ساری عمر اسے اسی طرح ایمان کی کسوٹی پر رکھتی رہے گی وہ اب کم از کم یہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے بار بار اس کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دینا پڑے۔ یہ بہت تکلیف دہ کام تھا اس وقت اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے اس نے سوچا۔ اگر کسی شخص کو ابھی بھی اس بات پر یقین نہیں ہے کہ میں مسلمان ہوں یا نہیں تو مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا اس کے ساتھ بار بار اذیت سے دوچار ہوئے کے لیے رہنا چاہیے یا پھر ایک بار اذیت سے گزرتے ہوئے اس سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے۔۔۔۔۔

ہاں شاید مجھے اس سے الگ ہی ہو جانا چاہیے ورنہ کبھی نہ کبھی اس کی بے یقینی میرے ایمان کو ختم کر دے گی۔ میری استقامت اور ثابت قدمی کو ہلا دے گی۔ پھر میں کیا کروں گا۔ اس نے سوچا وہ عورت اسے ایمان تک لائی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسی کی وجہ سے وہ ایمان کھو دیتا اسے ایک بار پھر فیصلہ کرنے میں چند منٹ لگے تھے۔

اس نے امید کو اختیار دے دیا تھا کہ اس بارہ انتخاب کر لے۔

اسٹڈی کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ بند دروازے نے اس کے اندر بہت سے دروازے کھول دیے تھے جن سے نظر آنے والے راستے اور منظر اس کے لیے نا آشنا نہیں تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنا سر اٹھا لیا تھا۔ دھندلی آنکھوں سے دیکھی جانے والی شے ہمیشہ دھندلی نظر آتی ہے شیلف سے ٹیک لگائے وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلی کو اپنے سامنے پھیلا کر اس نے اپنی تقدیر کو بوجھنے کی کوشش کی، کچھ تلاش کرنے میں ناکام رہنے کے بعد وہ شیلف سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

ہر رات زندگی میں اندھیرا نہیں لاتی۔ بعض راتیں جاندنی راتیں ہوتی ہیں ان راتوں میں روشنی ہی نہیں ہوتی، سکون بھی ہوتا ہے۔

بہت سال پہلے اپنے باپ کی کبھی ہوئی ایک بات اسے یاد آتی تھی۔

ہر آسمانی مذہب انسان کو آزماتا ضرور ہے مگر اسلام تو اسان کو اور ہی طرح سے آزماتا ہے۔ یہ ایسی آزمائشیں سامنے لے آتا ہے جو بندے کو کندن بنا دیتی ہیں یا پھر راکھ کا ڈھیر۔۔۔۔۔ وہ کچھ دیر پہلے اس کے کہے گئے لفظوں کو یاد کر رہی تھی۔ اور میری زندگی میں بھی میرا دین چھ سال پہلے ایسی ہی ایک آزمائش لے آیا۔۔۔۔۔ اور

اس آزمائش نے مجھے کیا بنایا۔۔۔۔۔ کندن؟ یا راکھ کا ڈھیر۔۔۔۔۔؟

اس کا دل بھر آیا۔

مجھے ایمان اور محبت میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا تھا میں نے ایمان کا انتخاب کیا اور اس کے بعد میں آج تک پچھتاوے کا شکار رہی۔۔۔ میں تو پیدائشی مسلمان تھی۔ میرا عقیدہ اور میرا ایمان کسی کمزوری کا شکار نہیں تھا پھر بھی صراطِ مستقیم پر اٹھنے والے پہلے قدم کو انگاروں پر چلنے کے مترادف سمجھتی رہی۔ چھ سال پہلے ایمان اور محبت میں سے کیے جانے والے جس انتخاب کے لیے میں کئی ہفتے واہموں اور سوچوں کے طوفان سے گزرتی رہی، وہی انتخاب ایمان علی نامی اس شخص نے چند منٹوں کے اندر میرے سامنے کھڑے ہو کر کسی رنج، پچھتاوے یا کشمکش کے بغیر کر لیا اور یہ وہ شخص ہے جو میرے دین میں صرف دو سال پہلے آیا ہے۔ میں نے بھی ایمان کے لیے محبت کو چھوڑا تھا مگر جس بے رحمی کے ساتھ یہ شخص چھوڑ کر گیا ہے اس طرح نہیں۔۔۔ کیا اس کا ایمان مجھ سے زیادہ مضبوط ہے یا پھر۔۔۔۔۔ ایمان صرف اسی کے پاس ہے؟ اور۔۔۔ اور میں۔۔۔۔۔ میں کون ہوں؟ کیا ہوں۔۔۔۔۔؟ محبت کے سراب میں گرفتار ایک بے وقوف لڑکی۔

تمہیں پتا ہے امید۔۔۔۔۔ اس شخص نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے تمہارے اندر بے یقینی کا ایک بیج بویا اور تم نے اس بیج کو بیج کر درخت بنا دیا۔ اب بے یقینی اور بد اعتمادی کا یہ درخت اتنا تناور ہو چکا ہے تم چاہو بھی تو اسے کاٹ نہیں سکتیں۔ ہاں ایسا ہی تھا ایمان علی۔۔۔۔۔ اس نے اعتراف کیا۔۔۔ میں اس درخت کو کاٹ نہیں سکتی مگر میں اسے جڑ سے اکھاڑ سکتی ہوں۔

مجھے محبت کے وجود پر یقین نہیں تھا شاید۔۔۔۔۔ شاید اس لیے مجھے محبت

ہو گئی اور اس محبت نے مجھے یقین اور ایمان دیا۔ اس کے کانوں میں ایمان کی آواز گونج رہی تھی۔ تم نے ہمیشہ محبت کے وجود پر یقین کیا محبت تمہیں بھی ہوئی مگر تمہاری محبت نے تمہیں یہ دونوں چیزیں نہیں دیں۔

میری محبت نے مجھ سے ایمان اور یقین چھین لیا۔

ہاں تم نے ٹھیک کہا، میری محبت مجھے ایمان سے دور لے گئی، تمہاری محبت تمہیں ایمان کے پاس لے آئی فرق صرف اس میں نہیں ہوتا جس سے محبت کرتے ہیں۔ فرق اس میں بھی ہوتا ہے جو محبت کرتا ہے، میں نے محبت کر کے صرف کھویا، تم نے محبت کر کے صرف پایا۔۔۔۔۔ میں کیا کوئی بھی تمہیں اور تمہارے ایمان کو کسوٹی پر پرکھنے کی جرات نہیں کر سکتا اور میری خوش قسمتی یہ ہے کہ ایسے شخص کو خدا نے میرا مقدر بنایا اور میں۔۔۔۔۔ میں آنکھیں بند کیے دلدل میں اس ہاتھ کو تلاش کرتی رہی جو مجھے بھی دلدل کے اندر کھینچ لینا چاہتا تھا۔

اور آج اتنے سالوں کے بعد پہلی بار تمہاری قید سے آزاد ہو گئی ہوں جہاں زیب پہلی بار مجھے تمہارے چہرے پر لگی ہوئی وہ سیاحی نظر آنے لگی ہے جسے تم میرے چہرے پر محبت کے نام پر مل دینا چاہتے تھے۔

پہلی بار مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تب تمہاری طرف بڑھایا جانے والا قدم مجھے کہاں لے جاسکتا تھا۔

پہلی بار مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے کہ محبت کے اس بھنور سے اپنے پیروں کو آزاد کرنے پر خوشی کے بجائے ہونے والا پچھتاوا آج تک ک طرح میرے پورے

وجود کو بھنور بنائے ہوئے تھا۔

لگائے بیٹھا تھا۔ ایمان علی کو اپنے چہرے پر ہاتھ کے لمس کا احساس ہوا، چند لمحوں کے لیے اس کا جسم تن گیا پھر جیسے سکون اور سرشاری کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ بڑی نرمی اور ملائمت سے اس کا زخم صاف کر رہی تھی۔ اس کی کپٹی سے نیچے بنے والے خون کو روئی کے ساتھ گردن تک صاف کر رہی تھی۔ اب وہ زخم پر موجود بال کاٹ رہی تھی۔

ایمان ایک دم ہی جیسے پرسکون ہو گیا تھا۔ سر میں ہونے والی تکلیف ختم ہو گئی تھی۔ ہر تکلیف ختم ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھوں کے لمس میں جا دو تھا۔ وہ اس کی بینڈیج کر چکی تھی مگر اب بھی اسی طرح اسکے سر پر ہاتھ رکھے پاس کھڑی تھی۔

چند لمحے اور گزرے پھر اس نے اپنے گال پر پانی کے چند قطرے گرتے محسوس کیے۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ جانتا تھا یہ پانی نہیں تھا۔ آنسو تھے۔۔۔۔۔ اپنے آنسو کسی دوسرے کے گال پر بہنے لگیں تو کیا ہوتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کیا یہ پھر۔۔۔۔۔؟ مگر کیوں؟ اور اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ پھر اسے یاد آیا ڈاکٹر خورشید نے کہا تھا۔

ہمارا ہر عمل اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ ہماری دوستی، ہماری دشمنی، ہماری محبت۔۔۔۔۔ ہماری نفرت۔۔۔۔۔ اپنے لیے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

اور میں اگر اللہ کے لیے اس کی ساری غلطیاں معاف کر دوں اسے ایک بار پھر یقین اور ایمان کی زمین پر پیر جمانے کا موقع دوں تو؟ اگر اللہ نے زندگی میں اسے اس کے ایک عمل کے لیے اسے اتنی چیزوں سے نوازا دیا ہے تو کیا میں ایک بار پھر اسے

اپنی محبت کے طور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے سوچا تھا۔

اس نے اپنے دل کو ٹولا، اسے حیرت نہیں ہوئی اس کے دل میں اب بھی وہی عورت تھی اور وہیں تھی جہاں پہلے دن کھڑی ہوئی تھی۔ وہ مسکرایا۔

ہاں، یہ معافی ہم دونوں کی آزمائش ختم کر سکتی ہے۔ چند لمحوں کا ایثار اور اعلیٰ ظرفی بہت سے رشتوں کو مضبوط کر سکتی ہے اور پھر اب۔۔۔۔۔ اب جب ہم زندگی میں ایک نئے رشتے سے آشنا ہونے والے ہیں یہ ضروری ہے کہ میں اس پر مہربانی کروں، ایک پارسا عورت اتنے کی مستحق ہوتی ہے کہ اس کی زیادہ غلطیوں کو معاف کر دیا جائے۔

کیا امید کی آنکھوں میں آنسو آ سکتے ہیں؟ آنکھیں اسی طرح بند کیے اس نے مدھم آواز میں پوچھا۔

ایمان کے لیے آ سکتے ہیں۔ اس نے بھی اسی طرح سرکوشی میں کہا۔
اور محبت کے لیے؟ امید نے اسے کہتے سنا۔

اب نہیں۔۔۔۔۔ وہ کیا پوچھ رہا تھا، وہ جانتی تھی۔ وہ خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر نظر جمائے وہ ہر نقش کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ ڈائینگ ٹیبل کے سامنے کھلی کھڑکی سے تیز ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا۔ ڈائینگ ٹیبل کے اوپر لٹکنے والا آرائشی لیمپ فصا میں لہرانے لگا۔

وہ اس کے چہرے پر لہراتی تیز اور مدھم ہوتی ہوئی روشنی کو دیکھنے لگی۔ لیمپ آہستہ آہستہ جھول رہا تھا۔ خاموشی اور روشنی عجیب سے رقص میں لگن تھیں۔ وہ اس کے بالوں میں آہستہ آہستہ ہاتھ اس کے ماتھے پر لے آئی پھر ہاتھ کی ہتھیلی سے اس نے

ایمان کی آنکھیں ڈھک دیں۔ ایمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری یوں جیسے وہ اس

کے ہاتھ کی حرکت سے محفوظ ہوا ہو وہ اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ چہرہ دیکھتی رہی یوں جیسے اس کی آنکھوں کو روشنی کے لہراتے سایوں سے بچانا چاہتی ہو۔ جیسے سکون دینا چاہتی ہو وہ گہرے سانس لینا ہوا بے حد پر سکون نظر آ رہا تھا۔

تیز ہوا کے کچھ اور جھونکے اندر آئے، اس نے ہوا میں گرد محسوس کر لی تھی۔ آندھی آ رہی تھی۔ اس بار اس نے ہر کھڑکی، ہر دروازہ بند کرنا تھا اس بار وہ کسی بھی چیز کو آلودہ ہونے نہیں دینا چاہتی تھی۔ اپنے ارد گرد موجود ہر چیز اسے یک دم جیسے بہت قیمتی لگنے لگی تھی۔ وہ ہاتھ ہٹا کر بہت تیزی سے کھڑکی کی طرف گئی۔ ایمان نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ وہ کھڑکی بند کر رہی تھی۔ ہوا میں یک دم شدت اور تیزی آ گئی۔ اسے وقت ہو رہی تھی، ایمان بے اختیار اٹھ کر اس کی طرف گیا۔ کھڑکی کا پٹ کھینچ کر ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ باہر لان میں سے اٹھنے والا ہوا کا ایک گولا اپنے ساتھ لیے ہوئے پتوں اور مٹی کے سات کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرایا۔ مٹی اندر نہیں آ سکی، کھڑکی کے شیشوں سے مٹی اور پتے ٹکراتے ہوئے نیچے گر رہے تھے۔ امیدم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے سحر زدہ ہی کھڑکی سے ٹکرانے والے پتوں اور مٹی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ یک دم خود کو بہت محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔

باہر سے آنے والی گندگی اندر نہیں آ سکی۔ اس بار کوئی آلودگی اندر آ ہی نہیں سکتی۔ اس بار ”ایمان“ اور ”امید“ ایک ساتھ کھڑے ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے سوچا ایمان برق رفتاری سے کچن کی دھری کھڑکیاں بند کر رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور وہیں کھڑی رہی۔

مجھے یہ موسم پسند نہیں ہے، اتنی مٹی، ہر وقت کا طوفان، اب پھر صبح سارا گھر صاف کرنا

پڑے گا۔

سارا دن صابر کرے گا صابر۔۔۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کھڑکیاں کیسے کھلی رہنے دیں۔ پتا نہیں کس کس کمرے کی کھلی ہوں گی اور پتا نہیں کہاں کہاں سے مٹی اندر آ رہی ہوگی۔ وہ اب بولتے ہوئے کچن سے نکل رہا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے پیچھے کچن سے نکلتے ہوئے اس نے سوچا۔

ایمان کے شیشے پر کتنی ہی گرد اور مٹی کیوں نہ ہو۔ اسے صاف کیا جاسکتا ہے بس صرف ایک ہاتھ پھیرنا پڑتا اور شیشے میں سے عکس نظر آنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر ہر ہاتھ کے ساتھ عکس پہلے سے زیادہ صاف اور چمکدار ہوتا جاتا ہے۔۔۔۔۔ اور وہ ہاتھ اس محبت کا ہوتا ہے جو ایمان سے ہوتی ہے۔

☆-----☆-----☆